UGC CARE LISTED JOURNAL
ISSN 2321-1601
RNI UPURD/2016/67444
INTERNATIONAL REFEREED JOURNAL

SABAQ E URDU (Monthly)

Infront of Police, Chowki, G.T.Road, Gopiganj-221303,
Dist.Bhadohi, UP, INDIA

EDITORIAL BOARD

INDIA

1. Professor Khwaja Md. Ekramuddin, JNU, Delhi
2. Professor Ibne Kanwal, Delhi University, Delhi
3. Professor Shahzad Anjum, Jamia Millia Islamia, New Delhi
4. Professor Shaikh Aquil Ahmad, Director, Ncpul, New Delhi
5. Professor Shabnam Hameed,University of Allahabad, Prayagraj
6. Professor Saleha Rasheed, University of Allahabad, Prayagraj
7. Professor Zeba Mahmood, HOD, Dept. of Urdu, G.S.P.G.College, Sultanpur (UP)
8. Professor Zafar Azmi, Patna University, Patna
9. Dr. Ajay Malviya G.C.Member of Sahitya Akademi, New Delhi
10. Dr. Abdul Haque, HOD, Dept. of Urdu, Post Graduate Govt. P.G. College, Rajouri 185133, J&K

FOREIGN

1. Professor Nasir Abbas Nayar, Pakistan
2. Dr Muhayyo Abdurahmonova, Tashkent State University of Oriental Studies, Tashkent
3. Dr Sadaf Naqvi, HOD, Dept. of Urdu, Govt. College Women University, Faislabad, Pakistan
4. Professor Soya Mane, Writer

JAPAN

5. Dr. Mohd Ibrahim, Dept. of Urdu, Al-Alazhar University, Egypt
danish4@hotmail.com
6. Professor Sohail Abbas, Dept. of Urdu, University of Tokyo
abbaskhansuhail@gmail.com
7. Dr. Ali Byat, Dept. of Urdu University of Tehran
bayatali@ut.ac.ir

EDITOR	**CHHIEF EDITOR**
DR MOHD SALEEEM	DANISH ALLAHABADI

خواجہ محمد اکرام الدین خوشبو بھری زندگی جینے کے عادی ہیں۔قاری ناظر اور سامع کو ذہنی شعور عطا کرنے کی صلاحیت ان میں محبوبانہ انداز میں ہے جو قوس وقزحی نظارہ پیش کرتا ہے۔نفسیات کی گہرائی کو سمجھنے کی خداداد انفرادیت کو تیز رفتاری سے تنوع عطا کر کے انہوں نے اردو کو مہکتی بہاریں دی ہیں اور تنگ نظری کی نفرتوں کو دور کیا ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین ادب کے حوالے سے اسلامی زندگی جیتے ہیں حالاں کہ انہوں نے رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ ،جیسی کتاب لکھ کر لسانیات پر اپنی گرفت کا ثبوت پیش کیا ہے ساتھ ہی اپنی پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے ''انیسویں صدی کے تذکروں کا تنقیدی جائزہ'' میں ماضی کے گم شدہ اوراق پیش کیے ہیں لیکن عصری زندگی سے زمانہ شناسی کو نیا نصاب دیا ہے جس میں فلاحی ،سماجی ،معیار تعلیم کے ساتھ ادبی تاریخ کو انہوں نے اعتبار بخشا ہے اور روشنی کا نیا منظر نامہ پیش کیا ہے جس کی جگمگاہٹ فارسی کی ادبی تاریخ تک پہنچتی ہے اور تعلیم کے نئے رخ کو پیش کرتی ہے جب کہ ان کی پہلی ترجیح ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی توفیق ہے۔

○○○

احمد معراج
کولکاتا، مغربی بنگال ہندوستان

عصری ادبی زندگی کی مناسبت کی پہچان: خواجہ محمد اکرام الدین

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی شخصیت معروف و مشہور ہے۔ وہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے طالب علموں کو اتنا کچھ دیتے رہے ہیں کہ تعلیمی میدان میں استاد کی حیثیت سے ان کا نام معتبر مانا جاتا ہے۔ انہوں نے تقریباً 40 پی۔ ایچ۔ ڈی اور 55 ایم فل کرائی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین جب NCPUL کے ڈائرکٹر ہوئے تو گلشن اردو میں انہوں نے طرح طرح کے پھول کھلائے جن کی وجہ سے ان کی شخصیت کے اظہار میں حرکات کے خدوخال واضح طور پر نمایاں ہوئے۔ انہوں نے اردو کی زندگی کو جو عرفان بخشا ہے اس سے اردو کے بڑے حلقے سے انکا ذہنی لگاؤ ہوا اور ان کے کردار میں فطری بالیدگی آئی جو عصری تقاضے سے بھرپور ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند میں آنے کے بعد انہوں نے دریافت کے بنیادی جز کو سمجھ کر اردو کے تہہ در تہہ مسائل حل کرنے کی کوشش کی جس سے حیات و کائنات کا واسطہ ہے۔ انہوں نے صرف ادب کی تنقید و تخلیق کو ہی خود تک محدود نہیں رکھا بلکہ سائنسی اور تکنیکی ضروریات کو محسوس کر کے اردو کی زندگی کے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے جس سے مقصد کی جولانی اور توانائی ابھر کر سامنے آئی۔ انہوں نے رشید احمد صدیقی پر دو کتابیں لکھنے کے ساتھ اردو میڈیا اور اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اردو کی شعری اصناف پر بھی ان کی نگاہ رہی ہے اور اردو سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کو تلاش کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ خواجہ محمد اکرام الدین اکیسویں صدی میں اردو کے فروغ کیلئے نئے تجربات کئے ہیں اور عوام تک پہنچانے کے لیے اپنے الگ نظریے کی توسیع کی ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین کی شخصیت میں جو نفاست اور شرافت ہے وہ ان کی مذہبی تعلیم کی وجہ سے ہے۔ ان کا گھرانہ مذہبی رہا ہے، اسلامی رہا ہے اور جدید سائنس سے مرصع رہا ہے۔ نصف صدی کو انہوں نے جس گہرائی اور مطالعے سے دیکھا پرکھا ہے اسے منصفانہ طور پر اپنی اپنی سوچ سے وابستہ کرنے کے لیے NCPUL کا ایک بڑا پلیٹ فارم ملا جس میں خارجیت اور اجتماعیت کا ذہنی جھکاؤ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نصف صدی میں ان کی عمر کا حصہ تاریخ کی عہد ساز معنویت کو ہمہ گیریت عطا کرتا ہے اور زندہ تحریک کو توانا تحریک بنانے میں کرداری مرقع پیش کرتا ہے۔

عرشی بستوی
آرگنائزر انجمن اصلاح ادب نرائن پور ضلع کٹھی گھر، اتر پردیش

آبروئے اردو ادب پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب

عہد حاضر میں دنیائے اُردو ادب میں نمایاں خدمات میں جو مقام پروفیسر اکرام الدین صاحب کا ہے وہ محتاج تعارف نہیں اُن کے وسعت علم و ادب کا احاطہ کرنا ممکن تو نہیں البتہ آپ کے ظاہری اوصاف و کمالات اور ادبی خدمات کے تعلق سے اردو ادب کی وضع قطع، فصاحت و بلاغت کا جو امتزاجی در و بست ہے وہ انتہائی لائق ستائش ہے آپ کی فنی اور علمی کاوشیں گلشن اُردو کی آبرو ہیں۔ دور حاضر میں زبانِ اُردو جہاں چند تنگ ذہن عناصر کی تنگ نظری کی شکار ہے جو سخنورانِ ادب سے مخفی نہیں ہے وہاں اُردو سے تعلق رکھنے والے حضرات کا بھی انتہائی المیہ ہے کہ وہ ایک خاص مقام حاصل کرنے کے بعد بھی اردو زبان و ادب سے بیزار نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی اردو کی مخالفت یا اردو کی نکتہ چینی کرتے بھی دیکھے جاسکتے ہیں کم ہی حضرات ایسے ہوں گے جو اردو کے حقوق پورے طور پر ادا کر سکے ہیں اور مقام خاص حاصل کرنے کے بعد خدمت اردو میں مسلسل کوشاں ہوں ان حالات میں انفرادی یا اجتماعی طور پر اردو کی بے مثال خدمات کے لئے اپنے آپ کو مصروف رکھنا رزم گاہ تیغ و تلوار سے نبرد آزما ہونے سے کم نہیں ہے ان میں ایک اہم نام محترم جناب پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا بھی ہے جن کے اندر اُردو کی خدمت کا جذبہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر مصروفیات کے باوجود وہ اردو کی ترویج و ترقی کے لئے ہر ممکن سطح پر کوشاں ہیں آپ نے NCPUL میں ڈائرکٹر کے طور پر اُردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے کا ایک اہم کردار ادا کیا ہے جس کا فائدہ اردو ادب کو طویل عرصہ تک ملتا رہے گا اور جدید ٹکنالوجی کی بدولت اردو کی ترقی میں آرہی دشواریوں سے نجات ملنے کے ساتھ ساتھ ترقی کی رفتار بھی تیز ہو جائے گی بالآخر دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی عظیم المرتبت و گراں قدر ادبی شخصیت کی بیش بہا خدمات کی علمی روشنی سے دنیائے ادب کو ہمیشہ منور رکھے۔ آمین

OOO

شخص سے دنیا کو کافی امیدیں ہیں ان کے لیے عہدہ چہ معنی دارد بلکہ عہدہ ان جیسے جیالوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہمہ وقت منھ پھیلائے ہوئے ہے۔

OOO

ڈاکٹر اقبال حسین
نوری ہاؤس اوپر گھی جھریا، دھنباد بہار

اختراعی ذہن کا مالک خواجہ اکرام الدین

وتُعز من تشاء وتذل من تشاء--- بیشک ہمارا ان باتوں پر ایمان ہے وہ خالق کائنات ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے پس آپ کو بھی کوشش پیہم کرنی ہوگی ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین صاحب نے اس کوشش پیہم کا نام ہے۔تعلیم حاصل کرنے کیلئے یوپی کے مدارس ہوں یا جے این یو جیسی عظیم درسگاہ تعلیم حاصل کر کے درس وتدریس کو اپنا پیشہ بنایا معاش سے بےفکری انسان کو اطمینان بخش سامان فراہم کرتی ہے، اس کے برعکس خواجہ اکرام الدین صاحب اپنے عہد کی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہنگاموں سے پیدا ہونے والی ذہنی وجذباتی فضا کو پرکھا اور اپنے لئے نئی راہوں کا تعین کیا۔ یہ اور بات ہے کہ موصوف کی نگاہیں کہیں اور تھیں۔ آپ کو میل کا پتھر ہونا طے تھا۔اُستاذی کے عہدے پر رہتے ہوئے آپ برخلاف توقع ہمیشہ اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے کوشاں رہے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی سربراہی کی ذمہ داری ملتے ہی آپ نے اپنے پروں کو کھولنا شروع کیا جس کی مثال آپ کے ذریعہ زبانِ اردو کی بقا کیلئے لیے گئے اہم فیصلے ہیں۔ کہتے ہیں، ہمت مرداں مدد خدا یا یوں کہیں جہاں چاہ وہیں راہ کے مصداق آپ فیصلے لیتے گئے اور راستے میں حائل ساری رکاوٹیں دور ہوتی رہیں اُردو دنیا فیضیاب ہوتی رہی پر ادراک کو آپ نے خوب خوب وسعت دی جس سے کٹھن منزلیں سر ہوتی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان جیسے سرکاری اداروں کو کوئی جانتا نہ تھا آج ہندوستان کے چاروں سمت اُردو قارئین اس سے فیض حاصل کر رہے ہیں خواہ وہ جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ دنیا بھر میں اُردو زبان کو متعارف کرانا ہو یا پھر اُردو کمپیوٹر آن لائن کورسیز میڈیا کورس اردو ڈپلوما کورس اُردو عربی ڈسٹنس کورسیز کیلئے نت نئے سینٹر کے قیام کو عملی جامہ پہنایا ہی نہیں بلکہ سینٹرز کے ذریعہ سیکڑوں افراد کو روزگار مہیا کرانے کا کام کیا تحقیق و تنقید کے میدان میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں آپ کی پہلی تنقیدی کتاب رشید احمد صدیقی پر ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آئی جس کا عنوان تھا ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تنقیدی مطالعہ موصوف کی سربراہی میں کم وبیش چالیس افراد نے پی ایچ ڈی 53 افراد نے ایم فل کیا ساتھ ہی یہ سلسلہ مزید دراز ہونے کے راستے پر گامزن ہے۔فاصلاتی نظام تعلیم کے حوالے سے موصوف نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں کسی شخص یا کسی اردو اداروں نے نہیں کیا۔ یہ چند کارنامے ہیں خواجہ اکرام الدین کی فہرست تو طویل ہے۔اختراعی ذہنیت سے مالا مال اس

CIIL میسور اور microsoft کے اشتراک سے اردو آن لائن پروگرام اور ڈیجیٹل لائبریری جو کہ این سی پی یو ایل کی کتابیں ڈیجیٹل طرز پر بغیر کسی قیمت کے مہیا کراتی ہے، کی داغ بیل ڈالی۔ وزرات برائے کمیونیکیشن اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی ہند کے اشتراک سے Urdu Wiki Site Urdupedia کا خوش آئند آغاز کیا۔

وزرات برائے کمیونیکیشن اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی ہند کے ہی اشتراک سے تیرہ (۱۳) نے فونٹس اردو دنیا کو مہیا کرائے۔ Nokia Bar Phone کو ٹیکنیکل اور تعلیمی ان پٹ مہیا کرائی۔

گلوبلائزیشن کے اس دور میں اردو اگر جدید ٹکنالوجی سے ہم آہنگ نہیں ہوگی تو اس زبان کا وقت کی رفتار کے ساتھ چلنا دشوار ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے انحطاط کا خطرہ بھی بڑھ جائے گا۔ اسی بات کو ذہن میں رکھ کر پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب نے اردو کو جدید تکنیکی وسائل سے جوڑنے کی جدوجہد کی جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی ہے۔ یہ ان کی بصیرت کا نتیجہ ہے کہ لوگ اب اردو کی ترویج کے لئے جدید تکنیکوں کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ جب تک انسان میں بصارت اور وژن نہ ہو وہ نہ خود ترقی کر سکتا نہ ہی کسی اور کو ترقی کی راہ پر لے جا سکتا۔ پروفیسر خواجہ صاحب کی اعلیٰ بصارت اور بصیرت نے انہیں اردو کی عالمگیر شخصیات کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

وادیٔ سخن میں ان کے اعزاز میں ایک مکمل ہفتہ وقف کیا گیا تاکہ ان کی خدمات کو کماحقہ خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔ اس دوران پر پیپرز اور مقالے اور انٹرویوز بھی پیش کئے گئے جس سے ان کی شخصیت کو کافی حد تک سمجھنے کا موقع ملا۔ اس سیمنار میں تمام شرکا نے اپنی استطاعت کے مطابق وقت دیا اور خواجہ صاحب جیسی عہد ساز ہستی کو گلہائے تحسین پیش کئے۔ میں بھی اس سیمنار کا حصہ رہا یہ میرے لئے پر مسرت امر ہے۔ وادی سخن کے تمام اراکین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ مردہ پرست نہیں۔ بلکہ ایک فعال ہستی کا جشن منا کر ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

○○○

عبدالوہاب سخن
(شعبہ انگریزی، الجوف یونیورسٹی سعودی عرب)

پروفیسر خواجہ اکرام الدین
اردو کے فروغ میں جدید تکنیک اور اختراعات کے علمبردار

پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب اردو تنقید و ادب کی ایک نابغہ شخصیت کا نام ہے کہ جس نے اردو کو نہ صرف روایتی انداز میں برتا ہے بلکہ اردو تعلیم کی جدید تکنیکوں اور اختراعات سے بھی اردو دنیا کو روشناس کرایا ہے۔ وہ شعبہ اردو، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی میں پروفیسر ہیں۔ جے۔ این۔ یو۔ ہندوستان کی ریسرچ کی سب سے اہم درسگاہ ہے۔ خواجہ اکرام الدین صاحب کے پس منظر کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ موصوف صوبہ جھارکھنڈ سے تعلق رکھتے ہیں، مدرسہ شمس العلوم گھوسی (یوپی) سے بنیادی دینی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں عصری علوم کی طرف مائل ہوئے اور پٹنہ یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کیا۔ جے این یو دہلی کا رخ کیا اور یہاں سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ ایم فل کے لیے آپ کے تحقیق کا عنوان ×× رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تنقیدی مطالعہ اور پی ایچ ڈی کا عنوان انیسویں صدی کے تذکروں کا تنقیدی جائزہ ہے۔ اب تک تقریباً دو درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں اردو کی شعری اصناف اور اردو میڈیا خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی کتابیں اور مقالے برصغیر کی کئی یونیورسٹیز کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ ایسی مثالیں خال خال ہی ہیں کہ مدرسوں کی تعلیم کے بعد عصری تعلیم سے گہری ہم آہنگی ہو اور خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہو۔ لیکن خواجہ صاحب اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ درحقیقت اردو تعلیم و تربیت میں نئی تکنیکوں کے ذریعہ حصول تعلیم ایک اہم کام ہے جو مستقبل میں اردو کو زندہ رکھنے کے لئے آب حیات کا کام کرے گا۔ اسی لئے اردو دنیا کے لئے اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ پروفیسر اکرام الدین صاحب کے تعارف اور خدمات کے لئے یہ مختصر سا مضمون ناکافی ہے۔ ان کے اعزازات کا احاطہ کرنے کے لئے پوری ایک کتاب کی ضرورت ہوگی۔ مختصراً ان کے جدید الیکٹرانک وسائل کے حوالے سے ان کی خدمات پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ ان کی شخصیت کا ایک اور مرقع ہمارے روبرو ہو۔

اردو کے جدید تکنیکی وسائل کے سلسلے میں انھوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ واقعی قابل ستائش ہیں بلکہ عظیم کارنامے سے کم نہیں۔ این سی پی یو ایل کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں اور اس حوالے سے

ماہر عثمانی

خاص ہو کر بھی بہت عام ہیں خواجہ اکرام
خوش بیاں کنجی افہام ہیں خواجہ اکرام

وصف رکھتی بہت ان کی ادب آموزی
واقعی دیکھئے انعام ہیں خواجہ اکرام

انشا پرداز تو دیکھے ہیں بہت ہم نے مگر
اردو دنیا کا بڑا نام ہیں خواجہ اکرام

جاری رکھّا ہے اک عرصہ سے ادب کا دریا
جامع العلم ہر اک گام ہیں خواجہ اکرام

ہوتے سیراب سبھی تشنہ لب اردو ادب
ہاں سبھی کے لئے اک جام ہیں خواجہ اکرام

ان سے پائے ہوئے ہیں فیض ہزاروں تلمیذ
اک جہاں کے لئے پیغام ہیں خواجہ اکرام

کاش مل جائے ہمیں بھی کوئی ان کی خوبی
کوچۂ قلب کا آرام ہیں خواجہ اکرام

رات دن بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں فنی چمک
رونق صبح و شب و شام ہیں خواجہ اکرام

ان کی خدمات پہ اردو بھی رہے گی نازاں
اس زباں کے لئے اکرام ہیں خواجہ اکرام

ماہر ان کے لئے اشعار کا آغاز کیا
میرے آغاز کا انجام ہیں خواجہ اکرام

OOO

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی
بھاگل پور، بہار

خواجہ اکرام بین الاقوامی شخصیت

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین بین الاقوامی شخصیت کا نام ہے جن کی خدمات مختلف الجہات ہیں۔ انہوں نے ایک معلم کی حیثیت سے اور ایک ڈائرکٹر کی حیثیت سے اردو کے فروغ میں عشق کی روحانی لذت پیش کی ہے اور پر کیف سرمستیوں کو گفتگو عطا کی ہے۔ اردو کمپیوٹر کورس، آن لائن کورس، میڈیا کورس اور اردو ڈپلومہ کورس کی اہمیت کو پہلی بار نصاب کا حصہ بنا کر موعظت کو ذائقہ دار بنایا ہے اور مزے دار چاشنی سے خوشگوار کیا ہے۔ ان کے جذبات و محسوسات کی تحقیق کی جائے تو حدت و حرارت کی ضیاء اور تنویر کو مقصد اصلی مانا جا سکتا ہے جس سے ان کی سوچنے والی ذہنیت آسمان تک پہنچتی ہے اور رواں دواں عصری مطالعہ کو انبساط تک لے جانے میں حوصلہ مند ہے۔ دھندلے نقوش کو منعکس کر کے اردو کے پردۂ سیمیں کو جس تجلی سے انہوں نے عزائم و مقاصد تک پہنچایا ہے ان میں شفقی روشنی دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ایک باوقار اور ذمہ دار شخص کی زندگی کی صحیح عکاسی، تشریح اور تعبیر کی روح کی غماز ہے۔ انہوں نے اردو کی تہذیبی، ثقافتی اور سماجی ارتقاء کو اکیسویں صدی کے دوش بہ دوش لا کھڑا کرنے میں آفتاب بن کر آہنگ اور گھن گرج پیدا کیا ہے، یہ انہی کا حصّہ ہے۔ سمت نما بننا آسان کام نہیں ہے۔ زبان کو متحرک کر کے نیا نقشہ عطا کرنا خواجہ محمد اکرام الدین جیسے حقیقت پسند فنکار کی حیات کا تحریکی نمونہ ہے جس میں طرز فکر کے اثرات ہیں، حقیقت پسندی کے نمونے ہیں، مختلف موضوعات کی پہچان ہے، مذہبی اور سائنسی طغیانی اور تنقیدی نظریات کا وسیع دائرہ ہے۔ اس توانا شخصیت سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ انکے لئے نئے دور کی بشارت اور شاندار مستقبل کی دعائیں بھی ہیں۔

خواجہ اکرام: ادب نے ہمیشہ سیاست، مملکت اور معاشرے کو متاثر کیا ہے اور آج بھی کر رہا ہے یہ ادیب کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے عہد کو ادب میں پیش کریں ہاں ادب کو ادب رہنے دیا جائے نعرہ نہ بنایا جائے۔

غلام زہرا: اردو ادب و شاعری میں آپ کس سے متاثر ہوئے۔

خواجہ اکرام: شاعری نے زیادہ متاثر کیا ہے۔

بشکریہ
فیملی میگزین لاہور، پاکستان میں
۱۹ اپریل ۲۰۲۲ میں شائع ہوا۔

OOO

کر اگر روزگار کے مواقع کا موازنہ کریں تو اس میں صرف اردو ہی نہیں دیگر زبانیں بھی شامل ہیں ۔ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس صارفی دور میں تہذیبی اور لسانی شناخت کی ہوڑ مچی ہوئی ہے ایسے میں دنیا کے اقوام و ملل اپنی اپنی زبان کے تحفظ میں کوشاں ہیں ۔لہذا ہم اردو والوں کو بھی اس سمت میں کوشش کرنی چاہیے۔

غلام زہرا: بطور اُستاد یہ بتائیں کہ نصابی خامیاں کیسے دور کی جا سکتی ہیں؟

خواجہ اکرام: دیکھیں نصاب کا مطلب یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ میں ترمیم و اضافے کیے جائیں مگر عموماً اس جانب توجہ نہیں دی جاتی ۔نصاب کو وقت کے تقاضے اور مطالبے کے پیش نظر مرتب کیا جانا چاہیے ۔اس کے ساتھ موجودہ تعلیمی نظام میں ایک گنجائش یہ بھی رکھی گئی ہے کہ استاد اور طالب علم درس کے دوران کچھ اضافہ کر سکیں ۔ ہر بڑی یونیورسٹی میں اس کا چلن عام ہے لہذا اس روش کو بھی اپنانے کی ضرورت ہے۔

غلام زہرا: بطور نقاد مسلمانوں کی علمی و ادبی اور تہذیبی ترقی پر آراء قائم کیجیے؟

خواجہ اکرام: یہ تلخ حقیقت ہے کہ موجود دور میں مسلمان خواہ کسی ملک کے ہوں وہ نفسیاتی دباؤ میں ہیں ۔ سب سے پہلے تو اس نفسیاتی دباؤ کو دور کرنے کی ضرورت ہے اور بہ حیثیت مسلمان اپنے کردار اور عمل پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔دوسروں کو نہ دیکھیں کہ وہ کیا کرتے یا کہتے ہیں اپنا اسلامی شعار اور کردار پیش کریں۔ تعلیم کے سلسلے میں مسلم ممالک اب بھی بہت پیچھے ہیں اور تعلیم پر توجہ دینی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے ۔یہ تعلیم صرف مشرقی یا روایتی نہ ہو بلکہ رائج علوم و فنون کی جانب نئی نسل کو اپنے تہذیبی اقدار کے ساتھ مائل کرنے کی ضرورت ہے۔

غلام زہرا: اچھا یہ بتائیں کہ آئیڈیلزم پر کس حد تک یقین ہے؟

خواجہ اکرام: آئیڈیلزم ایک وہم ہے اصل آئیڈیلزم کا تصور یہ ہونا چاہیے کہ ہم عہد اور معاصر تقاضوں سے کتنے ہم آہنگ ہیں ۔کامیابی اسی سے ملتی ہے۔

غلام زہرا: علمی و ادبی تنظیمیں کس انداز سے کام کر رہی ہیں؟

خواجہ اکرام: ہمارے معاشرے میں جتنی بھی علمی و ادبی تنظیمیں ہیں ان کی کارکردگی قابل تحسین ہیں ۔یہ وہی تنظیمیں ہیں جو ملک و قوم کے لیے بہتر کام کر رہی ہیں ورنہ حکومتی کام تو اعداد و شمار میں کھو جاتے ہیں ۔ادبی تنظیموں کی ہی یہ دین ہے کہ وہ مختلف الجہات اور کثیر الابعاد مقاصد اور منہاج کے لیے کام کر رہی ہیں اور خاطر خواہ نتیجہ بھی نکل رہا ہے ۔ان کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ تنقید و تنقیص کی ۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر تنظیم کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں عین ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس سے اتفاق نہ ہو، ایسی صورت میں خاموش رہیں کیونکہ وہ جو کر رہے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طور سے ادب و معاشرے کی خدمت ہی ہو رہی ہے ۔ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جن کو نا پسند ہو وہ اپنے مقاصد کے لیے ایسی تنظیمیں بنائیں اس طرح ہر پہلو اور گوشے پر کام ہو سکے گا۔

غلام زہرا: کیا ادب مذہب اور سیاست پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی ، نہ محبت ، نہ معرفت ، نہ نگاہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

غلام زہرا: اقبال کی نظر میں ایک مسلمان میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے؟

خواجہ اکرام: صاحب ایمان اور صاحب کردار۔ اقبال عملی زندگی پر زیادہ زور دیتے ہیں ایک مسلمان کی شناخت اس کے کردار سے ہونی چاہیے یہی اقبال کے اشعار میں جابجا موجود ہے۔

غلام زہرا: اقبال نے اپنے خطبات میں کس نکتے پر زیادہ توجہ دلائی؟

خواجہ اکرام: اقبال بنیادی طور پر اقوام وملل کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے اور یہ وہ دور تھا کہ تیزی سے عالمی احوال میں تغیرات رونما ہو رہے تھے۔ اس وسیع کینوس میں اقبال کبھی تعلیم کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو کبھی فکرو فقہ اور اسلامی عقائد میں ارتقائی طور معاشرتی ہم آہنگی دیکھنا چاہتے ہیں۔ مملکت کے نظام میں کبھی سیکولرزم کو دیکھتے ہیں جو بہت تیزی سے مقبول ہو رہا تھا تو کبھی اسلامی نظام پر نظر ڈالتے ہیں، وہ چاہتے ہیں امن وسکون کا اخوت کا عالم گیر نظام قائم ہو۔ اس کے لیے انھوں نے تشکیل کائنات اور وجہ تخلیق اور انسانی ذمہ داریوں پر بھی گفتگو کی ہے لیکن یہ تمام مباحث انتہائی فلسفیانہ ہیں۔

غلام زہرا: اردو کی موجودہ حیثیت اور صورت حال کیا ہے؟

خواجہ اکرام: میری نگاہ میں اردو کی صورت حال تشفی بخش ہے۔ عہد حاضر میں دنیا کی ان چند زبانوں کے علاوہ جو براہ راست اقتصادی روابط کی زبانیں ہیں، ان کے علاوہ تمام زبانوں کی ترقی کی راہیں دشوار گزار ہیں کیونکہ ان کی سر پرستی کہیں سے نہیں ہو رہی ہے ایسے میں وہی زبانیں قائم ودائم ہیں جو تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے ثروت مند ہیں۔ ان میں اردو بھی ایسی زبان ہے جس کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس کا ادب عالیہ دنیا کی بڑی ادبیات کے مقابلے رکھا جا سکتا ہے۔ اردو کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک برصغیر جیسے بڑے خطے کی زبان ہے جہاں کثرت سے رابطے کے لیے اسی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ لسانی نقطۂ نظر سے وہی زبان زندہ ہے جو استعمال میں ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ دور میں اس زبان کو بڑی وقعت حاصل ہے جس کا مہجری ادب وقیع ہو۔ اس حوالے سے دیکھیں تو اردو کی مہجری ادب بہت ثروت مند ہے کیونکہ دنیا کے تمام بڑے ممالک میں اس زبان کے بولنے والے اور ادب تخلیق کرنے والے موجود ہیں۔

اردو کو سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہے کہ یہ براہ راست روزگار سے وابستہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کو نوکریاں نہیں مل رہی ہیں۔ مگر عموماً لوگ دوسرے تکنیکی اور سائنسی علوم کے مقابلے رکھ

بھی ہدایت کی ہے کہ:

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیئے

عقل وخرد کی باتیں جس انداز سے اقبال نے پیش کی ہیں وہ کسی اور شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا ان کے کلام میں عشق کے مختلف جہات اور رنگ کے لیے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بدم

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بدم

عشق از فریاد ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد
ورنہ ایں بزم خموشاں ہیچ غوغاے نداشت

عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہہ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

عشق تمام مصطفی عقل تمام بو لہب

غلام زہرا: شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے نفی حیات اور خانقاہی زندگی سے متعلق کیا کچھ کہا ذرا روشنی ڈالیے۔

خواجہ اکرام: اقبال خانقاہوں کے مخالف تو نہیں تھے مگر جس طرح خانقاہیں اپنے اصل سے ہٹ کر غیر ضروری رسوم ورواج میں الجھ گئیں تھیں، اقبال اس کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ صوفیا نے اسلام کی ترویج کے لیے کوششیں کیں لیکن اس دور کی خانقاہیں دعوت وتبلیغ سے دور رسوم ورواج میں سرگرم تھیں اسی لیے انھوں نے مدارس کو بھی اور خانقاہ کو بھی اپنے طنز کا نشانہ بنایا تاکہ ان اداروں کو راہ راست پر لایا جاسکے۔

اس کی تقلید ممکن ہو سکی۔ اپنے شعری تخلیق میں اقبال اردو شاعری میں تن تنہا ہیں۔ انھوں نے آنے والی تمام نسلوں کو اپنی طرف مائل کیا ہے یہی اقبال کا سب سے بڑا وصف ہے۔

غلام زہرا: کلام اقبال عربی اور فارسی زبان کے باعث ابلاغ عامہ کے راستے میں حائل تو نہیں؟

خواجہ اکرام: یقیناً اقبال کو سمجھنے کے لیے فارسی اور کسی حد تک عربی کا جاننا ضروری ہے۔ لیکن یہ باتیں ہم آج کے تناظر میں کہہ رہے ہیں کیونکہ آج کے نظام تعلیم میں فارسی اور عربی پر اتنی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ پہلے ہر تعلیم یافتہ شخص فارسی اور عربی کسی حد تک ضرور جانتا تھا۔

غلام زہرا: شاعری میں فلسفیانہ خیالات پیش کرنے کے حوالے سے بتایئے کہ اقبال کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

خواجہ اکرام: شاعری میں فلسفہ کو شیر و شکر کرنے کا فن اقبال سے قبل غالب کو تھا اور اس کو مزید بلندیوں تک اقبال نے پہنچایا۔ اقبال نے فلسفہ کو پیش کرنے کے لیے کبھی بھی شعریت کو مجروح نہیں کیا۔ چند مثالیں دیکھیں:

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو ہی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

غلام زہرا: کسی عظیم شاعر کی حقیقی پہچان کیا ہے؟ کیا ہم کوئی ایسی میزان پیش کر سکتے ہیں کہ اقبال کی مقبولیت کا گراف تیار کر سکیں۔

خواجہ اکرام: کسی عظیم شاعر کی حقیقی شناخت یہ ہے کہ گزرتے وقت کے ساتھ اس کے کلام کی مقبولیت میں اضافہ ہو اور کلام میں پیش کیے گئے پیغامات بھی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کسوٹی پر اقبال کا کلام کھرا اترتا ہے اور اقبال کی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ رہی بات کسی پیمانے کی تو یہ ممکن اس لیے نہیں کہ اقبال کی مقبولیت اور اقبال کی تدریس دنیا کی بڑی زبانوں میں ہو رہی ہے اس لیے اعداد و شمار حاصل کرنا مشکل امر ہے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ سال میں سب سے زیادہ کسی شاعر پر مضامین یا کتابیں لکھی جاتی ہیں تو وہ اقبال ہی ہیں۔

غلام زہرا: اقبال کے ہاں عشق کا تصور روایتی تصور عشق سے مختلف ہے کچھ اس کے بارے میں کہیے۔

خواجہ اکرام: اقبال کے یہاں عشق کا تصور بہت بلند ہے۔ عشق کو انھوں نے انسانی زندگی کا لازمہ بھی بتایا ہے اور حیات و کائنات کی وجہ تخلیق بھی کہا ہے۔ عشق اقبال کی شاعری کے بنیادی تصورات میں سے ایک ہے اسی لیے انھوں نے عشق کے متنوع رنگوں کو مختلف معنوں میں پیش کیا ہے اور عشق کو عقل سے برتر سمجھا ہے لیکن اس کی

نو'، وغیرہ جیسی نظمیں کافی مشہور ہیں۔ ان نظموں میں محاکات اور پیکر تراشی کے خوبصورت نمونے پیش کیے ہیں۔ بعد کی شاعری میں بھی اقبال نے جا بجا منظر نگاری کرتے ہوئے دیدہ و دل کو حیرت و استعجاب کی منزل پر لا کھڑا کیا ہے اور فکر و معانی کے رنگ برنگ گل بوٹے کھلائے ہیں۔ اقبال کی شاعری کا ایک ارتقائی عمل ہے جیسے جیسے یہ سفر آگے بڑھتا جاتا ہے اقبال کی فکر اور ان کے فن میں بلندی آتی جاتی ہے اسی لیے بانگ درا کے بعد بال جبریل کی شاعری میں فکر کی جو بلندی ہے وہاں تک اردو کا کوئی شاعر نہیں پہنچ سکا۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ وہ شاعری میں عمیق فکر کو بھی اس طرح پیش کرتے ہیں کہ فن کہیں سے مجروح نہیں ہوتا۔ اقبال نے اگر چہ ہم عصر مغربی شعرا کے تصورات سے اثرات قبول کیے ہیں مگر یہ اثرات من و عن نہیں ہیں بلکہ اقبال نے اس سے بالکل منفرد انداز میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے اس لیے اقبال کی فکر صرف اور صرف اقبال کی فکر ہے۔ البتہ قرآن و احادیث کے پیغامات کو انھوں نے براہ راست شاعری میں استعمال کیا ہے لیکن ان پیغامات کو اس طرح شعری حسن عطا کیا ہے کہ شاعری کو بھی رشک آتا ہے۔

غلام زہرا: اقبال شناسی کے لیے کن مراحل سے گزرنا پڑتا؟

خواجہ اکرام: سچائی یہ ہے کہ اقبال کو سمجھنا آسان نہیں ہے اس کی وجہ اقبال کی زبان اور شعری ترکیبات ہیں۔ اقبال کے ابتدائی کلام نسبتاً آسان لگتے ہیں لیکن وہ بھی اتنے سہل نہیں۔ اقبال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ فارسی کی شد بد ہو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ شعر کے فن سے پوری طرح واقف ہو۔ خاص طور پر اقبال کی علامتوں کے حوالے سے اور اسلامی اور فلسفیانہ اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے اس کے لیے جو تشریحات موجود ہیں اگر ان کا مطالعہ کر لیا جائے تو اقبال کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

غلام زہرا: علامہ اقبال کے ہاں شعریت اور فلسفہ ہم آغوش ہیں، ان کی نثر میں یہ عنصر کس حد تک ہے؟

خواجہ اکرام: اقبال کی شاعری میں فکر و فلسفہ جس طرح ہم آغوش ہوئے ہیں تقریباً یہی جلوے ان کی نثر میں بھی موجود ہیں مگر شعر اقبال میں اختصار و اجمال کے سبب جو فنی رعنائیاں وجود میں آئی ہیں شاید وہ نثر میں موجود نہیں اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ کسی فنکار کے یہاں ہر طرح کی خوبی موجود ہو۔ اقبال کے اشعار میں جو خوبی موجود ہے وہ نثر میں نہیں ہے البتہ نثر میں بھی فکر و فلسفہ موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال فکر میں اس قدر غلطاں اور پیچاں رہتے تھے کہ ان کے نثری اور شعری اسلوب میں فکر و فلسفہ کا در آنا لازمی تھا۔

غلام زہرا: علامہ اقبال اپنے نظریات اور تخلیقی عمل میں کن شخصیات سے متاثر تھے؟

خواجہ اکرام: یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اقبال مغربی مفکرین سے متاثر ہوئے ہیں اس کے علاوہ فارسی کے اکابر شعرا نے بھی اقبال کو متاثر کیا ہے لیکن جہاں تک تخلیقی عمل کا سوال ہے تو اقبال کے یہاں جو تخلیقیت ہے اس کا تعلق صرف اور صرف اقبال سے ہے۔ اقبال نے جو شعری اسلوب تخلیق کی ہے اس کی نہ تو پہلے مثال تھی اور نہ بعد میں

محدود کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں چند اشعار ملاحظہ ہوں جس خودی کے تصورات کی ایک جھلک مل سکتی ہے:

خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خودی کیا ہے راز درون حیات
خودی کیا ہے بیداریِ کائنات

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

زمانے کے دھارے میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کی سہتی ہوئی

ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

غلام زہرا: :علامہ اقبال کے فلسفہ وفکر کو سمجھنے سے پہلے ان کی شاعری کے بارے میں قارئین کی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

خواجہ اکرام: اقبال کی ہمہ جہت اور متنوع شاعری میں فکر وفن کی اس قدر بوالعجبیاں اور نیرنگیاں ہیں کہ ان کے فکر وخیال کے ایک ایک پہلو سے کئی نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔فکر وفلسفہ کے مضامین ہوں یا حسن جمال کی سحر آفرینی کا بیان اقبال کی شاعرانہ فنکاری اور سحر کاری ہر جگہ نظر آتی ہے۔اقبال کی فطرت نگاری بھی محض فطرت نگاری نہیں بلکہ اس کے پس پردہ تخلیق کائنات کے اسرار ورموز کی موشگافی کرتی ہے۔اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی عہد میں بہترین منظری نظمیں کہی ہیں۔''ہمالہ''،''ایک آرزو''،''ابر کہسار''،''پیام صبح''،اور''ماہ

خواجہ اکرام: جہان تک مجھے علم ہے جہاں جہاں اردو پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے اقبال ضرور نصاب میں شامل ہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ دیگر ممالک کا ہے جیسے مصر۔ موریشس، ایران اور یوروپی ممالک کی دانشگاہوں میں بھی اقبال کافی مقبول ہیں۔ دانشگاہوں سے الگ بھی اقبال کے کلام کو مقبولیت حاصل ہے اس کی وجہ ان کے کلام کے تراجم ہیں۔

غلام زہرا: اقبال پر ماضی کی نسبت کیسا کام ہو رہا ہے

خواجہ اکرام: ماضی میں اقبال پر جو بھی تحقیقی اور تنقیدی کام ہوئے ہیں ان کی اپنی اہمیت اور افادیت ہے، یقیناً یہ سارے کام بہت وقیع ہیں لیکن فی زمانہ جو کام ہو رہے ہیں ان کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ میں اگر ہندستان کی بات کروں تو یہاں شاید ہی کوئی ایسی یونیورسٹی ہو جہاں اقبال پر تحقیقی کام نہیں ہوا ہو۔ ہر کام منفرد ہے اور اقبال کے کلام کے نئے گوشے پر کام ہوئے ہیں۔ یونیورسٹی کے علاوہ بھی بڑی تعداد میں ہندستان میں اقبال پر کام ہوا ہے۔ فیصل آباد یونورسٹی سے ڈاکٹر جمیل اختر نے ''بھارت میں اقبالیات'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے جس میں تفصیلات موجود ہیں۔ میری نگرانی میں بھی اقبال کی نظم ونثر پر کئی کام ہوئے ہیں ابھی حال ہی میں پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ لکھا گیا ہے جو شارحین اقبال پر بہت عمدہ مقالہ ہے۔

غلام زہرا: آج کا نوجوان فکر اقبال پر کس حد تک پورا اتر رہا ہے۔

خواجہ اکرام: شاید بہت کم کیونکہ نئی فکر، نیا زمانہ، نئے تقاضوں نے آج کے نوجوانوں کو اس قدر الجھا رکھا ہے کہ انھیں مستقبل کی فکر نے اپنے گھر کا بھی نہیں چھوڑا ہے۔ لیکن جن کی تربیت مشرقی ماحول میں ہو رہی ہے ان خاندانوں کے نوجوانوں میں فکر اقبال موجود ہے اور فکر اقبال کا مطلب ہے اسلامی اقدار۔

غلام زہرا: موجودہ حالات میں فکر اقبال سے کس حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے

خواجہ اکرام: موجودہ حالات ایسے ہیں کہ اب فکر اقبال کی اشد ضرورت ہے۔ میری مراد اسلامی اقدار کے ساتھ حرکت و عمل کا ہے اور اپنی دنیا آپ بنانے سے ہے۔ موجودہ حالات میں انسان منتشر ہو رہے ہیں، اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے اجتماعی زندگی انفرادیت کی شکار ہو چکی ہے، امت کا شیزرازہ بکھر رہا ہے، قوم وملت کی فکر کے بجائے ذاتی مفادات پر ترجیح دی جارہی ہے۔ اسلامی ممالک آمریت یا شہنشاہیت کی طرف گامزن ہیں، ایسے ماحول میں اقبال کی فکر کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

غلام زہرا: کلام اقبال کی روشنی میں نظریہ خودی کی وضاحت کریں

خواجہ اکرام: اقبال کا تصور خودی اردو اور فارسی شاعری کا معراج ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ عرفان ذات اور خود شناسی کا تصور تو موجود تھا مگر اقبال نے جس انداز سے جتنے وسیع معنی میں خودی کی اصطلاح کو پیش کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اقبال کے تصور خودی پر مستقل اور مسلسل گفتگو ہو رہی ہے اور اس کی توضیحات پیش کی جارہی ہیں مگر کسی ایک نکتے یا مفہوم کو اقبال کی خودی کے تصور پر مبنی کرنا اقبال کے اس نظریے کو

غلام زہرا
جرنلسٹ، لاہور، پاکستان

اقبال نے تمام نسلوں کو اپنی جانب متوجہ کیا

معروف محقق، ادیب اور استاد پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سے یوم اقبال کی مناسبت سے خصوصی گفتگو

تعارف: معروف محقق، ادیب اور ماہر اقبالیات پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کا تعلق انڈیا کے ایک صوبہ جھارکھنڈ کے ایک پسماندہ دیہات سے ہے۔ انھوں نے گاؤں کے اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پٹنہ سے میٹرک، انٹر اور بی۔اے پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ، بہار سے کیا۔ ایم۔اے، ایم فل اور پی، ایچ ڈی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی سے حاصل کی۔ اور اب جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں تدریسی فرائض سے منسلک ہیں اور یہاں اردو کے پروفیسر ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین تنقید میں حالی شبلی اور دیگر مشرقی ناقدین سے متاثر ہیں۔ تاریخ، سیرت اور کلاسیکی ادب اور اقبالیات سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ اردو زبان وادب کی ترقی اور فروغ ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس کے لیے وہ پاکستان سمیت متعدد ممالک جیسے ایران، افغانستان، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، ڈنمارک، سنگاپور، سعودی عرب، ماریشس، جاپان اور مصر کا سفر کر چکے ہیں۔ اب تک ان کی بیس سے زائد تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ وہ کئی اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔

غلام زہرا: اقبالیات میں دلچسپی کا محرک

خواجہ اکرام: بچپن سے اقبال کا کلام والد گرامی سے سنا، مکتب میں اقبال کی دعائیہ نظم ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' ہر روز پڑھی جاتی تھی۔ اس دعا کے ساتھ مکتب شروع ہوتا تھا۔ اس کے بعد اسکول اور کالج میں اقبال شامل نصاب تھے اس لیے اقبال ذہن نشین رہ گئے اور اعلیٰ تعلیم کے دوران اقبال سمجھ میں آنے لگے تو دلچسپی بڑھتی گئی۔ اور ابھی '' کلام اقبال میں کوہ و کوہسار'' کے عنوان سے ایک پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں۔ اس عنوان سے میرا ایک مضمون کئی ممالک کے رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔

غلام زہرا: انڈیا اور پاکستان کے علاوہ اقبال کی دیگر ممالک میں کس قدر مقبولیت ہے

پروفیسر خواجہ اکرام: رومن سے کوئی مثبت اثر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لیے زبان کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اس کی شناخت کے ساتھ زندہ رکھنا ہو گا یعنی اردو رسم خط کے ساتھ۔

علیزے نجف: آپ نے زندگی کی کثیر بہاریں دیکھی ہیں زندگی کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: زندگی خدا کی طرف سے ایک نعمت ہے اور آزمائش بھی ہے۔ اس لیے اس کو اسی طرح گزرانا چاہیے اور جو وقت ملا ہے اس میں خاندان، سماج، ملک اور دنیا کے لیے کام کرنے کی ضرورت یعنی بہ حیثیت مسلمان تخلیقِ انسان کا جو مقصد ہے اسی سمت میں گامزن رہنا زندگی کی اصل منزل ہے۔

علیزے نجف: آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ کس خاص اصول کے تحت گذارا ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: طالب علم رہا تو دوستوں کے ساتھ رواداری، محبت اور مودت قائم رکھنے کی کوشش کی اور بہ حیثیت استاد اپنے طالب علموں کو اپنی اولاد جیسی محبت دینے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس محبت میں تربیت ہوتی ہے تا کہ وہ کامیاب و کامران رہیں۔

علیزے نجف: ایک قاری کو اپنی شخصی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کس طرح کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی خاص ضرورت ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: ہر انسان کی دلچسپیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمیں اپنے مذہب، تہذیب اور معاشرتی اقدار کو سمجھنے کے لیے اسی طرح کی کتابیں پڑھنی چاہیے اس کے بعد جس موضوع پر آپ نے تخصیص کا ارادہ کیا ہے اس میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش جاری رہنی چاہیے۔

علیزے نجف: کوئی ایک دل کی بات جو آپ لوگوں تک اس انٹرویو کے ذریعے پہنچانا چاہتے ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: اللہ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

علیزے نجف: ہمیں اپنا کوئی پسندیدہ شعر یا جملہ سنائیں اور کوئی ایک کتاب جس کو آپ نے کئی بار پڑھا ہے پھر بھی اس کے سحر سے نہ نکل سکے ہوں؟

''کوشش اور تدبیر ہی آپ کی قسمت ہے'' اور کتابیں تو کئی ہیں مگر قرآن پاک کو بار بار پڑھتا ہوں اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

علیزے نجف: نئے تخلیق کاروں کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے کہ وہ کس طرح نئی نسل کی شخصیت سازی میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: اپنے عہد کو سمجھیں اور اپنی تہذیبی اقدار کی روشنی میں تقاضوں اور مطالبوں سے اپنی تحریر کو ہم آہنگ کریں۔

تاریخ: ۲۰۲۲

○○○

بستیوں میں اردو سمجھنے والے، اردو بولنے اور اردو کی تصنیف وتالیف سے وابستہ تمام احباب قابل قدر ہیں۔لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی اردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ مہجری ادب میں اعلیٰ ادب موجود ہے۔ان بستیوں میں اردو کی سرگرمیاں بھی بہت ہوتی ہیں مگر ایک بات جس کا مجھے قلق ہے کہ تاریخ ادب اردو میں ان کو وہ مقام نہیں دیا گیا ہے اور نہ ان کی خدمات کو کھلے دل سے سراہا گیا ہے یہ ایک کمی تو ہے۔میں نے ذاتی طور پر اس حوالے سے کئی تحریریں لکھی ہیں اور میرے سفرنامے ''مشاہدات'' میں زیادہ تر اردو کی بستیوں کا ذکر ہے۔اسی سلسلے کی ایک کڑی 'ورلڈ اردو ایسوسی ایشن' کا قیام ہے۔اس ادارے کا میں چیرمین ہوں اور اس کا مقصد عالمی سطح پر اردو کے ادیبوں، صحافیوں، شاعروں اور اردو والوں کی مابین ربط و اشتراک ہے۔ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نے غیر ملکی ادیبوں کے انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا جو بیک وقت فیس بک اور یوٹیوب پر لائیو ہوا اور ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے یوٹیوب چینل پر مستقل موجود ہے۔اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ اردو دنیا کو مہجری اور غیر ملکی ادیبوں سے متعارف کرایا جائے۔میرے کئی ریسرچ اسکالرس نے ان موضوعات پر تحقیق کی اور ان کے مقالے بھی شائع ہوئے۔میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بہت کچھ ہے مگر ایک کوشش تو ضرور ہے۔عین ممکن ہے کہ اس سمت میں نئی نسل کچھ کام کرے۔میرا ارادہ ہے کہ مہجری ادیبوں کی ایک تاریخ لکھی جائے۔اللہ کرے وسائل پیدا ہوں اور اللہ توفیق دے۔

علیزے نجف: اب تک آپ کی کتنی کتابیں منظر عام پہ آچکی ہیں اور وہ کن موضوعات پہ ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: میرے سلسلے میں تمام تفصیلات میرے ویب سائٹ www.khwajaekram.com پر موجود ہیں۔لیکن آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اب تک میری تصانیف وتالیفات کی تعداد ۲۸ ہے۔جو الگ الگ موضوعات پر ہیں۔میری بیشتر کتابیں اور میری علمی و ادبی سرگرمیوں کی تفصیل کے لیے اس ویب سائٹ کو دیکھا جا سکتا ہے۔اردو وکی پیڈیا پر بھی یہ تفصیلات موجود ہیں۔

علیزے نجف: آپ نے اردو ادب کی کن کن اصناف میں طبع آزمائی کی ہے فروغ اردو کے لئے آپ نثر و نظم میں سے کس کو زیادہ مؤثر ذریعہ خیال کرتے ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: دیکھیں میں تو صرف نثری تحریریں لکھتا ہوں، شاعری کا ملکہ خداداد ہے۔اللہ نے یہ ملکہ تو نہیں دیا مگر ادب کے تقاضوں کے تحت میں نے برقی میڈیا کے حوالے سے ایک مستقل کتاب اور ایک ترتیب شدہ کتاب شائع کرائی اس کے علاوہ کلاسیکی ادب میرا خاص موضوع ہے۔اظہار خیال کے لیے کسی بھی اسلوب یا پیرایۂ اظہار کو اپنایا جا سکتا ہے۔

علیزے نجف: موجودہ ڈیجیٹل معاشرے میں اردو ادب کو کس طرح فروغ دیا جا سکتا ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: یہ میری دلچسپی کا موضوع ہے۔اس حوالے سے میں نے عملی طور پر کئی کام کیے ہیں۔آن لائن ماہنامہ اردو ریسرچ جرنل 'ترجیحات'' اور ای۔بک پبلشنگ پلیٹ فارم کو لانچ کیا ہے۔ان کی تفصیلات www.worldurduassociation.com اور www.worldurdurnp.com پر موجود ہیں۔

علیزے نجف: رومن رسم الخط کے کتنے منفی و مثبت اثرات اردو رسم الخط پر مرتب ہوئے ہیں؟

ودل کے ساتھ بصیرت کا ادراک کراتی ہو تو وہ ادب کے زمرے میں آسکتا ہے۔

علیزے نجف: آپ خود میدان اردو ادب کے شہسوار ہیں میرا اس ضمن میں بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ کیا خاص پہلو ہیں جن کی وجہ سے آپ کا اردو ادب کی طرف رجحان پیدا ہوا؟

پروفیسر خواجہ اکرام: علیزے صاحبہ شہسوار تو نہیں لیکن پیادہ ضرور ہوں۔ چونکہ والد محترم کو ادب سے خاصہ لگاؤ تھا، بچپن میں ان سے قصہ حاتم طائی اور والدہ سے قدیم داستانوں کو سنا تھا تو ادب پڑھنے کا ذوق پیدا ہوا۔ فارسی ادب کی شدبد ہونے سبب حافظ اور سعدی کو خوب پڑھا تھا اس لیے اس جانب رجحان ہوا۔ اور سچی بات یہ بھی ہے کہ مکتب اور مدرسے سے پڑھ کر آنے والے ہم جیسے طالب علم سائنس اور ریاضی کے شعبے میں جا نہیں سکتے تھے اس لیے بھی ادب کی طرف جانا سہل معلوم ہوا سو اس راہ پر چل پڑا۔ اب لگتا ہے کہ واقعی اچھا کیا۔

علیزے نجف: آپ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں اردو ادب کے پروفیسر ہیں آپ کو کیا لگتا ہے یونیورسٹی و کالج کی سطح پہ اردو طلبہ کی تعداد میں کمی واقع ہوئی ہے یا قابل قدر اضافہ ہوا ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: الحمد اللہ قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شمالی ہند کے علاوہ جنوبی ہند کی کچھ جامعات میں بھی یہی صورت حال ہے۔ البتہ یو جی سی کے ذریعے نافذ کیے جانے والے نئے نظام کے سبب ریسرچ اسکالر کی تعداد میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔

علیزے نجف: آپ این۔ سی۔ پی۔ یو۔ ایل (قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند) سے بھی وابستہ رہے ہیں اس ادارے سے جڑ کر آپ نے اردو ادب کی کیا خدمات انجام دی ہیں اور اس وقت کن کن آرگنائزیشنز سے آپ متصل ہیں اور اس میں کیا خاص اقدام اٹھا رہے ہیں آپ؟

پروفیسر خواجہ اکرام: اپنے ڈائریکٹر شپ کے دوران قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ سے قابل قدر اضافہ کیا۔ بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور 'عالمی اردو کانفرنس' کی بنیاد پڑی۔ اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کرنے کی کوشش کی۔ کئی اردو سوفٹ وئیر اور اردو کی بورڈ کو لانچ کیا ساتھ ہی ٹکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنے کی سمت کئی اہم عملی اقدامات کیے۔ سب سے اہم یہ بھی تھا کونسل کے سالانہ بجٹ میں تقریباً دو گنا اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ دیگر ادبی اداروں سے ربط واشتراک کے ذریعے اردو فروغ کے امکانات کی سمت میں اہم اقدامات بھی کیے۔ اس منصب کو غنیمت جان کر حتی الوسع کام کرنے کی کوشش کی۔

علیزے نجف: مہجری ادب کے بارے میں آپ کی بنیادی رائے کیا ہے اور مستقبل میں آپ کو اس سے کیا امیدیں وابستہ ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: دیکھیں آج کی دنیا میں ادب کی وسعت اور ثروت مند ہونے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ اس میں مہجری ادب کا کتنا حصہ ہے۔ تو شکر ہے اللہ کا اردو کی بستیاں دنیا کے بیشتر ممالک میں موجود ہیں۔ ان

علیزے نجف: ہمارا معاشرہ کس قدر اخلاقی زوال کا شکار ہے آپ کے نزدیک اس کو بہتر بنانے کی حکمت عملی کا نفاذ کس طرح ممکن ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: علیزے صاحبہ یہ بڑا سوال ہے اور آپ کے اس دانشمندانہ سوال کا جواب اتنا آسان نہیں کیونکہ اخلاقیات کی تعبیر و تفسیر ہر دور میں جدا جدا رہی ہے۔ اگر آپ کی مراد خالص ہندستانی اخلاقیات کی ہے تو سب سے بڑا زوال یہ ہے کہ اب تعلیمی ادارے پیشہ ور ادارے یا اقتصادی ادارے بنتے جا رہے ہیں۔ اور اہل اقتدار کے اثر و رسوخ ان اداروں پر بہت تیزی سے مرتب ہو رہے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ صارفی دنیا نے اپنے پیر پسار لیے ہیں ایسے میں زوال کا اثر ہر جہت اور ہر شعبے میں ہر اعتبار سے ہے۔

علیزے نجف: معاشرے کے ترویج و ارتقاء میں لٹریچر خاص طور سے اردو لٹریچر کیا کردار ادا کر سکتا ہے اس کے لئے تخلیق کاروں کو کن خاص نکات کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے؟

پروفیسر خواجہ اکرام: علیزے صاحبہ آپ نے ٹھان ہی لیا ہے کہ میرا امتحان ہی لیا جائے۔۔۔ میں کیا اور میری بساط کیا؟ تاہم آپ کے سوال کا جواب میرا اخلاقی فرض ہے اس لیے صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ادب وہی معتبر اور مستند اور ہمہ گیر ہے جس میں روحِ عصر موجود ہو۔ ادب میں چوں کہ شش جہات حقیقت کی پیش کش ہوتی ہے اس لیے ادب ہمیشہ تمام علوم کے مقابلے انسان، انسانیت، انسانی اقدار و روایات سے زیادہ قریب رہا ہے۔ دیگر علوم و فنون کسی طور کمتر نہیں مگر ان کا دائرۂ اثر جدا جدا ہوتا ہے لیکن ادب کی خاصیت یہ ہے کہ ادب انسان کے اندرون سے بیرون تک، معاشرے سے ملک اور ملک سے ساری دنیا تک محیط ہے اس لیے ادب کسی بھی زبان کا ہو اس کی اہمیت دو چند ہے۔ جہاں تک اردو ادب کا معاملہ ہے تو یہ ایک ایسی زبان کا ادب ہے جس کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ نہ صرف برصغیر بلکہ سرحدوں کو بھی چھوتی ہوئی اور سرحدوں سے پار بھی اپنا وجود اپنی شناخت کے ساتھ قائم رکھنی والی اس زبان کا ادب دنیا کی ترقی یافتہ ادبیات کے مقابلے بہت کم عمر زبان اور ادب ہے۔ لیکن اس کے باوصف اس میں تمام اصناف میں اعلیٰ ادب کی تخلیق ہوئی ہے اور ادبیات عالم میں اسی لیے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اردو ادب میں جس طرح کے موضوعات کو پیش کیا گیا وہ تفسیر زندگی بھی ہیں اور اس تصویر زندگی بھی جس میں ہندستانی بلکہ برصغیر کے معاشرے کی قدریں بھی ہیں اور معاشرتی زندگی کے تقاضے اور مطالبے کے تحت لکھا جانے والا ادب بھی ہے۔ بس ضرورت یہ ہے کہ ادب کو ادب رکھا جائے نعرہ بازی اور اشتہاری رویے کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔'' ادب کے متعلق دو نظریے ہیں ایک ادب برائے ادب اور دوسرا ادب برائے زندگی ہے۔ ان دونوں نظریات کے تحت ادب لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ لیکن عام طور پر اُسی ادب کو اہمیت حاصل ہے جو زندگی کی عکاس بھی ہو اور زندگی کے لیے مشعل راہ بھی ہو۔ قدر و قیمت اسی ادب کی ہے جو نہ صرف زندگی کی تصویر دیکھائے بلکہ زندگی گزارنے کے راستے بھی دیکھائے۔ لیکن ادب محض زندگی اور تہذیب و تمدن کی عکاسی ہی نہ کرے بلکہ اس میں مسرت و بصیرت کی ایسی آمیزش ہو جو جمالیاتی حظ بخشتی ہو، جو تفریحِ ذہن

برائے فروغ اردو زبان، وزرات تعلیم، حکومت ہند کا ڈائریکٹر ہوا۔ تین سال کے دوران میں نے اس ادارے میں اردو زبان کے فروغ کے لیے کئی اہم اقدامات کیے جن کی تفصیلات سے اردو دنیا واقف ہے۔

علیز ے نجف: آپ کی تعلیمی لیاقت کیا ہے آپ کا تعلیمی سفر کیسا رہا؟

پروفیسر خواجہ اکرام: میری ابتدائی تعلیم عربی فارسی سے ہوئی اس کے بعد اسکول سے باضابطہ میٹرک، آئی۔اے، بی۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ ڈی اردو سے مکمل کی۔ اس کے علاوہ ماس میڈیا اور ٹرسلیشن کا ڈپلومہ دہلی یونیورسٹی اور جے این یو سے کیا۔ الحمدللہ روایتی تعلیمی ادارے سے ترقی یافتہ تعلیمی ادارے تک کا تجربہ بڑا خوشگوار رہا۔ میں اس بات سے زیادہ خوش ہوں کہ روایتی مشرقی ماحول ملا جہاں اپنے دین و مذہب کے ساتھ ساتھ ملک کے جمہوری ماحول کو سمجھنے میں کافی مدد ملی۔

علیز ے نجف: آپ کی تعلیم و تربیت کس طرح کے ماحول میں ہوئی اس وقت کی کون سی ایسی روایت ہے جس کی کمی آج کے ماحول میں آپ شدت سے محسوس کر رہے ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: جیسا کہ میں نے پہلے کہا گاؤں کا مکتب اور مسجد کے صحن سے یہ تعلیمی سفر شروع ہوا۔ اسی لیے وہ اقدار جواب عنقا ہیں، جیسے مساجد تعلیم گاہ ہوا کرتی تھیں اور شاید باید ہی ایسا اب کہیں ہے۔ گاؤں کے مکتب میں اپنائیت اور محبت کا ایک درس ملا جس میں نہ تو مذاہب، نہ تو ذات پات میں فرق و امتیاز تھا۔ استاد کا رتبہ بہت ہی اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ وہ محض پیشہ ور استاد نہیں ہوتے تھے اور نہ وہ صرف اسکول میں ہی استاد تھے بلکہ ہر معاملے میں طالب علموں کی تربیت کرتے تھے۔ ان اساتذہ میں میرے والد بزرگوار مولانا شمس الدین علیہ الرحمہ بھی تھے۔

اس کے بعد اسکول کا ماحول بالکل الگ تھا کیونکہ یہاں اساتذہ بھی زیادہ تھے اور طلبہ و طالبات بھی کثیر تعداد میں ہوتے تھے اس لیے ہمیشہ کلاس میں یا اسکول میں ایک یگانگیت کا ماحول رہا کیونکہ یہاں ہر طالب علم کا الگ الگ گروپ یا کلاس گروپ میں بھی کچھ مخصوص ہی طالب علم ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ کالج پہنچتے پہنچتے اس ماحول میں صارفی دنیا کی مزید توسیع ہوئی۔ لیکن جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں آکر حیرت انگیز تجربہ ہوا۔ یہ بڑی یونیورسٹی تھی اور ہے، خیال یہ تھا کہ صارفی دنیا کی توسیع یہاں زیادہ ہوگی لیکن یہاں کے ماحول میں بہت اپنا پن تھا، اکثر اساتذہ دوستوں کی طرح پیش آتے تھے۔ طالب علموں کے درمیان بہت بھائی چارگی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ یونیورسٹی فصیل بند شہر کی طرح ہے جہاں ایک بڑی چہار دیواری میں سب لوگ ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یوں تو تعلیمی ماحول کے لیے جے این یو کو سب جانتے ہیں لیکن میرا اور مجھ جیسے بہت سے طالب علموں کا یہی ماننا ہے کہ اس یونیورسٹی میں کلاس روم کے علاوہ کیمپس کے ماحول سے طالب علم زیادہ سیکھتے ہیں۔

جہاں تک آپ کی بات ہے کہ کونسی روایت ہے جس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ روایات اور اقدار تو بہت سے ہیں جو کہیں بہت دور پیچھے رہ گئے، مگر نئی روایتوں کا بھی استقبال ہونا چاہیے البتہ تعلیمی اداروں میں ایک خاص قسم کی سیاست سے بھائی چارگی کے ماحول میں کمی آتی جا رہی ہے یہ باعث تشویش ہے۔

انٹرویو: علیزے نجف
سرائے میر، اعظم گڑھ

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین سے علمی و ادبی گفتگو

علیزے نجف: سب سے پہلے ہم آپ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں آپ ہمیں خود سے متعارف کروائیں اور آپ خود کو ابھی کہاں دیکھتے ہیں اور کہاں پہنچتا دیکھنے کے خواہشمند ہیں؟

پروفیسر خواجہ اکرام: صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع گریڈیہ کے ایک گاؤں 'مقاموں' میری جائے پیدائش ہے۔ اس وقت سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کا پروفیسر ہوں۔ تدریس کے پیشے سے گذشتہ 27 برسوں سے وابستہ ہوں۔ میری ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور پھر اعظم گڑھ (موجودہ مئو) کے قصبہ گھوسی کے مدرسہ شمس العلوم سے ہوئی اس کے بعد موڈرن ہائی اسکول پٹنہ، بہار سے میٹرک پاس کیا، پٹنہ کالج سے انٹر اور بی۔اے۔آنرس کرنے کے بعد ایم۔اے کرنے کے لیے جواہر لعل نہرو یونیوسٹی، نئی دہلی آ گیا۔ اسی یونیورسٹی سے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

پی۔ایچ۔ڈی کرتے ہوئے الحمد للہ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی میں بہ حیثیت ریسرچ ایسوسی ایٹ میرا تقرر ہوگیا۔ پانچ سال یہاں تحقیق اور تدریس سے وابستہ رہا اور سن ۲۰۰۰ میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر کے تقرر ہوا۔ اللہ کا شکر ہے ایک چھوٹے سے دیہات سے اس عظیم یونیورسٹی تک کا سفر میرے وہم و گمان سے پرے ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے حد احسان کرم ہے کہ اس مقام تک پہنچا۔

اپنی تعلیمی اور تدریسی زندگی میں کئی سرگرمیوں سے منسلک رہا۔ طالب علمی کے زمانے میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں ''رفتار ادبی فورم'' کا سکریٹری اور صدر رہا۔ اس تنظیم نے دراصل میری صلاحیتوں کو نکھارنے میں بڑی مدد کی۔ بہ حیثیت فیکلٹی ممبر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے فیکلٹی کلب کا کئی بار سکریٹری رہا۔ پی ایچ ڈی اسکالرس کے ہوسٹل کا دس سال تک وارڈن رہا، جہاں طالب علموں کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ خواتین کے معاملات کی ایک اہم کمیٹی gender sensitization committee against sexual harassment(GSCASH)) کا دو ٹرم ممبر (چار سال) بھی رہا۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کے کئی دیگر انتظامی معاملات میں شریک رہا اور اب بھی ہوں۔

البتہ اس دوران حکومت ہند کی جانب سے ایک اہم منصب بلکہ ذمہ داری دی گئی۔ ۲۰۱۲ میں قومی کونسل

ہو جائیں گی، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بچیوں کی تعلیم بچوں سے زیادہ ضروری ہے- اور رہا یہ کہنا کہ عورتوں کو چولہا ہی جلانا ہے، تو میں کہوں گا کہ تعلیم کے تعلق سے جب اسلام نے کوئی فرق نہیں کیا تو ہم کون ہوتے ہیں فرق کرنے والے، میں عورت کو شمع محفل بننے کی وکالت نہیں کرتا، وہ گھر کے اندر کی ہی ذمہ داریاں نبھائیں، لیکن اس کے ساتھ علوم کی تحصیل اور حالات سے آگہی ان کے لیے بھی تو ضروری ہے تا کہ وہ ایک باشعور شخصیت کے ساتھ بچوں کی بھی باشعور شخصیت کی تعمیر کر سکیں-نسل کی تعمیر بنیادی طور پر تو عورتوں ہی کے ہاتھ میں ہے-

سوال:-عصر حاضر میں مذہبی صحافت کی اہمیت کیا ہے؟ اور مذہبی صحافت کو اپنا ہدف پانے کے لیے اور کیا کیا کرنا چاہیے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:-آپ نے مذہبی صحافت کو ایک نیا رجحان دیا ہے- پہلے تو پہلی نظر میں پتہ چل جاتا تھا کہ یہ ایک دینی رسالہ ہے، چلو اسے سائڈ کرو، ضرورت تھی اس قسم کی پیش کش کی کہ دیگر رسالوں میں بھی اس کا ایک مقام ہو- میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں مذہبی تعلیمات نہ ہوں، رسالے تو مذہبی تعلیمات پر ہی مبنی ہوں، لیکن پیش کش عصری ہو، آپ صوفیہ کے طرز تبلیغ پر غور کریں کہ انہوں نے گیروا لباس کیوں زیب تن کیا؟ کوئی بھی رنگ اختیار کر سکتے تھے، لیکن ایسا انہوں نے اسی لیے تو کیا کہ معاشرتی ہم آہنگی پیدا ہو، لیکن آپ تو رسالوں پر گنبد و مینار کی تصویر دے کر اسے الگ کر دیتے ہیں، ان کا تقدس بسر وچشم تسلیم، لیکن اس سے ان کی بے حرمتی بھی تو ہوتی ہے، آپ زمانے کے ساتھ چلیے، نئے نئے ڈیزائن لائیے، میں یہ نہیں کہتا کہ تصویر چھاپیے، لیکن تزئین تو عصری ہو، یہ تو صحافت کی اولین چیز ہے- عمدہ پیش کش تو موجودہ صحافت کی روح ہے- مجھے خوشی ہے کہ اس حوالے سے بھی آپ کا کام قابل ستائش ہے-

سوال:- جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:-مولانا رحمت اللہ صدیقی نے پہلی بار مجھے جام نور عنایت کیا، دیکھ کر مجھے بے انتہا حیرت اور مسرت ہوئی، پورا رسالہ ایک نشست میں پڑھ گیا- تاثرات کی جہاں تک بات ہے، میں اس تعلق سے آپ کے منہ پر کچھ بھی نہیں بولوں گا، آپ اسے ستائش سمجھیں گے، البتہ میں اپنے تاثرات دوسری جگہوں پر لکھ کر بھیجوں گا- یقینا جام نور نے صحافت کی دنیا میں اپنا ایک مقام بنایا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ خدائے تبارک وتعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ آپ اسے مزید پہنائیاں عطا کر سکیں، اس کو مزید ترقی دے سکیں- قارئین تک ضرور یہ بات پہنچانا چاہوں گا کہ وہ آپ کا زیادہ سے زیادہ تعاون کریں کیوں کہ یہ ایک ایسا رسالہ ہے جسے ہر طبقے کے لوگ انتہائی دلچسپی سے پڑھتے ہیں، آپ سے میری گزارش ہے کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ہر ممکن تبدیلی کرتے رہیں۔ اب تک آپ نے اس میں جو فنی جوہر اتارا ہے، اس سے آپ کی جو صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں، اس تعلق سے تاثرات کے بارے میں ایک بار پھر وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوسری جگہوں پر لکھ کر بھیجوں گا- آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔

(جام نور، شمارہ جولائی ۲۰۰۶ء)

○○○

ایک جھجک بھی ہے، کھل کر کوئی سامنے آنا نہیں چاہتا- جتنے علمائے کرام ہیں ان سے بیٹھ کر آپ تنہائی میں گفتگو کیجیے وہ روتے ہیں، قوم کے درد میں وہ غلطاں و پیچاں رہتے ہیں، سب کو احساس ہے کہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اگر چند مجاہد مرد، علمی مجاہد، میدان میں اتر آئیں، بے خوف وخطر، اسلامی تعلیمات کے ساتھ اسلام کی عصری تعبیر و تشریح پیش کریں تو نقشہ بدل جائے گا- صرف وہ جھجک ہے علمائے کرام کی، دانشوروں کی، جس کی وجہ سے وہ کھل کر بولنا نہیں چاہتے، آج آپ مدارس کے طلبہ کو دیکھیے، ہر ایک کے اندر ایک للک ہے، تڑپ ہے، کہ کیا ہم دنیا کے دوسرے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں؟ آج یہ بھی خوش آئند ہے کہ بہت سی ریاستوں نے مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کرلیا ہے اور بہت سے مواقع فراہم کر دیے ہیں کہ مسابقتی امتحانات میں بیٹھ سکتے ہیں، مدراس کے طلبہ نوکری حاصل کر سکتے ہیں، آپ بہار میں چلے جائیں وہاں مدارس کے سینکڑوں ایسے فارغین مل جائیں گے جنہوں نے بہار کی عالمیت سے بی ایڈ کیا اور اس کی بنیاد پر ہائی اسکول کے ٹیچر ہیں، مدارس کی اسناد کی بنیاد پر انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور کالجز میں لیکچرار بنے ہوئے ہیں- تو بہر کیف آج نئی پیش رفت ہوئی ہے، صورت حال اطمینان کی ہے، لیکن اطمینان سے مراد یہ بھی نہیں کہ خوش ہو کر ہم غافل ہو جائیں، آج ابھی مہمیز لگانے کی ضرورت ہے، اور یہ مہمیز آپ کا رسالہ لگا سکتا ہے اور دیگر دینی رسائل لگا سکتے ہیں، علماء کرام لگا سکتے ہیں اور وہ خطباء لگا سکتے ہیں جو جمعے کی نماز پڑھاتے ہیں- آج بڑا المیہ ہے کہ علماء اور ائمہ کو ہمارا معاشرہ حقیر نظروں سے دیکھتا ہے، اس رجحان کو بدلنے کی ضرورت ہے، لیکن بہر کیف ان کا جو مقام آج ہے وہ بھی کوئی معمولی نہیں ہے، آج بڑے بڑے گاؤں میں چلے جائیں، جس طرح عوام اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہیں پردھان اور سرپنچ کی آواز پر نہیں کرتے، تو ان علماء اور ائمہ کو عوام کے اندر اب تعلیمی بیداری بھی لانے کی ضروت ہے-

سوال:- عصر حاضر میں تعلیم کا مقصود کیا ہے اور آپ کی نظر میں تعلیم کا صحیح مقصد کیا ہونا چاہیے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- تعلیم کا مقصود صرف اور صرف کردار سازی ہے، تعلیم کو اگر آپ نے روزگار سے جوڑا تو ملیا میٹ ہو جائے گا- تعلیم کا یہ قطعی مقصد نہیں ہے کہ آپ نے علم حاصل کرلیا تو آپ کو روزگار مل جائے، ہاں! آپ اس کے لیے مستحق ہو گئے- یہاں یہ بات بھی ذکر کردوں، انسان خلیفۃ الارض ہے، اس لیے ضروری ہے کہ علوم دینی بھی حاصل کیے جائیں، عصری بھی، تاریخ، تمدن، ثقافت اور حالات سے واقف رہا جائے کیوں کہ خلافت زمین ہی پر کرنی ہے فضا میں نہیں-

سوال:- آج ہندوستان میں تعلیم کے حوالے سے بہت سے منفی رجحانات ہیں، خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم کے تعلق سے مسلم معاشرہ میں، لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو پڑھا کر کیا کروگے؟ آخر تو انہیں چولہا ہی جلانا ہے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- کوئی ان سے میری طرف سے یہ سوال کرے کہ آج اگر لیڈی ڈاکٹر کو عورتوں سے باتیں کرنی ہو یا عورتوں کا علاج کرنا ہو تو مسلم ڈاکٹر کہاں سے لاؤ گے؟ چراغ لے کر ڈھونڈتے رہ جائیں گے وہ، اگر ایک دو ملیں گی بھی تو برائے نام ملیں گی، چلیے ڈاکٹروں کو چھوڑیے، کوئی کسی ایسی عورت کو مسلم معاشرے سے ڈھونڈ کر نکال دے کہ وہ سیرت رسول پر تقریر کر سکے؟ آج اگر عورتوں کو تعلیم نہ دی گئی تو ہماری بنیادیں زیادہ کمزور

کیڑے بنے رہیں گے تب تو آپ زمین و آسمان کے بیچ پڑے رہیں گے، معاشرے سے تعلق پیدا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہمیں کرنا ہوگا، اس تعلق سے جو نکات ہماری فکر میں ہیں میں آئندہ ان کو تحریری طور پر لکھ کر قارئین کے حضور پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

سوال:-موجودہ گلوبلائزیشن کے دور میں اسلام کے لیے کس قسم کے مسائل اور خطرات در پیش ہیں اور آپ کی نظر میں ان سے نبرد آزمائی کے لیے اسلام پسندوں کو کیا کرنا چاہیے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:-اسلام کے لیے آج وہی خطرہ ہے جو مکی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو در پیش تھا، مکی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ اس دور میں آپ کے خلاف اور آپ کے صحابہ کے خلاف نفرت کا زہر اگلا جا رہا تھا، اور ایسی سازشیں رچی جا رہی تھیں کہ لوگ ان سے پورے طور پر متنفر ہو جائیں، آج بھی پوری دنیا میں اسلام کے خلاف یہی ہو رہا ہے، کسی نے داڑھی رکھ لی، کسی نے ٹوپی لگا لی تو یہ دہشت گرد ہے، کسی نے باشرع صورت اختیار کر لی اور وہ مسلم معاشرے میں ہے تو اس کے بارے میں یہ پیشگی تصور کہ یہ چار شادیاں کرے گا اور کب بیوی کو طلاق دے دے گا کچھ نہیں کہا جا سکتا، یہ فروعی مسائل ایسے ہیں جو دیمک کی طرح ہمارے معاشرے کو چاٹ رہے ہیں، اور عالمی سطح پر ان کو لے کر ہمیں بدنام کیا جا رہا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو ہمارا دانشور طبقہ ہے، جو ہمارے علماء ہیں، جو ہمارے خطیب وقلم کار ہیں، جو پڑھے لکھے لوگ ہیں وہ تو اسٹیج رسول پر جا کر ایک دوسرے کو گالیاں دے کر چلے آئیں گے لیکن یہ سبق عوام کو نہیں دیں گے کہ اگر کوئی ان سے کہے کہ تم چار شادیاں کرنے والے ہو تو اس کا جواب کیسے دے اور چار شادیوں کا جواز کیسے پیش کرے۔ اگر وہ طلاق پر زبان درازی کرے تو وہ طلاق کی حکمت کو بتا سکے اور یہ واضح کر سکے کہ اسلام نے جو عورت کو مقام دیا ہے وہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ تو خلاصہ یہ کہ آج ہمارے خلاف نفرت پھیلائی جا رہی ہے اور ہمارے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ اس نفرت کا جواب کیسے دیں، آج اسلام کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے، نہ تو میزائیل کا خطرہ ہے نہ بم اور بارود کا، آج جس بڑے دشمن سے اسلام کا سامنا ہے وہ نفرت کا دشمن ہے۔

سوال:-مسلمانوں کی تعلیمی حالت سے آپ کتنا مطمئن ہیں؟ اور کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ آج ایک طرف جہاں مسلم طلبہ کا رجحان تیزی سے عصری تعلیم کی طرف بڑھ رہا ہے وہیں دینی تعلیم سے ان کا رجحان کم ہوتا جا رہا ہے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:-میں بڑا مطمئن ہوں پورے طور پر مسلم معاشرے سے، خاص طور سے ۹۰ کی دہائی جو ایک زخم پہنچا کر گئی اور اس زخم کی تڑپ نے ہمیں راستہ دکھانا شروع کیا کہ ہم آگے کیسے بڑھیں، دس سال پہلے کے بارے میں آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ مسلم سوسائٹی میں یہ تڑپ، یہ جستجو، کچھ کرنے کی خواہش، کچھ کر گزرنے کی تمنا لوگوں میں نہیں تھی، تو ایک طرح سے ہمیں بڑا زخم ملا لیکن یہ ایک بڑا اجھٹکا تھا جس نے ہمارے لیے بہت سے راستے کھول دیے۔ اور ہمیں بیدار کر دیا، ابھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مدرسے میں ایک تڑپ ہے لیکن تڑپ کے ساتھ

اہمیت ہے، کسی ادارے کا نام اس کی بلڈنگ سے نہیں ہوتا، ادارے کا نام اس کے نصاب سے ہوتا ہے، جیسا نصاب ہو، ویسی تعلیم ہوگی اور ویسے ہی طالب علم ہوں گے، آپ نے جو یہ بات کہی کہ مدارس کے لوگ ادھر توجہ نہیں دے رہے ہیں، بالکل صحیح ہے، یہ دراصل بہت سنجیدہ مسئلہ ہے، سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، دیکھیے زمانہ تغیر پذیر ہے، منطق وفلسفہ مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، منطق کی تعلیم میں شروع میں ہی یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ہر چیز تغیر پذیر ہے اور جب ہر چیز تغیر پذیر ہے تو یہ اصول نصاب کے تعلق سے کیوں قابل قبول نہیں مانا جاتا؟ مدارس میں بھی تو تبدیلی لانی چاہیے، سب سے بڑاالمیہ یہ ہے کہ تبدیلی کو ہم دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نصاب میں تبدیلی محال ہے جب بھی نصاب میں ترمیم واصلاح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اگر ترمیم نہیں کی گئی تو ہم زمانہ سے بہت دور ہو جائیں گے، بہت پیچھے رہ جائیں گے، دیکھیے مدارس کو اگر ملکی اور بین الملکی سطح پر دیکھیں تو ان کی اہمیت، افادیت، ان کا مقام اور ان کے مرتبے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، ان کا اتنا بڑا مقام ہے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے، ہمیں ان مدارس پر فخر کرنا چاہیے، ہندوستانی سطح پر بھی مدارس کا اتنا بڑا مقام ہے اور ملک کی تعمیر میں اس کا اتنا اہم کردار ہے کہ آپ سوچیے کہ جو کام حکومت نہیں کر سکی اسے مدارس کر رہے ہیں، آج حکومت Literacy Movement کے لیے ہزاروں کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے، لیکن مسلم قوم میں جس نے Literacy Movement پیدا کیا ہے یہ صرف اور صرف مدارس ہیں، پوری مسلم آبادی کو دیکھیے تو اس میں ۷۰ رفی صد تعلیم یافتہ افراد مدارس کے ملیں گے جن کی تعلیم پر حکومت کا ایک پیسہ خرچ نہیں ہوا، اگر آپ صرف اس نقطے سے بھی دیکھیں جب بھی ہندوستانی مدارس کا مرتبہ بے پناہ بلند نظر آئے گا- اب اگر مدارس کو ہم تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ نئے تعلیمی نظام کے تقاضوں سے جوڑنے کی کوشش کر لیں تب تو یہ مدارس ایسے ہو جائیں گے کہ لوگ اسکولوں کا رخ ہی نہیں کریں گے، مدارس کی طرف دوڑ کر آئیں گے، مدرسے میں تو بنیادی طور پر قرآن اور حدیث کی تعلیم دینی ہے، یہی وہ تعلیم ہے جو دنیا کو صحیح راستہ دکھا سکتی ہے، ظلمت سے نور کی طرف لا سکتی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہے، لیکن اس تعلیم کے بعد وہ طلبہ اگر آج کی دنیا کے دوسرے علوم سے باخبر ہوں گے جب ہی تو وہ مدافعت کر سکیں گے، آج مدارس کے طلبہ اور کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ کے بیچ ایک وسیع خلیج ہے اور یہ اس لیے ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے غیر مانوس ہیں، جن کے مانوس ہونے کے لیے اگر تھوڑی بہت ترمیم ہو جائے گی تو خلیج پٹ جائے گی اور جب خلیج مٹ جائے گی تو میں بتاؤں کہ مدارس کے طلبہ جتنا بہتر کر سکتے ہیں اتنا بہتر کوئی نہیں کر سکتا، تو ترمیم تو ضروری ہے اور اس کے لیے اہل علم ونظر کو بہت سنجیدہ غور کرنا ہوگا کہ آج کون کون سے علوم شامل نصاب کیے جانے کے لائق ہیں اور اب کن کو پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے-

ایک بات یہاں میں بطور خاص کہنا چاہوں گا وہ یہ کہ بلاشبہ مدارس کو ایک اچھا فاضل، ایک اچھا مفتی، ایک اچھا خطیب اور ایک اچھا قلم کار پیدا کرنا چاہیے، لیکن وہ مفتی، وہ خطیب وہ قلم کار اسی وقت تو اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے جب وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول کو جانے، معاشرے کو سمجھے، لیکن آپ اگر معاشرہ کو جانے بغیر صرف کتابی

ہندوستانی سطح پر بات کیجیے تو جے این یو کا شعبہ اردو اپنا امتیازی مقام رکھتا ہے، اس کی امتیازی شناخت ہے، اس طور پر کہ ہمارے یہاں کورسیز کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ کوئی حصہ تشنہ نہیں رہتا ہے، ہم نے اپنے طلبہ کے لیے ہندی کو لازم کر دیا ہے تا کہ اگر طالب علم ہندی بھی پڑھ لیں جو ملک کی قومی زبان ہے- اردو کے نصاب میں ثقافت، تہذیب اور تاریخ کے پس منظر میں ادب کو پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے یہاں ۴ ر سمسٹر میں ۱۷ ر کورسیز ہیں، ان کے اندر ہم تقریباً تمام چیزوں کو شامل کر لیتے ہیں، ہمارا طریقہ بالکل الگ ہے، ہم خود امتحانات لیتے ہیں اور کاپیاں چیک کر کے طلبہ کو نمبرات دیتے ہیں، ہمارے طلبہ اس کے مجاز ہیں کہ وہ ہم سے پوچھیں کہ آپ نے آخر ہمیں کیوں کم نمبر دیا؟ تو ایسا نظام ہے کہ ہمیں مجبور ہونا پڑے گا کہ ہم دکھائیں اور ان کو بتائیں کہ دیکھیے آپ نے یہ غلطیاں کی ہیں، ہم طلبہ کو اسائنمنٹ لکھنے کو دیتے ہیں تو ایک اسائنمنٹ لکھنے کے لیے کم سے کم بیس کتابیں انہیں دیکھنا پڑتی ہیں، ہمیں اگر چہ اس کا یقین ہے کہ وہ ۲۰ ر کتابیں نہیں دیکھ سکتے مگر انہیں ایک طرح سے رہنمائی تو ہو جاتی ہے کہ وہ ایم اے کے بعد تفصیل سے دیکھنا اور پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکیں، گویا ہمارا نصاب ڈیزائن ہی اس طور سے کیا گیا ہے کہ وہ صرف موضوع کو Cover نہیں کرتا بلکہ اس کے پورے کینوس میں جا کر اس کے پس منظر کو واضح کر دیتا ہے-

جے این یو کے شعبۂ اردو کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے ۲۰ / ۲۵ سال پہلے جب اردو صحافت کے کورس کا تصور نہیں تھا، اس وقت جے این یو کے شعبہ اردو نے ڈپلوما ان اردو ماس میڈیا کورس شروع کیا تھا، جو آج بھی چل رہا ہے، اور آج ہندوستان کا کوئی سا بھی اردو چینل B.B.C سے لے کر Voice of America تک اور دوردرشن سے لے کر Zee TV اور دوسرے چینلوں تک کوئی سا بھی ایسا نہیں ہے جس میں ہمارے جے این یو کے طلبہ ماس میڈیا کر کے نہ پہنچے ہوں، فرقان علی صاحب جو دوردرشن میں ہیں پہلے B.B.C میں تھے، یہیں کے پروردہ ہیں، دوردرشن کے شکیل صاحب بھی یہیں کے پروڈکٹ ہیں، اب ہم نے دو سال کا ایم اے ان ماس میڈیا کا کورس شروع کیا ہے جو پچھلے پانچ چھ سالوں سے چل رہا ہے، تو یہ سب وجہیں ہیں جن سے شعبۂ اردو کا ایک نام ہے اور ایک مقام ہے-

سوال:- آپ نے ابھی کہا کہ جے این یو کے شعبۂ اردو کا نصاب کچھ ایسا ڈیزائن ہوا ہے کہ اس نے اردو کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے، حالانکہ اردو کا نصاب دوسری یونیورسٹیوں میں بھی ہے پھر بھی آپ نے جے این یو کے شعبہ اردو کو نصاب میں جدید کاری کی وجہ سے ممتاز قرار دیا، اب یہاں میں مدارس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ اس طور پر کہ کئی سو سالوں سے وہاں ملا نظام الدین کا تیار کردہ درس نظامی رائج ہے اور اہل مدارس اس میں تبدیلی کے لیے آج تک تیار نہیں ہیں؟ آپ کی اس تعلق سے کیا رائے ہے؟ نیز نصاب کی جدید کاری کی اہمیت کیا ہے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- نصاب کی اہمیت کسی بھی ادارے کے لیے ایسی ہی ہے جیسے جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی

ہمارے لیے ایک طرح کی رکاوٹ ہے، اس لیے ہمیں ترقی کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- جی ہاں! یہ قابل غور پہلو تو ضرور ہے کہ وہ ۸/سال مدارس سے پڑھ کر یونیورسٹی آئے اور آتے ہی اپنی ہیئت کو تبدیل کر لیا اور صرف ہیئت ہی نہیں اپنا مزاج بھی بدل لیا، تو سب سے پہلے سوال تو ان کی تربیت پر ہوتا ہے کہ ۸/سالوں تک جب وہ مدارس میں رہے تو کیا وہاں ان کی اسلامی تربیت نہیں ہوئی یا ہوئی تو اتنی ناقص ہوئی کہ ہوا کے ایک معمولی جھونکے کے ساتھ ریت کی دیوار کی طرح یکا یک ڈھہ پڑی، تو یہاں اس کی ذمہ داری جہاں ایک طرف طالب علم پر آتی ہے وہیں ان کی تربیت کرنے والے مدارس پر بھی آتی ہے، کہ بہر حال ان میں کسی نہ کسی طرح کا نقص ہے جس کی وجہ سے ان کا اثر دیرپا نہیں رہ پا رہا ہے۔

میں اپنے دوستوں کے بارے میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ کئی ایک ایسے بھی ہیں جن کا تعلق مدارس سے ہے اور وہ شراب و کباب کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں اور بلا تکلف ان کا استعمال کرتے ہیں، میں یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہوں، حیرت کے علاوہ میں اس پر سوچتا بھی ہوں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ مجھے اب تک اس کی دو وجہیں نظر آئی ہیں، ایک وجہ یہ کہ مدارس میں طلبہ کے لیے اتنی پابندی ہوتی ہے کہ وہاں پر وہ پر بھی نہیں مار سکتے، اب وہ اچانک قید سے آزادی کے ماحول میں آتے ہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ آزادی کے ماحول میں آتے ہیں اس سے اچانک سب کچھ بدل جاتا ہے، تو زیادہ قید اور زیادہ قید سے انتہائی آزادی کی طرف ان کا سفر، یہ ایک بنیادی وجہ ہے اس کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے جہاں تعلیم حاصل کی وہاں ان کی بھرپور تربیت نہیں ہوئی، تعلیم تو دراصل تربیت ہی کا نام ہی ہے، سعدی نے کہا ؎

علم را بر تن زنی مارے بود علم را بر دل زنی یارے بود

مطلب یہ کہ مدارس میں علم کو دل و دماغ پر موثر کرنے والا ذریعہ نہیں بنایا گیا، صرف جچے کرا کر رٹوا دیا گیا، اس سے طالب علم کی شخصیت پر اثر نہیں پڑا، اس لیے اس پہلو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مدارس میں اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ کردار سازی پر کام کریں۔

سوال:- جے این یو نے اردو کو کیا مقام دیا ہے، یعنی اس کے شعبۂ اردو کا کیا حال ہے اور اس میں کس قسم کے کورسیز ہیں؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- جے این یو کا شعبہ اردو بہت بہتر ہے، دنیا کی کوئی ایسی یونیورسٹی نہیں ہے جہاں اردو کی تعلیم ہوتی ہو اور وہاں جے این یو کے شعبہ اردو کا اثر نہ ہو، یا اس کے چرچے نہ ہوں، یورپ میں آپ جائیں امریکہ، کناڈا، لندن، جرمنی، روس اور دوسرے ممالک جو ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں ان تمام ممالک میں جے این یو کے شعبۂ اردو کا بڑا نام ہے۔ ہمارے وہ اساتذہ جو سبکدوش ہو چکے ہیں وہ وہاں کی یونیورسٹیوں میں بارہا وزٹنگ پروفیسر بھی رہے ہیں، اور آج بھی ایکس چینج پروگرام کے تحت وہاں سے طلبہ اور طالبات یہاں پر آتے ہیں،

ایمبیسی میں دفتر کا کام، اور دوسرے اداروں میں عربی جاننے والوں کی بہت ضرورت ہے، اور ایسے طالب علم جن کو انگریزی اور عربی پر یکساں دسترس ہو ان کی بے انتہا کمی بھی ہے، اور ایسے طلبہ کے لیے معاش کا مسئلہ نہیں ہوتا ہے، یہ خود بھی خود کفیل ہوتے ہیں اور پورے گھرالوں کو سنبھال لیتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارے یہاں اردو ماس میڈیا کا کورس ہے، اس میں ہم ہر سال دو تین مدارس کے طلبہ کو بھی لے لیتے ہیں، آج اردو کے عربی کے چینل شروع ہو رہے ہیں، مختلف ویب سائٹس ہیں جن پر کام کرنے والوں کی ضرورت ہے، اس طرح کے کاموں میں اردو اور عربی جاننے والے طلبہ کے لیے بڑے مواقع ہیں، علاوہ ازیں جے این یو سے بیرون ملک جانے کے لیے بھی بہت سے مواقع ہیں، اگر یہ طلبہ بی ایڈ کر لیں تو ان کے لیے باہر کے اسکولوں میں بہت سے امکانات روشن ہیں، مدارس کے طلبہ میں ایک خوبی ایسی ہے جو دوسرے طلبہ میں نہیں ہوتی ہے، وہ تکلم کی طاقت ہے، یہ دراصل شخصیت کو موثر بنانے میں بہت معاون چیز ہے، اس کی وجہ سے سمیناروں میں، سمپوزیم میں، مباحثوں میں ان کا اچھا مظاہرہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اساتذہ کی نظروں میں آجاتے ہیں اور آسانی سے کہیں نہ کہیں ان کا تقرر ہو جاتا ہے۔

سوال:- کہتے ہیں کہ جے این یو کا مزاج سیکولر اور کمیونسٹ ہے، ایسے میں ایک مسلمان طالب علم اسلامی مزاج کے ساتھ یہاں کیسے گزارا کر سکتا ہے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- سب سے اچھا موقع یہیں ہے، آپ ذرا غور فرمائیں کہ ہندوستان میں جتنے تعلیمی عصری ادارے ہیں ان میں افطار، سحر اور تراویح کا جو اہتمام جے این یو میں ہوتا ہے یقین مانیے پورے ہندوستان میں کہیں بھی نہیں ہوتا ہے، ایک ایک ہاسٹل میں سو سو طلبہ افطار کے وقت ایک ساتھ بیٹھتے ہیں، جتنے بھی مسلمان ہوتے ہیں خواہ وہ جس ہیئت میں ہوں وہاں پہنچتے ہیں، بلکہ یہاں پر تو ٹوپی کرتا، اور داڑھی کو اس حیثیت سے اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس وضع کے لوگ جھوٹ نہیں بولیں گے، مکاری نہیں کریں گے، فریب نہیں دیں گے، آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جے این یو میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں جو نیم عریاں ہوتی ہیں اور ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی صرف آنکھیں کھلی ہوں گی، سارا جسم نقاب میں چھپا ہوگا، لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص بول دے کہ وہ نقاب میں کیوں ہیں، یہ دقیانوسی ہے کسی طالب علم کے بارے میں آپ کبھی نہیں سن سکتے کہ وہ ٹوپی پہنتا ہو اور داڑھی رکھتا ہو اور اس سے کسی نے یہ کہہ دیا ہو کہ وہ دقیانوس ہے، تو اس سیکولر ماحول میں زیادہ مواقع ہیں، آزادی ہے، آپ جس لباس میں رہیں جس طرح کا کھانا کھائیں، جس طرح کا کام کریں، کوئی رکاوٹ نہیں، اتنا آزاد ماحول تو آپ کو ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں مل ہی نہیں سکتا، یہاں طلبہ زیادہ محفوظ ہیں اور ان کے لیے زیادہ مواقع ہیں کام کرنے کے۔

سوال:- لیکن آپ ان طلبہ کے بارے میں کیا کہیں گے جو مدارس سے ۸ ر سالہ نصاب مکمل کر کے یہاں آئے ہیں اور یہاں آنے کے بعد اپنی ہیئت ہی کو بدل لی ہے؟ اس کے لیے وہ یہ توضیح بھی کرتے ہیں کہ داڑھی

بھی رہا ہے، اس لیے آپ پر دیگر کاموں کے ساتھ خدمت اسلام اور دعوت دین کا فریضہ بھی عائد ہے، اس کے لیے آپ نے کس طرح کی ترجیحات متعین کی ہیں؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- دعوت وتبلیغ کے حوالے سے میری پہلی ترجیح تو یہ ہوتی ہے کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری زبان میں وہ اثر پیدا فرمائے جس سے دین کی باتیں موثر ہوں، ہمارے کردار سے، گفتار سے، ہمارے عمل سے کچھ طلبہ اچھی باتیں سیکھ سکیں اور انہیں اپنا سکیں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ شب وروز کی جو ہماری مصروفیات ہیں ان میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھے جس سے غلط تاثر جائے، دوسرا مقصد میرا خاص طور پر جے این یو میں یہ ہوتا ہے کہ یہاں بڑا آزاد ماحول ہے، یہاں مسلمان بچے اور بچیاں آتے ہیں، اس لیے میں اپنی کلاس میں ہر دن کہیں نہ کہیں اسلامی بات لے کر آتا ہوں اور میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہر روز ان کو حدیث کا ایک مفہوم ضرور بتاؤں، جس طرح کی احادیث میں نے جمع کیں اور ان کو سینے میں محفوظ کیا، ان کا تعلق کردار سازی سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عصری تعلیم کے جتنے بھی ادارے ہیں ان کی بنیاد اقتصاد پر ہے، ان کی بنیاد معاشرے کی اصلاح پر نہیں ہے، اور کردار سازی کی کمی وجہ کی سے بے راہ روی ہوتی ہے، میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث کے حوالے سے کچھ ایسی باتیں بتاؤں جو ان کی کردار سازی میں معاون ثابت ہو سکیں، گویا میری ایک طرح سے کوشش یہ ہوتی ہے کہ میرا طالب علم کسی بھی شعبے میں چلا جائے، کسی نہ کسی طور پر اسلامی کردار کے فروغ میں وہ اپنا کردار پیش کر سکے، وہ باضابطہ طور پر دینی تعلیم کو پیش نہیں کر سکتے، کیوں کہ دینی علوم سے وہ بے بہرہ ہوتے ہیں، لیکن اسلامی کردار کو تو پیش کر سکتے ہیں۔

سوال:- جواہر لال نہرو یونیورسٹی ملک کی عظیم ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے، اس ادارہ میں مسلم طلبہ کے لیے اور خاص طور سے مدارس کے طلبہ کے لیے کس طرح کے مواقع حاصل ہیں؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:- یہ اللہ کا شکر ہے کہ جے این یو جیسے ادارے میں مسلم طلبہ کی تعداد بہت اچھی ہے، مسلم اساتذہ کی تعداد بھی ماشاء اللہ اچھی ہے، اور یہاں پر جہاں تک مواقع کی بات ہے تو مواقع یہاں بے انتہا ہیں، یہ بالکل ایک سمندر کی طرح ہے، جس ساحل پر بیٹھ جائیں کہیں نہ کہیں راستہ مل ہی جائے گا - مدارس کے طلبہ بھی یہاں اچھی تعداد میں ہیں اور بہت اچھا کر رہے ہیں، لیکن یہاں پر بھی وہی طالب علم اچھا کر رہے ہیں جو مدارس سے ہی کچھ نہ کچھ صلاحیت لے کر آئے ہیں، مدارس کا ایک بڑا المیہ ہے کہ تین چار سالوں میں آج کل دستار فضیلت مل جا رہی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ نحو میر، میزان اور پنج گنج سے آگے نہیں بڑھ پاتے ہیں، احادیث کا ترجمہ نہیں کر سکتے، قرآنی آیات کا مفہوم نہیں بتا سکتے، تو اگر ان کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے تو پھر ایسے طلبہ کے لیے یہاں بھی مواقع نہیں ہیں، لیکن ایسے طالب جن کی عربی اچھی ہے اور یہاں آنے کے بعد انہوں نے اپنی انگریزی اچھی کر لی تو ایسے طالب علم کبھی بے کار نہیں رہ سکتے، ان کے لیے بھی بڑے اچھے مواقع ہیں، اچھے پیسے ہیں، ترجمے کا کام،

کہ میں نے دسویں کا امتحان پاس کرلیا، اور اب تک گھر پر کسی کو اطلاع نہیں دی، چوں کہ میں نے اپنی تعلیم کا رخ موڑ لیا تھا، اس لیے گھر والوں سے بتاتے ہوئے کافی ڈر لگ رہا تھا، والد صاحب سے ڈرتے ڈرتے میں نے کہا کہ میں میٹرک کے امتحان میں پاس ہو گیا ہوں، اچھے نمبر حاصل ہوئے ہیں، آپ اجازت دیں تو پٹنہ کالج میں میرا داخلہ ہوسکتا ہے، خلاف توقع وہ خوش ہوئے، اور اپنی رضامندی کا اظہار کیا لیکن اتفاق سے اسی سال والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

والد صاحب نے چوں کہ اجازت دے دی تھی، اس لیے میں نے سوچا کہ یہ ایک طرح سے میرے اوپر ذمہ داری ہے، میں نے بڑی محنت کی اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں پورے بہار میں گیارہویں پوزیشن حاصل کر لی۔ اس سے مجھے بہت دلی خوشی ہوئی اور حوصلہ بڑھا۔ ہمارے اساتذہ نے بھی حوصلہ افزائی کی، پھر میں نے امتیازی نمبرات کے ساتھ وہیں سے بی اے بھی مکمل کیا، پھر جے این یو آ گیا یہاں بھی اللہ کا فضل رہا، ایم اے میں بھی ٹاپ کیا، ایم فل میں بھی ٹاپ کیا، تو میری خواہش بڑھتی چلی گئی اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہا۔

جب میں شمس الہدیٰ میں پڑھ رہا تھا تو وہ اہل سنت کا ادارہ تھا، لیکن ہر مکتب فکر کے لوگوں کا آنا جانا ہوتا تھا، وہاں ایک بار بحث ہو رہی تھی، فاتحہ، مزار، چادر وغیرہ کے تعلق سے کہ اسلام میں ان کی کیا حیثیت ہے، اس کے بعد میں نے ۱۶ر صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ لکھا اور اس میں میں نے فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ امجدیہ اور فتاویٰ رشیدیہ کے فتاوے نقل کیے اور میں نے علمی طور پر یہ اجاگر کرنے کی کوشش کی کہ ان امور کی اسلام میں کیا حیثیت ہے، یہ کتابچہ ''اہل بریلی حقانیت کے آئینے میں'' کے نام سے ایک ہزار کی تعداد میں چھپا اور بک گیا، اس وقت گریہڈیہہ میں ایک صاحب کوئی صوفی ازم کی تحریک لے کر اٹھے تھے، مختلف مذاہب کو ملانے کی بات کر رہے تھے، ایک الگ نظریے کی تاسیس کر رہے تھے، انہوں نے میرے ۱۶ر صفحات کے کتابچہ کا جواب ۲۵۰ر صفحات پر لکھا، اس کے بعد میں نے جو پہلا مضمون لکھا وہ پٹنہ کالج کی میگزین میں چھپا، یہ بھی بہت مقبول ہوا، آل انڈیا ریڈیو پٹنہ سے بارہا نشر ہوا۔ اس کے بعد جے این یو آیا تو ایم فل میں میں نے ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے کتاب لکھی، جو ملک کی یونیورسٹیز اور پاکستان کے پشاور یونیورسٹی میں شامل نصاب ہے۔ اس کے بعد میں نے فارسی میں پی ایچ ڈی کی، دہلی یونیورسٹی میں اسی وقت ایک جگہ آئی جس میں فارسی، اردو جاننے والے کی ضرورت تھی، حسن اتفاق کہ میں نے درخواست دی اور میرا تقرر ہوگیا، اسی درمیان تھی پروفیسر وہاب اشرفی صاحب نے کہا کہ آپ بہار آ جائیں، اور رانچی میں انہوں نے بحیثیت لیکچرار میرا تقرر کرلیا، لیکن وہاں کی آب و ہوا اور علمی فضا مجھے پسند نہیں آئی اور پھر واپس دہلی آ گیا، ۵ر سال تک دہلی یونیورسٹی میں میں نے عارضی ۵ر سالہ مدت گزاری اور اس کے بعد جے یو این میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوگیا اور اب میں آپ کے سامنے ہوں۔

سوال:- آپ ایک مسلمان ہیں، اس کے علاوہ تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں آپ کا تعلق مذہبی اداروں سے

کے مطابق ایک چھوٹے گاؤں کا سفر کیا، جس علاقے میں وہ گئے وہ آدی باسیوں کا علاقہ تھا، یعنی جھارکھنڈ کا علاقہ، جہاں کے مسلمانوں کے نام ہری میاں، چمن میاں، لکشمن میاں وغیرہ ہوا کرتے تھے، وہ صرف ایک چادر اوڑھا کرتے تھے، انہیں دین کے تعلق سے کچھ پتہ نہیں تھا، گویا انہیں ایک جنگل میں بھیج دیا گیا اور ان سے یہ کہا گیا کہ تمہیں دین کی روشنی پھیلانی ہے، کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا، ۴۰ / ۴۵ سال ہو رہے ہوں گے، اور اتنی سی مدت میں اللہ کا شکر ہے کہ پورا منظر تبدیل ہو گیا ہے، ایک اس وقت کا گاؤں تھا اور ایک آج کا گاؤں ہے، میرے گاؤں کے پڑھنے والوں کا پہلا گروپ وہی ہے جس میں ہم لوگ نکلے ہیں، میرے گاؤں میں دو سو گھر ہیں اور آج کوئی ایسا گھر نہیں جس میں کوئی عالم دین یا کوئی حافظ قرآن نہ ہو، میرے والد کی بڑی خواہش تھی کہ میں عالم دین بنوں، اس لیے ان کی بڑی سخت ہدایات تھیں، اور ۱۱ رسال کی عمر میں مجھے انہوں نے جھارکھنڈ سے اعظم گڑھ قصبہ گھوسی میں مدرسہ شمس العلوم میں داخل کر دیا- میں نے وہاں فارسی کی دوسری پڑھنا شروع کیا، گلستاں بوستاں پڑھی، منشی کا امتحان دیا، منشی کامل کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک میرے سینئر دوست مولانا شوکت نے مجھے بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی طرف متوجہ کیا، اور میں شمس الہدیٰ پٹنہ چلا گیا، شمس الہدیٰ پہنچا تھا کہ وہاں مجھے زندگی کے دو راستے نظر آئے، شمس الہدیٰ بیچ شاہراہ پر ہے جسے اشوک راج پتھ کہتے ہیں، شمس العلوم کا جو گیٹ ہے یہ سائنس کالج کے گیٹ کے سامنے ہے، بالکل روبرو، میں حسرت اور حیرت سے دیکھتا تھا کہ ایک ہم ہیں ڈرے، سہمے اور دبے ہوئے، گھنٹی کی آواز پر لپک کر دوڑتے ہیں، زور سے قہقہہ نہیں لگا سکتے، ہنس نہیں سکتے، آزادانہ اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے، دوسری طرف سڑک کے اس پار ایک گیٹ کھلتا ہے جہاں عجیب رونق ہے، آزادی ہے، وہاں کے طلبہ کو ہم دیکھتے ہیں تو ان میں بے باکی اور جرأت نظر آتی ہے، میں بار بار سوچتا تھا، اسے آپ تمنا کہیے یا طفلانہ حسرت کہیے، میں سوچتا تھا کہ کیا میں اس بیچ کی سڑک کو پار کر سکتا ہوں؟ لیکن مجھے اس کی باضابطہ تحریک ایک واقعہ سے ہوئی، میرا ایک روم میٹ ساتھی تھا، جو روزانہ شام میں نہاتا تھا اور خوشبو لگا کر، اچھے کپڑے پہن کر وہ کہیں نکلتا تھا، مجھے دو باتوں سے حیرت ہوئی، اول یہ کہ مدرسہ میں جو نہانے کا تصور ہے وہ جمعہ کو ہے یا صبح کو ہے، لیکن وہ لڑکا صبح بھی نہاتا تھا اور شام میں بھی نہاتا تھا، یہ چیز ہمارے لیے عجیب تھی، دوسری یہ کہ وہ کتابیں لے کر شام کو کہیں نکلتا تھا، وہ مجھ سے سینیر تھا، میں اس کے تعاقب میں رہا اور ہمیشہ اس سے پوچھتا رہا، ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ تم جاتے کہاں ہو؟ اس نے کہا کہ پٹنہ میں ایک نائٹ اسکول ہے اس میں میں نے داخلہ لے رکھا ہے، میں نے ڈرتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پہلے تو اس نے ذہنی طور پر مجھے آزمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ شکایت کر دے، کیوں کہ شکایت کرنے کا مطلب تھا ہوسٹل سے اخراج، جب اسے میں نے اعتماد میں لے لیا تب اس نے مجھے راستہ بتایا اور میں نے نویں کلاس میں داخلہ لے لیا، اس وقت میری یہ حالت تھی کہ ہندی کی تھوڑی بہت شد بد تھی، اس وقت تعلیم کے لیے پیسے بھی نہیں تھے، والد صاحب ضعیف ہو گئے تھے، اسکول سے ریٹائرڈ ہو گئے تھے، بیمار رہتے تھے، ذریعہ معاش کچھ تھا نہیں، بہرکیف! حاصل کلام یہ

ڈاکٹر خوشتر نورانی

ڈاکٹر خواجہ اکرام

ڈاکٹر خواجہ اکرام اردو کے ایک اچھے استاذ، کالم نگار، کئی کتابوں کے مصنف اور مذہبی رجحان اور عصری شعور رکھنے والے ایک معتدل فکر مسلمان ہیں۔ عصر حاضر کی مسلم دانشوری کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ دانشوران پر جب زعم دانشوری سوار ہوتا ہے تو ان سے احساس مسلمانی رخصت ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف ڈاکٹر خواجہ اکرام ہندوستان کی ایک بڑی عصری درس گاہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے استاذ ہونے اور ایک آزاد ماحول میں رہنے کے باوجود اسلام کا درد، ملت کی فکر اور قوم کے تابناک مستقبل سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں اور ہر وقت اسلامی کردار اور مسلمانوں کے تعلیمی، معاشی اور سیاسی شعور کو پروان چڑھانے کے لیے اپنے طور پر کوشاں رہتے ہیں۔ موصوف صوبۂ جھارکھنڈ سے تعلق رکھتے ہیں، مدرسہ شمس العلوم گھوسی (یوپی) سے بنیادی دینی تعلیم کی تحصیل کے بعد عصری علوم کی طرف مائل ہوئے اور پٹنہ یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد جے این یو دہلی آئے اور یہاں سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ ایم فل کے لیے آپ کے تحقیقی موضوع کا عنوان ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تنقیدی مطالعہ'' اور پی ایچ ڈی کا عنوان ''انیسویں صدی کے تذکروں کا تنقیدی جائزہ'' ہے۔ اب تک تقریباً نصف درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ''اردو کے شعری اصناف'' اور ''جدید فارسی ترجمہ وقواعد'' خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ابھی جے این یو دہلی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر دہلی کے ٹرسٹی اور مختلف دینی وعلمی سرگرمیوں اور تنظیموں سے وابستہ ہیں۔

سوال:۔ سب سے پہلے اختصار کے ساتھ یہ بتائیں کہ آپ ایک چھوٹے سے دینی ادارہ سے ملک کی ایک عظیم یونیورسٹی کے منصب تدریس تک کیسے پہنچے؟

ڈاکٹر خواجہ اکرام:۔ سب سے پہلے تو ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس منصب اور اس مقام پر فائز کیا ہے، یہ ایک چھوٹا سا منصب ہے، لیکن منصب سے زیادہ اسے میں اپنی دینی، علمی، اخلاقی اور ملی ذمہ داری سمجھتا ہوں، اور اگر میں اسے نبھانے میں کامیاب ہو گیا تبھی ان سوالات کا کوئی جواب ہوگا، نہیں تو کچھ نہیں، مدرسے سے میری تعلیم شروع ہوئی، میرے والد مولانا شمس الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بڑے صوفی عالم تھے، ان کی ساری زندگی اصلاح معاشرہ اور خدمت قوم میں گزری، ایک بڑے شہر سے اپنے پیر کے حکم

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب کو اپنے علمی وادبی کارکردگیوں کے اعتراف میں کئی ملکی اور بین الاقوامی انعامات واعزازات سے نوازہ جاچکا ہے۔جن میں ۱۹۸۷ء مجلس ادب ایوارڈ پٹنہ، ۲۰۰۸ء میں کتاب ''تعارف وتنقید'' پر دہلی اردو اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔ ۲۰۱۲ء میں بابائے اردو ایوارڈ پٹنہ، اور مینار اردو ایوارڈ پٹنہ، ۲۰۱۴ء میں مخر اردو ایوارڈ بہار، مسیحائے اردو ایواڑ دہلی، ۲۰۱۵ء میں قاضی عدیل عباسی ایوارڈ دہلی، ۲۰۱۶ء میں قاضی عبدالودود ایوارڈ، بہار اردو اکادمی پٹنہ کی جانب سے اور نشانِ امتیاز اردو سائنس کانگریس علی گڑھ کی جانب سے دیا گیا۔ ۲۰۱۸ء میں صوفی جمیل اختر ایوارڈ، کلکتہ کی جانب سے دیا گیا۔ یہ سبھی ایوارڈ ہندوستان کے مختلف اردو اداروں کی جانب سے دیئے گئے۔ بین الاقوامی ایوارڈ میں ۲۰۱۲ء میں ایکسیلنس ایوارڈ، جاپان، ۲۰۱۲ء میں آوٹ اسٹینڈ ینگ اچیومنٹ ایوارڈ، ترکی سفیر اردو ایوارڈ، ڈنمارک اقبال ایوارڈ، جرمنی، حیدر طباطبائی ایوارڈ، جرمنی کی طرف سے دئے گئے۔ حال ہی میں جولائی ۲۰۲۳ء میں اردو اکادمی دہلی کی جانب سے آپ کو ''ایوارڈ برائے تحقیق وتنقید'' کے اعزاز سے نوازہ گیا۔ ملک اور بیرونی ممالک کی اہم تنظیموں اور اردو زبان وادب کی گراں قدر تحقیقی وتنقید خدمات کے اعتراف میں موصوف کو اس ایوارڈ سے نوازا گیا۔

موصوف نے دنیا کے تقریباً ہر اس ملک کا سفر کیا جہاں اردو زبان وادب کی بستیاں موجود ہیں۔آپ نے خود مہجری ادب پر تو تخلیقات پیش کی ہی ہیں ساتھ ہی اپنے کئی فضلا سے اس موضوع پر تحقیقی مقالہ بھی تحریر کروائے۔ آپ نے متعدد موضوعات پر تصانیف مقالات اور مضامین تحریک کئے ہیں۔

خواجہ محمد اکرام الدین صاحب ایک دانشور عالم، روشن خیال مفکر، باکمال مصنف تو ہیں ہی ساتھ ہی ایک دوست نواز، خوش اخلاق، ملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ اپنے شاگردوں سے بھی بڑی محبت اور حسنِ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔آپ ایک کامیاب استاد اور مفکر ہیں۔جس طرح آپ کے خیال میں تابانی ہے اسی طرح اظہار میں توانائی ہے۔ محبانِ اردو ادب آپ کا احسان مند ہیں کہ آپ کے زبان اردو ادب کے فروغ اور ترقی میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میں خواجہ محمد اکرام الدین صاحب کی عمر درازی اور صحت یابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔آپ کا قلم اور زیادہ ضوفشاں ہو اور دنیائے ادب اس سے استفادہ کرتی رہے۔

ماٰخذ:

۱۔ www.khawajaekram.com

۲۔ www.worldurduassociation.com

۳۔ rekhta.org خواجہ محمد اکرام الدین۔تعارف

۴۔ سبق اردو۔فروری ۲۰۲۳، جلد:۸، شمارہ ۲/ ۸۳

○○○

۲۰۱۲ء میں آپ کو حکومت ہند نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائریکٹر کی اہم ترین ذمہ داری تفویض کی گئی۔ اس منصب پر تین برسوں تک فائز رہ کر انہوں نے کونسل کے تمام منصوبوں کو آگے بڑھانے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اسی دوران کونسل کے زیرِ اہتمام عالمی اردو ملکی سطح کے سیمینار، ملک بھر میں پھیلے ہوئے اردو کمپیوٹر، تربیتی مراکز اور دوسرے تعلیمی و تربیتی مراکز کی توسیع و ترقی، اعلیٰ ترین علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت، کونسل کے جرائد اردو دنیا، بچوں کی دنیا، اور فکر و تحقیق وغیرہ کی ادارتی و اشاعتی ذمہ داریوں کے ساتھ اردو زبان کو جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی سے جوڑنے، اردو سافٹ ویئر ڈیولپ اور کونسل کی شائع شدہ ہشارہا کتابوں کے ڈجٹلائزیشن، اردو فونٹس اور اردو کی بورڈ کی تیاری، اردو پورٹل اور آن لائن اردو لرننگ کے منصوبوں کی تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ انہوں نے برقی آلات کی ریپیئرنگ اور میٹئس کا تربیتی ڈپلوما کورس اور کشمیر کی عوامی صنعت پیپر ماشی کی اردو زبان میں تربیت کے لیے خصوصی ڈپلوما کورس بھی شروع کرایا۔ انہوں نے کئی ایسے اقدامات بھی کیے جن کے وسیلے سے اردو زبان کو عوام کی روٹی روزی سے جوڑنے میں مدد ملتی ہے۔ اس خوشگوار حقیقت سے ہندوستان کا پورا اردو حلقہ بخوبی آگاہ ہے کہ خواجہ محمد اکرام الدین نے اپنی تین سالہ مدتِ کار میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

(سبق اردو، فروری ۲۰۲۳ء، جلد ۸، شمارہ ۲/ ۸۳، ص ۷)

موصوف ''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' کے صدر نشین بھی ہیں۔ یہ ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ ہے جس کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں کے اردو داروں سے رابطہ و اشتراک قائم کر کے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ممکن وسائل کے فراہم کی کوشش کرنا ہے۔ ساتھ ہی اس ادارہ میں اردو کی کتابوں کی اشاعت، نئی کتابوں پر تبصرہ اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کرنا قابلِ ستائش ہیں۔ اس ادارہ کا سب سے اہم کارنامہ ''مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلہ'' رہا۔ جس کے تحت دنیا بھر کے اردو کے ادیبوں و شعراء سے ادب کو متعارف کروایا گیا۔ یہ پروگرام تب عمل میں آیا جب کہ عالمی سطح پر کورونا وبا پھیل گئی تھی۔ ایسے حالات میں خواجہ محمد اکرام الدین نے اس ادارہ کے پلیٹ فارم سے کئی سیمینار، ویبنار اور مذاکرہ منعقد کئے۔ اسی کی تحت آپ کے آن لائن اردو رسالہ ''ترجیحات'' کا آغاز ہوا جس کے موصوف مدیرِ اعلیٰ بھی ہیں۔

اس سے پہلے بھی خواجہ محمد اکرام الدین کئی تعلیمی ادبی اور ثقافتی اداروں کی سرگرمیاں میں شامل رہ چکے ہیں۔ یہ ادارہ ملکی اور غیر ملکی سطح پر قائل شدہ ہیں جن میں مہاتما گاندھی انسٹی ٹیوٹ، موریشس کے بورڈ آف اسٹڈیز کے ایکسٹرنل ممبر، جے این یو کے بورڈ آف اسٹیڈیز اور اکیڈمک کونسل کے رکن رہے ہیں۔ آپ سینٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن حکومت ہند میں دو سال تک رکن اور وزاراتِ انسانی وسائل حکومت ہند کی کمیٹی برائے اقلیتی طبقات کی تعلیم کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ ساتھ ہی اردو اکادمی دہلی کی گورننگ کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ کے مشاورتی بورڈ کے رکن رہے ہیں۔ جے این یو کی ادبی ثقافتی انجمن ''رفتار'' کے اساسی رکن بھی ہیں۔ دنیا کے کئی اہم ادبی رسائل کی مجلس مشاورت اور مجلس ادارت میں شامل ہیں۔

بڑی شناخت اردو اور ہندی بھی ہے کیونکہ تاشقند اسٹیڈیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے تحت ۱۹۴۷ء سے اس ادارے میں اردو، ہندی کی تعلیم دی جارہی ہے اور یہ سلسلہ اب بھی برقرار ہے۔ تاشقند میں کئی جدید اور تعلیمی ادارے موجود ہیں لیکن تاشقند انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کو ایک خاص اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ اس ادارے میں دنیا کی اہم مشرقی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کسی بھی غیر ملک میں دوسرے ملک کی زبان کی تعلیم اور درس وتدریس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ براہ راست اس ملک کی تہذیب اور اس کے تمدن سے آگہی حاصل کرنا۔ اردو ہندوستان کی قدیم زبان ہے جو ایک عرصے تک سرکاری زبان بھی رہی ہے۔ اس کو بولنے والوں کی تعداد برصغیر میں تقریباً تیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ اردو ہندی زبان اور ہندوستان پر ازبکستان اور مشرق وسطیٰ کے تہذیبی اور تمدنی اثرات زندگی کے کئی شعبوں میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔''

(سفرنامہ ازبکستان امام بخاری کے ملک میں چند روز، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، جون ۲۰۱۹ء، ص ۱۲)

اس سفرنامہ میں موصوف نے ازبکستان میں اردو زبان وادب کے تعلیمی احوال کے ساتھ بزرگانِ دین کی زیارت گاہوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس سفرنامہ کا ازبک زبان میں ترجمہ بھی ہوا جو کہ ڈاکٹر محمد عبدالرحمنوا، تاشقند اسٹیٹ یونیورسٹی آف اوینٹل اسٹڈیز نے کیا۔ آپ کی تصنیف مشاہدات میں مختلف ممالک کے سفرنامے پیش کیے جن میں پاکستان، امریکہ، یوروپ، مصر، جاپان وغیرہ کے سفر کا بیان ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین صاحب کو اردو اور ٹیکنالوجی میں خاص دلچسپی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اردو زبان کو نہ صرف نئی ٹیکنالوجی سے جوڑا بلکہ اردو زبان کے فروغ کے امکانات کو وسعت بخشی۔ اس ضمن میں اردو سافٹ ویئر کا اجراء، ٹیکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنا، اردو آن لائن پروگرام منعقد کرنے کی جانب مختلف تدبیریں عمل میں لائی گئی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ڈائریکٹر شپ کے دوران ضمنی طور پر جو خدمات انجام دی ہیں ان میں آن لائن اردو لرنگ پروگرام ۲۰۱۲ء کی شروعات کرنا، اردو انڈیا کی بورڈ برائے ونڈو اور اینڈ رائٹر لانچ کرنا، آئی ٹی مینسٹری کے اشتراک سے اردو کے بارہ نسخ فونٹ اور ایک نستعلق فونٹ کا اجرا داد تحسین ہے۔ علاوہ ازیں اردو پیڈیا (www.urdupedia.in) کا آغاز کیا۔ قومی کونسل کی کتابوں کو ڈیجیٹائز کیا اور کونسل کے تحت آن لائن اردو ڈیجیٹل لائبریری کا اجرا کیا گیا۔ ساتھ ہی ڈریم کورس (Diploma in Repair Applianess and Maintenanece) اور ''پیپر ماشی'' کورس کا آغاز کیا۔ یہ پیپر ماشی کورس کشمیر کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے شروع کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قومی کونسل کے سینٹر کی آن لائن مانیٹرنگ کے لیے سوفٹ ویئر کو لانچ کیا گیا۔

موصوف نے یہ سب کارنامے قومی کونسل کی مدت کار کے دوران انجام دیے۔ آپ نے کونسل کے تقریباً تمام منصوبوں کی تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ آپ کی ان خدمات کا بیان فاروق ارگلی نے سبق اردو میں شائع اپنے مقالہ بعنوان ''پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین'' میں تحریر کیا۔

رائلہ فاطمہ انصاری
ریسرچ اسکالر
گورنمنٹ آرٹس کالج کوٹہ، راجستھان

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین شخصیت اور علمی و ادبی کارنامے

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اکیسویں صدی کے ایک جید عالم اور جہاں دیدہ شخص ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے ادیبوں کی اس فہرست میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی تحقیق وتنقید اور تصنیف وتالیف کے کارناموں سے دنیائے ادب میں اردو زبان کو فروغ دیا۔ اردو ادب کے لیے آپ کی خدمات کا زمانہ قائل ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اردو زبان وادب کو ترقی دینے میں وقف کردی۔ اور ماشاءاللہ آج بھی انہیں میں کوشاں ہیں۔

اردو زبان وادب کے ساتھ آپ کو جدید ٹکنالوجی اور انٹرنیٹ وغیرہ میں خاصی دلچسپی ہے۔ اسی دلچسپی کی بنا پر اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑنے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے لیے ماس میڈیا میں ایڈوانس ڈپلوما بھی کیا۔ اردو زبان کے علاوہ ہندی، انگریزی، عربی، فارسی زبانوں پر آپ کو مہارت حاصل ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۹۴ء میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ میں ریسرچ ایسوسی ایٹ کے طور پر ملازمت کی۔ آپ تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اس دوران آپ نے قومی کونسل اردو کی کارکردگیوں میں قابل تعریف اضافہ کیا۔ جن میں نئی اسکیموں کا اجراء کیا۔ سب سے اہم کام کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجراء کیا۔ آپ نے اب تک ۲۸ / کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں بعض کتابوں کو ہندوستان اور بیرونی ممالک کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

موصوف ایک دانشور اور روشن خیال مفکر و مصنف ہیں۔ آپ نے علمی و ادبی تحقیقی، تنقیدی مضامین، سفرنامہ، انٹرنیٹ وغیرہ جیسے نئے موضوعات پر کئی تحریریں لکھیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ موصوف نے امریکہ، جاپان، ایران، ترکی، پاکستان، جرمن، سعودی عرب، ڈنمارک، فرانس وغیرہ ممالک کے سفر کئے اور وہاں منعقد علمی ادبی وتہذیبی سیمیناروں میں خطبات ومقالات پیش کئے۔ آپ نے اپنے سفرنامہ ازبکستان امام بخاری کے ملک میں چندروز میں اردو زبان کی اس ملک میں اہمیت پر روشنی ڈالی:

''مشرق وسطیٰ میں اردو اور ہندی کے لیے تاشقند ایک اہم مرکز ہے۔

''تاشقند کو کئی اعتبار سے اہمیت اور شہرت حاصل ہے لیکن برصغیر کے لیے اس شہر کی ایک

خواجہ اکرام الدین نے اردو زبان کو Digital Platform میں لانے کے لیے کئی اقدامات کئے ہیں۔ آپ نے آن لائن اردو برنگ پروگرام شروع کیا۔ بین الاقوامی تنظیم ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے آپ چیئرمین ہیں۔ اس تنظیم کا مقصد اردو کے مجہری ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت اور مجہری ادیبوں پر موقوف انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل کرنا ہے۔ اس کے زیرِ اہتمام کئی ادبی و عالمی سیمنار انٹر یوز میں منعقد کئے جاتے ہیں۔ آپ نے ورلڈ اردو ریسرچ اینڈ پبلی کیشن کے زیرِ اہتمام آن لائن اردو پبلشنگ پلیٹ فارم کے تحت آن لائن اردو رسالہ ''ترجیحات'' کا آغاز کیا۔ آپ کے رسالہ ''ترجیحات'' کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ یہ رسالہ دنیا کے مختلف ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ اس کا مقصد اردو میں تخلیقی اور ادبی تحریر کو فروغ دینا اور اردو زبان کے ذریعہ دنیا کو مختلف ادیبوں کو جوڑنا ہے۔ خواجہ صاحب کا یہ کثیر جہت نقطہ نظر مقامی اور وقتی حدود کو پار کر علم اور تخلیق کی مشعل کو آگے بڑھانے کی کوشش ہے۔ یہ رسالہ جدید دنیا میں اردو زبان و ادب کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ خواجہ اکرام الدین صاحب نے ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام آن لائن کتابوں کے اشاعت کی سہولیت میں فراہم کی ہے جو ای پب اور ای پبلی کیشن کو بڑھاوا دیتی ہے۔ خواجہ صاحب سوشل میڈیا میں فیس بک، یوٹیوب اور بلاگ وغیرہ میں اردو رسم خط کے استعمال کو بھی ترجیح دی آپ خود بھی بلاگ لکھتے اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قلم کار اپنے خیالات، جذبات کی عکاسی کرے اور اردو زبان کو الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کی ذریعہ ملکی سطح پر روشناس کرائے۔

خواجہ اکرام الدین کی شخصیت مختلف النوع ہے۔ آپ کی مطبوعہ مضامین میں رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ، نوائے آزاد، اردو کی شعری اصناف، تعارف و تنقید، دیوانِ ثانی، اسلامی تاریخ کے لئے اردو میڈیا اردو زبان کے لیے تکنیکی وسائل وغیرہ ہے۔ آپ کے تعلیمی تدریسی ادبی خدمات کے باعث آپ کو کئی مختلف اداروں نے اعزازات سے نوازا ہے۔ ابھی حال ہی میں آپ کی تحقیقی و تنقیدی خدمات کے اعتراف میں ''ایوارڈ برائے تحقیق و تنقید ۲۰۲۱ء'' سے نوازا گیا۔ آپ مستقل نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور اردو کو بین الاقوامی سطح پر مقبول کرانے کا سلسلہ ہنوز جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ماخذ:

۱۔ www.khawajaekram.com

۲۔ www.worldurduassociation.com

۳۔ اردو زبان کے لئے تکنیکی وسائل اور امکانات (کمپوٹر اور انٹرنیٹ کے حوالے سے)
از ڈاکٹر خواجہ اکرام

۴۔ indianarrative.com

○○○

نمایاں کام کیا ہے۔آپ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔آپ ۲۸ ر کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔خواجہ اکرام الدین ایک ممتاز ناقد محقق اور ادیب ہیں۔انہیں تعلیم اور تدریس کے میدان کے ساتھ اردو زبان وادب کے خدمات کے لیے بین الاقوامی شہرت حاصل ہیں۔آپ امریکہ،ایران،جرمنی،جاپان،ترکی، سنگاپور،سعودی عرب، پاکستان،فن لینڈ،ڈنمارک،ہالینڈ،اسپین،فرانس اور انگلینڈ جیسے بیرونی ممالک میں منعقد ہونے والے علمی اور ادبی سیمینار میں ملک کی نمائندگی کر چکے ہیں۔

خواجہ اکرام الدین صاحب کا ۱۹۹۴ء میں دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں بطور ریسرچ ایسوسی ایٹ میں آپ کا تقرر رہا۔۲۰۰۰ء میں جے این یو میں اسسٹنٹ پروفیسر بنے۔اور ۲۰۰۸ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہوئے اور ۲۰۱۳ میں پروفیسر بنے۔خواجہ اکرام الدین نے کئی سند حاصل کی جن میں اردو ماس میڈیا میں ایڈوانس ڈپلوما، پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ ان اردو ٹرانسلیشن اینڈ ماس میڈیا۔آپ حکومت ہند کی جانب سے ۲۰۱۲ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،وزارت برائے فروغ انسانی وسائل میں ڈائریکٹر عہدے پر فائز ہوئے۔اس عہدے پر فائز رہتے ہوئے تین سال تک کونسل کے زیرِ اہتمام ہونے والی علمی وادبی پروگرام، سیمنار،اعلیٰ کتابوں کی اشاعت،دیگر ملک کے ادیبوں سے ملاقات اور اس مراکز کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

اردو زبان کی جدید ٹیکنالوجی میں کئے گئے اہم فرائض کا ذکر کرتے ہوئے فاروق ارگلی لکھتے ہیں:

> ''۲۰۱۲ء میں آپ کو حکومت ہند نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر کی اہم ترین ذمہ داری تفویض کی گئی۔اس منصب پر تین برسوں تک فائز رہ کرانہوں نے کونسل کے تمام منصوبوں کو آگے بڑھانے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔اس دوران کونسل کے زیرِ اہتمام عالمی اردو ملکی تعلیمی وتربیتی مراکز کی توسیع وترقی، اعلیٰ ترین عملی ادبی کتابوں کی اشاعت،کونسل کے جرائد،اردو دنیا، بچوں کی دنیا،اور دیگر وتحقیق وغیرہ،ادارتی واشاعتی ذمہ داریوں کے ساتھ اردو زبان کو جدید انفارمشن ٹیکنالوجی سے جوڑے، اردو سافٹ ویئر ڈیولیٹ اور کونسل کی شائع شدہ ہزارہا کتابوں کے ڈیجلائزیشن، اردو فونٹس اور اردو کی-بورٹ کی تیاری،اردو پورٹل اور آن لائن اردو لرننگ کے منصوبوں کی تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔انہوں نے برقی آلات کی ریپئرنگ اور مینٹنس کا تربیتی ڈپلوما کورس اور کشمیر کی عوامی صنعت پیپر ماشی اردو زبان میں تربیت کے لیے خصوصی ڈپلوما کورس شروع کرایا۔ انہوں نے کئی ایسے اقدامات کئے جن کے وسیلے سے اردو زبان کو عوامی کی روزی روٹی سے جوڑنے میں مدد مل سکتی ہے۔اس خوشگوار حقیقت سے ہندوستان کا پورا اردو حلقہ بخوبی آگاہ ہے۔خواجہ اکرام الدین نے اپنی تین سالہ مدت کار میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل میں قابل قدر خدمات انجام دی۔''
>
> (فاروق ارگلی: خواجہ محمد اکرام الدین،فروری ۲۰۲۳ء جلد ۸،شمارہ ۲،ص ۷)

ڈاکٹر سلطانہ فاطمہ انصاری
کوٹا، راجستھان

اردو ٹکنالوجی میں خواجہ اکرام الدین کی خدمات

موجودہ ترقی یافتہ دور میں انسانی زندگی کا انحصار ٹکنالوجی پر ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو ٹکنالوجی نے متاثر کیا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں ٹکنالوجی کا استعمال نہ ہوتا ہو۔ چاہے گھر ہو، اسکول ہو ،آفس یا کاروبار۔ ہر فلڈ میں ٹکنالوجی ایک اہم ضرورت بن گئی ہے۔ انٹرنیٹ اور وائی فائی کی کنکٹی وٹی نے دنیا کی معلومات کو لوگوں کے ہاتھوں میں لا دیا ہے۔ اس کے ذریعہ کمپیوٹر، موبائل، آئی فون وغیرہ کے استعمال نے معلومات کو ایک جگہ سمیٹ دیا ہے۔

انٹرنیٹ ایک ایسی ٹکنالوجی ہے جس کے استعمال نے معلومات کے اضافے کے ساتھ ملکوں کے فاصلوں کو بھی مٹا کر لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا دیا ہے جو انسائیکلو پیڈیا، ولائیر پریز، ویب سائنس ڈیجیٹل اخبارات ورسائل، بلاگز کے صورت میں موجود ہے۔ انٹرنیٹ کے استعمال سے ہم بیرونی ممالک کی تہذیبی ثقافتی، علمی، اقتصادی، تعلیمی دیگر معلومات آن لائن حاصل کر سکتے ہیں۔

اکیسویں صدی انفارمیشن ٹکنالوجی کی صدی ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی نے نہ صرف سیکھنے کے عمل کو آسان بنایا ہے بلکہ علم و معلومات کے ذرائع کو بھی فروغ دیکر انسانی فکر کو بلندی اور گہرائی کو رفتار عطا کی ہے۔

انٹرنیٹ، سوشل میڈیا یا گوگل پر سب سے رائج زبان کی بات کی جائے تو انگریزی زبان کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن دنیا کی دوسری زبانیں بھی اس پر موجود ہیں ان میں ایک زبان اردو بھی ہے۔ ابتدائی دور میں شوشل میڈیا پر اردو کا استعمال بہت مشکل تھا۔ رفتہ رفتہ اردو کے ماہرین نے اس پر دسترس حاصل کر لی اور اردو زبان میں سرچ کی سہولت عطا کی۔ جس سے فیس بک، واٹس ایپ، ٹویٹر پر بھی اردو کے استعمال کو سہل کر دیا ہے۔ اردو زبان سیکھنے کے لیے انٹرنیٹ پر کئی سائٹ اور ایپ جس میں اردو زبان و ادب کو سائبر میں اپنی موجودگی درج کرانے میں فخر ہو رہا ہے۔ شوشل میڈیا یا اردو زبان کی ترقی و ترویج می جن ماہرین نے اپنی خدمات دی ہیں ان میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین کا نام سرفہرست ہے۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ہندوستانی زبانوں کا مرکز جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ اردو زبان کو نئی سمت عطا کرنے اور اردو کے لیے نئے امکانات کے دروازے وا کرنے میں انھوں نے

بھی پتہ چلتا ہے کہ کیسے انھوں نے تاریخ اسلام بالخصوص اسلامی شخصیات کا مطالعہ کیا ہے۔انھوں نے سفر نامہ کے لیے آسان اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے، اپنی اسی روش کو برقرار رکھا ہے جو ان کی دیگر تصنیفات میں عیاں ہے۔ بوجھل اور گنجلک عبارتوں اور مبہم چیزوں کے بیان سے گریز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بہر حال ''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' ہر اعتبار سے ایک اچھا سفر نامہ ہے جس کی ادبی حلقہ میں ستائش کی جانی چاہئے۔

○○○

کہتا نہ وہ میری بات سمجھتے اور نہ میں ان کی باتیں سمجھتا مگر محبت کی زبان ایسی ہوتی ہے کہ سب کچھ سمجھ میں آجاتا۔ ہاں ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ جب ان کو معلوم ہوتا کہ میں مسلمان ہوں تو حیرت کرتے۔ مجھ سے پوچھتے آپ مسلمان ہیں؟ کئی بار تو دعا کے لیے مجھ سے کہا گیا تو میں نے دانستہ زور زور سے قرآنی آیات اور درود شریف پڑھا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن ہر شخص میرے مسلمان ہونے پر حیرت کرتا جیسے ہندستان میں مسلمان ہوتے ہی نہیں ہیں۔ یہ بات صرف بخارا میں نہیں ہوئی بلکہ تاشقند میں بھی لوگ میرے مسلمان ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چند روز: خواجہ اکرام الدین، ص:۵۶

پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب نے اپنے سفر نامے میں ازبکستان بالخصوص بخارا میں اور جہاں جہاں ان کا جانا ہوا ہے۔ وہاں پر انھوں نے اردو کے تعلق سے بھی لوگوں کے رجحانات کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ انھوں نے ایک تقریب میں ''اردو شاعری'' کی رسم اجرا کے حوالہ سے بھی گفتگو کی ہے۔ ایک اور تقریب کے حوالہ سے انھوں نے بتایا۔ جس میں وہاں کی طالبہ نے ہندوستانی رقص پیش کیا۔ انھوں نے ازبکستان کے اردو ادیب تاش مرزا صاحب سے بھی ملاقات کی اور ان کی اردو ادب کی خدمات کے حوالہ سے بتایا ہے۔ تاش مرزا کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خواجہ اکرام الدین صاحب لکھتے ہیں:

''ازبکستان کے 'شہر امن' تاشقند میں اردو کے بنیاد گزاروں میں جناب تاش مرزا خالمرزائی کا نام بہت ہی اہم ہے وہ ساٹھ کی دہائی میں دو ساتھیوں کے ساتھ اردو زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی یونیورسٹی جانے والے پہلے طالب علم تھے جو اردو زبان سیکھنے کے لیے ہندوستان گئے۔ اس وقت خواجہ احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی کے صدر تھے۔ وہاں (یہاں) سے آنے (جانے) کے بعد ان کے بازوؤں میں جیسے شاہین کے پر لگ گئے اور بتدریج اردو زبان و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اردو زبان کے لیے ان کی خدمات بہت ہیں یہ اور بات ہے کہ برصغیر میں کہیں بھی ان کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا یہ ہم اردو والوں پر ایک قرض ہے۔ تاش مرزا صاحب کی طرح اور بھی کئی شخصیات ہیں جن کی بدولت ازبکستان میں اردو والوں کی آج بڑی تعداد موجود ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد ان پر تفصیلی مضمون لکھوں گا تاکہ اہل اردو ان کی خدمات سے متعارف ہو سکیں۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے ملک میں چند روز: خواجہ اکرام الدین، ص:۶۵۔۶۶

پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب کا یہ سفر نامہ ''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' کئی معنوں میں اہم ہے۔ انھوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اس سفر نامہ میں وہ ان تمام پہلوؤں کو بروئے کار لائیں جو ایک کامیاب اور بہترین سفر نامے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ سفر نامہ کے مطالعہ سے خواجہ صاحب کے عمیق مطالعہ، تدریسی تجربہ، مشاہدات کا

پیش لفظ، امام بخاری کے ملک میں چندروز: خواجہ اکرام الدین ص: ۴۴

آپ نے بخارا میں جہاں بھی موقع ملا ہر اس محفل میں انھوں شرکت کی جہاں انھیں وہاں کی ثقافت اور رسم و رواج کو دیکھنے کا موقع ملے۔ ایسے ہی ایک رسم جسے ازبکستان میں ''مردانہ پلاؤ'' کے نام سے جانا جاتا ہے اس طرح کی رسم میں مرد حضرات دلہن والوں کے گھر مردانہ پلاو جس میں گوشت کے علاوہ ایک خاص پرندے کے چھوٹے چھوٹے انڈے بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ اس رسم میں صرف مرد حضرات ہی شرکت کرتے ہیں۔ عورتوں کا خوشی کے موقع پر رقص بھی ازبکستان کی شادی میں لازم ہے۔ ان رسموں میں سب سے منفرد بات جو سامنے آئی ہے یہ ساری دلہن دلہے کی رسموں سے ایک ہفتے قبل ہی نکاح ہوجاتا ہے۔ رخصتی ان رسموں کے بعد ہوتی ہے۔

بخارا میں مخصوص مقامات دیکھنے کے دوران خواجہ اکرام الدین نے بخارا حکومت کی جانب سے عوام کے لیے ایک اہم ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے قدیم بخارا کا قابل تعریف نقشہ کھینچا ہے:

> ''مخصوص مقامات کو ہی دیکھ سکے۔ لبعی حوض کے پاس ہم نے کار چھوڑ دی۔ سب سے پہلے ہم بخارا کے قدیمی علاقے کو دیکھنے گئے۔ دراصل یہ پرانے گھر ہیں حکومت کی جانب سے یہاں مقیم لوگوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ان گھروں کو توڑ کر نئے طرز کے مکانات تعمیر نہ کریں اس کے عوض انھیں حکومت کی جانب سے کئی طرح کی رعایتیں ملتی ہیں اسی لیے یہ تمام گھر بہت ہی پرانے ہیں اور سب کے سب مٹی سے بنے ہیں۔ دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی گاؤں میں آ گئے ہوں، گلیاں ویسے ہی شکستہ اور اندر کے راستے بالکل ویسے ہی محفوظ رکھے گئے ہیں۔ حکومت کی یہ قابل ستائش قدم ہے اس سے قدیم بخارا کی اصل تصویر دیکھنے کو ملتی ہے کہ اس زمانے میں بھی کیسے کیسے مکانات تعمیر ہوتے تھے۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین، ص: ۵۱

بخارا کی ایک شادی کی تقریب میں شریک ہونا آپ کا حسین اتفاق ثابت ہوا آپ نے وہاں کی اہم اہم باتوں کو تحریر کیا ہے جس سے بخارا کی تہذیب وتمدن اور معاشرتی زندگی کا پتہ چلا ہے۔ ان رسموں سے ہمیں پتہ چلتا یہاں کے لوگ سادگی پسند ہیں بے جا خرچ نہیں کرتے ہیں۔ جہیز کے نام پر بخارا میں کوئی مانگ نہیں کی جاتی ہے۔ اور بارات میں پندرہ سے بیس لوگ ہی شامل ہوتے ہیں اور دلہے کے استقبال کے لیے چند خواتین رقص کرتی ہیں۔ دلہے کے دلہن کے گھر میں داخل ہونے پر بھی چند چھوٹی چھوٹی رسمیں کی گئی۔ کچھ خواتین نے سلام و نعت وغیرہ بھی پڑھا۔ دو گھنٹے میں پروگرام ختم ہوجاتا ہے اور دلہن کی رخصتی دوسرے دن صبح ہوتی ہے۔ خواجہ اکرام الدین نے ایک جگہ ایک مزاحیہ واقعہ کا ذکر کیا ہے:

> ''میں چونکہ ایک غیر ملکی تھا اور ہندوستان کی ایک بڑی یونیورسٹی میں پروفیسر تھا، یہ بات سب جانتے تھے اس لیے لوگوں نے میرا بڑا احترام کیا، بہت محبت سے پیش آئے اکثر معمر حضرات قریب آکر بیٹھتے اور زبان حال سے میرا استقبال کرتے، کچھ کہتے اور میں بھی کچھ

مقامات کی سیر پر نکل پڑے آپ کے ساتھ تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے دو شاگرد شاہجہاں اور سعد اللہ زادہ، سمندر رسلا مو بھی موجود تھے۔'' آپ مشہور تاریخی عمارت ''خست امام'' کی زیارت کے لیے میٹرو کا سفر کیا اور میٹرو سے اتر کر آپ جیسے ہی بازار میں داخل ہوئے تیز بارش شروع ہوگئی جس کو وجہ سے آپ کو ستر ہزار کی چھتری خریدنا پڑی یہ دراصل انڈیا کے ساڑھے پانچ سو روپے تھے۔ خیر آپ خست امام کی مزار پر پہنچتے ہیں اور اطراف کی منظر نگاری خوبصورت انداز میں کی ہے۔ یہاں پروفیسر صاحب نے اس عمارت کی خوبصورتی، قرآن میوزم اور قرآن میوزم سے جڑے تاریخی واقعات پر حیرت انگیز واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ ایک سفر نامہ نگار کی سب سے اہم خوبی اسکا بیک وقت محقق ہونا بھی ہے اور خواجہ صاحب نے جس محنت سے اس کے تاریخی واقعات لکھا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ بہترین محقق ہیں۔ آپ ہمیں مشہور تاریخی واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے واقعہ کی یاد دہانی کراتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہی وہ قرآن مجید ہے جس پر آپ کے خون مبارک کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ اس میوزم میں اور بھی زبانوں میں قرآن مجید کے نسخے موجود ہیں اور بے شمار احادیث کے نسخے بھی۔ آپ نے کافی وقت اس میوزم میں گزارہ اور ہر مناظر کو خوب اچھی طرح سے دکھایا بالکل اس طرح کے اگر قاری کا مستقبل میں میوزم دیکھنے کا اتفاق ہو تو وہ کہہ اٹھے یہ وہی جگہ ہے جس کے بارے میں خواجہ اکرام الدین نے اپنے سفر میں ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد آپ آرٹ گیلری کی طرف متوجہ ہوئے جہاں سیاحوں کے لیے ازبکستان کی قومی دستکاری کی چیزیں برائے فروخت تھی۔

آپ نے ازبکستان کی شادی میں شریک ہو کر تمام رسموں کا بغور مشاہدہ کیا ہے اور بہت دلچسپ انداز میں تحریر کیا ہے۔ آپ کا یہ سفر ۲ مئی شروع ہوا اور آپ کے قیام کا انتظام طالب علم رمز الدین کے گھر میں رہا۔ رمز الدین کے خاندان نے آپ کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ شادی کی ان رسموں کو آپ نے ''دل کو چھو جانے والی چند رسمیں'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ جس میں سے چند کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

> ''ہمارے بیٹھتے ہی دستر خوان سجا دیا گیا انواع واقسام کے میوے، چاکلیٹ، شیرینی اور راز کی روٹیاں اور گرین چائے سے ضیافت ہوئی۔ لیکن جو بات مجھے بالکل نئی اور بہت اچھی لگی وہ یہ تھی کہ میرے بیٹھتے ہی دعا کرنے کو کہا گیا میں سمجھا نہیں لوگوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دئے سو میں نے کچھ دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد جو بھی ملنے آتے سلام اور مصافحہ کے بعد میرے قریب بیٹھ جاتے اور دعا کے لیے کہا جاتا۔ میرے ہمراہ شاہ رخ نے بتایا کہ سر یہ ہمارا دستور کے ہے کہ گھر میں جب بھی کوئی آتا ہے تو سب مل کر خیر کی دعا کرتے ہیں اور آنے والا اگر بڑا ہے تو ان سے دعا کے لیے کہا جاتا ہے یا جو محفل میں سب سے اہم ہوتے ہیں ان سے دعا کے لیے کہا جاتا ہے۔ واہ واہ یہ رسم دیکھ کر دل بہت خوش ہوا میں نے کسی اسلامی ملک میں بھی ایسی رسم نہیں دیکھی ہے۔ اللہ سلامت رکھے اس ملک کو اور اس ملک کے باشندوں کو۔''

گزارا۔حضرت دانیال علیہ السلام کے مبارک کے پائین کے بارمیں ذکر کیا ہے کہ:

''حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار مبارک کے پائین میں واقع یہ وہ چشمہ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پانی میں شفا ہے اس لیے یہاں ہر وقت ہجوم رہتا ہے اور بلاامتیاز مذہب وملت لوگ اس پانی کو پیتے پیتے اور بوتلوں میں بھر کر بھی لے جاتے ہیں۔مزار مبارک پہاڑی کی بلندی پر ہے اور یہ چشمہ اسی کے نیچے کچھ دوری پر جاری ہے۔''

امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین۔ص۔۴۲

قدیم بخارا میں ہی آپ نے مشہور مزار ''حضرت پابند شاہ کشا'' کی بھی زیارت کی اور ساتھ اس مسجد کو بھی دیکھا جہاں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ درس احادیث دیا کرتے تھے۔اس مسجد میں ۶۰ ہزار کے قریب نمازی نماز ادا سکتے ہیں۔اس مسجد کے میناروں جس حکمت کے تحت بنایا گیا ہے اس پر آپ نے روشنی ڈالی ہے کہ:

''مسجد کلاں کے باہر بلند وبالا مینار ہے جس میں 148 سیڑھیاں ہیں۔گائیڈ نے بتایا کہ مینار کی تعمیر کے 2 اسباب تھے پہلا سبب اس مینار سے موذن پانچ وقت اذان دیتا تھا جبکہ دوسرا سبب یہ مینار شہر کی حفاظت کے لئے اہمیت کا حامل تھا نگران ٹیمیں اس مینار پر ہمہ وقت موجود رہتی تھی جو کسی ناگہانی صورت میں نقاروں کے ذریعے باقی لوگوں کو خبردار کرتے۔مینار رات کو قافلوں کی رہنمائی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا۔رات کے وقت مینار کی چوٹی پر مشعلیں روشن کردی جاتی تھی جس کی روشنی دور سے دکھائی دیتی اور قافلے اس کی روشنی میں اپنی منزل کا اندازہ کرتے تھے۔مسجد کلاں (بڑی مسجد) سے کچھ فاصلے پر امیر تیمور کے پوتے مرزا الغ بیگ کا تعمیر کردہ مدرسہ بھی اپنی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہے جس کی بناوٹ دیکھ کر اس وقت کے معماروں کی کمال مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔''

پیش لفظ،امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین،ص:۵۳۔۵۴

تاریخ کے اوراق میں بخارا کو کئی معنوں میں اہم وفضیلت حاصل ہے۔بخارا کی تہذیب وثقافت نے بھی ہمیشہ پوری دنیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی ہے۔ماضی کی یادگاروں کو سیکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی سنجوگ کر رکھا گیا ہے۔جس کی وجہ سے لوگ ازبکستان اور بخارا شہر کی طرف شوق سے رخ کرتے ہیں۔آثار قدیمہ کے تحفظ کے حوالہ سے پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب لکھتے ہیں:

''آج بھی بخارا شہر میں قدیم سرائے اور بازار موجود ہیں جو صدیوں کی تہذیبی گہما گہمی کی یاددلاتی ہیں،ان تمام سرایوں کو آج بھی اسی طرح محفوظ رکھا گیا البتہ ان میں جدید دور کی دکانیں ہیں جن میں زیادہ تر قومی صنعت وحرفت کی نمائش گاہ ہیں۔''

پیش لفظ،امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین،ص:۵

تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز سے نکل کر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین صاحب نے تاریخی

زنگی اوتا کی زیارت کے لیے آپ نے مقام تاشقند سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کا سفر کیا دین کی تبلیغ کے لیے یہ بابا بہت مشہور تھے اور آج بھی عقیدت مند زیارت کے لیے ہجوم در ہجوم آتے ہیں۔ انکے مقبرے کو ۱۸۷۰ میں دوبارہ بڑی آرائش کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔ اس مقبرے کی منظر کشی اور زیارت کو آپ نے دلفریب انداز میں ذکر کیا ہے:

''ازبکستان میں کسی بزرگ کے آستانے پر میری یہ پہلی حاضری تھی، کئی چیزیں جو مجھے بہت اچھی لگیں وہ یہ تھیں کہ مزار جس گنبد کے نیچے واقع ہے اسی سے متصل دو کمرے بنے ہوئے ہیں جس میں فرش پر خوبصورت صاف ستھرے قالین بچھے ہوئے تھے اور دیوار سے متصل چاروں جانب بینچ لگے تھے۔ مرد و عورت زائرین اس کمرے میں داخل ہوتے اور جس کو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اس کے بعد شاید حکومت کی جانب سے مقرر خادم درود شریف پڑھتے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اجتماعی طور پر فاتحہ میں سب شریک ہوتے، فاتحہ کے بعد نذر و نیاز کے لیے مخصوص ڈبے میں حسب اوقات روپے پیسے ڈالتے اور اکثر خواتین گھروں سے کھانے کی اشیا لے کر آتیں جو زائرین اور خدام کو پیش کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد سلام کر کے آہستگی اور ادب سے واپس آجاتے اس کے بعد باہر منتظر لوگ دوبارہ باری باری سے ان کمروں میں داخل ہوتے۔ فاتحہ خوانی کا یہ انداز بہت اچھا لگا۔ یہاں زیارت کرنے والوں میں زیادہ تر خواتین ہوتیں۔ اس کے بعد جہاں بھی مزارات کی زیارت کے لیے گیا ہر جگہ یہی نظام پایا۔''

امام بخاری کے شہر میں چند روز: خواجہ اکرام الدین۔ ص۔ ۲۳

''مینار جامع مسجد''، جس کا افتتاح اکتوبر 1914 کو ہوا۔ اس مسجد کی طرز تعمیر اور ماحول کو خواجہ اکرام الدین صاحب نے خوب سراہا ہے۔ آپ نے مختصر کے قیام میں بھی زیادہ سے زیادہ تاریخی عمارتیں اور مزارات کی زیارت کی۔ بہر حال یہ کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا کہ خواجہ اکرام الدین کا یہ سفر نامہ ادبی اور ادبیت سے زیادہ مذہبی رنگ میں سرشار ہے۔ گرچہ اس سفر نامہ میں بزرگوں کے مزارات اور مقامات مقدسہ کے ذکر علاوہ بھی اس میں وہاں کی تہذیب و ثقافت اور رسوم و رواج کا ذکر ہے لیکن اس میں وہ بات نہیں جو برگزیدہ شخصیات کے حوالہ سے انھوں نے دلچسپی دکھائی ہے۔ میدان استقلال کی سیر ہو یا میموریل اسکوائر، ان مقامات کی بھی آپ نے تاریخی لحاظ سے منظر کشی کی ہے۔ تاشقند کی سیر میں چونکہ آپ کے ساتھ طالب علم بھی ساتھ رہے تھے۔ اس موقع پر اردو ہندی مشق کے لیے خواجہ اکرام الدین نے ایک انوکھی ترکیب نکالی کی دوران سیر و تفریح تمام طلبہ اردو یا ہندی میں بات کریں گے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بے جھجک طلبہ نے ہندی اردو میں بات چیت کی۔ رقبہ کے لحاظ سے اس چھوٹے سے تاشقند شہر میں بے شمار تاریخی عمارتیں تھیں جس میں سے چند ہی مقامات کی ڈاکٹر پروفیسر اکرام الدین نے سیر کی۔ لیکن جن جن مقامات کی بھی سیر کی اس کے بارے میں بہت ہی اہم معلومات سے قارئین کو آگاہ کیا۔ انھوں نے 'امام بخاری کمپلکس'، 'مسجد خضر'، ریگستان اسکوائر، 'امیر تیمور کا مقبرہ' اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار پر، ان مقامات پر بھی آپ نے یادگار وقت

''ازبکستان میں تدریس کا ایک ایسا انوکھا نظام بھی ہے جسے دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی۔ یہاں اساتذہ سبکدوش نہیں ہوتے۔ سبکدوشی کے بعد بھی یہ جب تک چاہیں تدریس سے وابستہ رہ سکتے ہیں۔ فی الوقت محترمہ تمارا صاحبہ ہیں جو تقریباً اسّی سال کی نفیس خاتون ہیں وہ اب بھی بڑی سنجیدگی سے درس و تدریس سے وابستہ ہیں، عمر کے اس حصے میں بھی جس طرح ان کو چاق و چوبند دیکھا وہ قابل رشک ہے۔ اسی طرح محترمہ موجودہ صادقوا بھی سبکدوشی کے بعد بھی وقت کی پابندی کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ آتی ہیں اور کلاسیں لیتی ہیں۔ دوسری قابل ستائش بات یہ ہے کہ تمام اساتذہ بڑے خلوص اور دوستانہ ماحول میں ایک ساتھ رہتے ہیں، کسی کے چہرے پر کسی کے لیے کوئی شکن نہیں دیکھا، سب ایک دوست کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ساتھ مل کر انسٹی ٹیوٹ کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ طلبہ وطالبات کی بھی بڑی تعداد ہے۔ یہ تمام اساتذہ طالب علموں کے ساتھ شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اپنے بچوں اور دوستوں جیسا بے تکلفانہ سلوک کو دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی درسگاہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے اور ہند۔ ازبکستان دوستی مزید مضبوط ہو۔''

امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین۔ص۔ ۱۴

بخارا کو امام بخاری کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہونے کے علاوہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ،بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی یادگاریں موجود ہیں۔ اسی مناسبت سے اس شہر کو مزارات کا شہر اور روحانی شہر اور سات خواجگان کے شہر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب نے ''امام بخاری کے ملک میں چندروز'' مدارس و مکاتب، خانقاہوں اور بزرگان عالی مرتبت صحابہ کرام کے مزارات مقدسہ کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کو اسلامی تعلیم تعلیمات اور بزرگان دین سے کتنی نسبت اور لگاؤ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہاں (بخارا) اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے کافی کام ہوئے ہیں۔ آج بھی یہاں کی مساجد اور مقبرے قدیم زمانے کی یاد دلاتے ہیں اور دنیا بھر سے سیاح اس شہر کو دیکھنے آتے ہیں۔ بعض سیاحوں نے سمرقند اور بخارا کو 'مزارات' کا شہر ہے، ان کا یہ خیال بھی اس لیے درست ہے کہ اس سرزمین میں عالمی شہرت یافتہ بزرگان دین اور صحابہ کرام کے مزارات موجود ہیں اسی لیے اس سرزمین کو روحانی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چندروز: خواجہ اکرام الدین، ص: ۵

اکرام صاحب کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مقامات کی سیر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لیے انھیں جب جب بھی موقع میسر ہوتا ہے وہ کسی مقامی شخص کے ہمراہ تاریخی عمارتوں، مقبروں کی زیارت کے لے نکل جاتے۔

کسی بھی اجنبی مقام پر شناسائی نہ ہونے کی وجہ سے ایک الجھن میں مبتلا رہتے ہیں اور بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہاں پر خواجہ صاحب کو کسی دشواری یا مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس ادارے کے اساتذہ سے آپ کے پہلے سے تعلقات تھے جس کی وجہ سے آپ کو بالکل بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے تعلیمی ماحول سے نظم وضبط سے خواجہ صاحب کافی متاثر ہوئے اور اپنی پہلی کلاس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ:

> ''دو تین اہم باتیں جس کو میں نے ستائش کی نظروں سے دیکھا وہ یہ کہ کلاسیں صبح کے ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوتی تھیں اس لیے اساتذہ اور طالب علم سب وقت سے پہلے کلاس میں موجود ہوتے۔ مین گیٹ پر ہر روز کچھ آفیسران موجود ہوتے جو یہ دیکھتے کہ طلبہ وطالبات صحیح لباس میں آرہے ہیں یا نہیں۔ کلاس شروع ہوتے ہی ہر کلاس روم میں یہ آفیسران رجسٹر لے کر پہنچتے، مجھے معلوم نہیں ہوا کہ کونسا رجسٹر ہے لیکن اتنا اندازہ ہوا کہ ٹائم ٹیبل میں جو کلاس درج ہے وہ ہو رہی ہے یا نہیں؟ استاد موجود ہیں یا نہیں اور طالب علموں کی اتنی تعداد موجود ہے یا نہیں؟ یہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ تعلیم کے معاملے میں انسٹی ٹیوٹ کا نظام سخت ہے۔ ایک طالب علم نے مجھے بتایا کہ اگر ورکنگ ڈے میں ہم طالب علم شہر یا شہر کے باہر جانا چاہیں تو ممکن نہیں کیونکہ پولیس دریافت کر لیتی ہے کہ پڑھائی چھوڑ کر کہاں سیر وتفریح ہو رہی ہے۔ یہ بات بہت اچھی لگی اور اندازہ ہوا کہ اس ملک میں تعلیم کا گراف کیوں اتنا اوپر ہے تینوں جماعت کی کلاسوں میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ پائی اور لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیاں تعلیم میں زیادہ سنجیدہ نظر آئیں۔ میں اپنے علمی اسفار میں اس سفر کو بھی بہ نظر تحسین دیکھتا ہوں کہ تاشقند جیسے عالمی شہرت یافتہ شہر میں اردو کی شمع روشن کرنے والے موجود ہیں، ان سب سے ملاقات میرے لیے ایک نعمت سے کم نہیں البتہ انسٹی ٹیوٹ کے ریکٹر صاحب سے ان کی مصروفیات کے سبب ملاقات نہیں ہو سکی جس کا قلق ہے لیکن اس کمی کو نائب ریکٹر جناب نادر عبداللہ صاحب نے پوری کی، ان سے خوشگوار ملاقات رہی۔''
>
> پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چند روز: خواجہ اکرام الدین، ص: ۱۰۔۱۱

تاشقند مشرقی وسطی میں اردو۔ ہندی کا عظیم مرکز: تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کا جائزہ لیتے ہوئے خواجہ صاحب نے اس عظیم مرکز کی ادبی خدمات کو خوب سراہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس ادارے میں اردو ہندی کی تعلیم کا سلسلہ ۱۹۴۷ سے اب تک جاری ہے۔ ساتھ ہی خواجہ صاحب نے ہندوستان اور ازبکستان کے باہمی رشتے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کو پہلے ''ترکستان انسٹی ٹیوٹ آف اینٹل اسٹڈیز'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اردو ہندی خدمات کو انجام دینے میں اس ادارے کو ایشا اور یورپ کے ممالک میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ادارے کے اساتذہ کی تعریف کرتے ہوئے چند اہم خوبیوں کو سفر نامہ نگار نے اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

عبدالرحمانوا، استاد تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز نے بہ حیثیت وزیٹنگ پروفیسر کے لیے بلایا ہے اور مجھے پندرہ دنوں تک قیام کا موقع ملا۔ اس سفر میں وہاں کی علمی و ادبی ماحول کو دیکھا۔ اردو ہندی اور فارسی کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات سے ملاقاتیں بھی ہوئیں اور وقت نکال کر تاشقند، سمرقند اور بخارا کو بھی دیکھا۔ چونکہ یہ ملک مجھے بہت پسند ہے اس لیے ایک ایک یادداشت کو قلمبند کرتا گیا اور سفرنامے کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چند روز: خواجہ اکرام الدین، ص: ۴

ازبکستان میں واقع بخارا شہر ازبکستان کا پانچواں سب سے بڑا شہر ہے جس کو پوری دنیا میں شہرت حاصل ہے۔ تاریخ میں بخارا کو ایرانی تہذیب وتمدن کا اہم ترین مرکز قرار دیا گیا ہے۔ بخارا کی طرز تعمیر اور آثار قدیمہ ایران کی قدیم روایت میں سے ایک ہے۔ بخارا میں پہلی بار اسلامی حکومت کا قیام دولت سامانیہ کی دارالحکومت کے طور پر 850ء میں ہوا۔ اسی دور میں یہ شہر اسلامی دنیا میں علم وادب کی خدمت کیلئے مرکز کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ امام بخاری سمیت یہاں دیگر بہت سے مشاہیر محدث، فقیہ اور دانشور ہوئے ہیں جن کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیلی اور انھوں نے ایک دنیا کو اپنے علم وفن سے روشن کیا۔ بخارا شہر کے بارے میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب لکھتے ہیں:

''ازبکستان کا ایک شہر جسے دنیا میں کافی شہرت حاصل ہے۔ یہ شہر اسلامی ملکوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس شہر کا نام ''بخارا'' ہے۔ یہ ازبکستان کا پانچواں بڑا شہر ہے۔ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔ بخارا قدیم تہذیب کا نمائندہ شہر ہے۔ بخارا کے ساتھ سمرقند کا بھی نام لیا جاتا ہے لیکن سمرقند کے مقابلے میں بخارا زیادہ مشہور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شہر پر کئی اقوام کی حکومتیں رہی ہیں اور اسلامی مملکت کے طور پر بھی بخارا دنیا میں سرفہرست ہے۔''

پیش لفظ، امام بخاری کے شہر میں چند روز: خواجہ اکرام الدین، ص: ۵

جیسے بخارا کی تہذیب وثقافت اور وہاں کی قدیم روایات دنیا بھر میں مشہور معروف ہے۔ تعلیم کے لحاظ سے ازبکستان کو نہ صرف ماضی میں اولیت حاصل رہی ہے بلکہ حال بھی سنہرا ہے۔ بطور مہمان پروفیسر تاشقند کی مشہور اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز میں خواجہ اکرام الدین کی شرکت کی اہم وجہ ڈاکٹر محیا عبدالرحمانو کی تجویز پر آپ کو لیکچر دینے کا موقع ملا۔ وہاں کی تفصیلات کو انھوں نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اردو ہندی کی مشترکہ کلاس میں طلبہ کے ذوق وشوق سے اردو سیکھنے کی للک کا بھی آپ قائل ہوئے۔ اس سے قبل ادارے میں آپ کے داخلہ پر اساتذہ اور طلبہ نے کس گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا اس سے بھی خواجہ صاحب کافی متاثر ہوئے۔ شعبہ کے صدر پروفیسر الفت اور تمام اساتذہ، شاگردوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان

معنویت اور اہمیت کے اعتبار سے اردو دنیا میں مقبول عام ہے۔''امام بخاری کے ملک میں چندروز'' پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا سفر نامہ ہے۔ان کا یہ سفر نامہ کئی اعتبار سے اردو ادب میں اہمیت کا حامل ہے۔

سفر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی باہر جانا، مسافرت، سیاحت، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا، ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرنا، روانگی کے ہوتے ہیں۔اردو زبان میں سفرنگاری کی روایت کا آغاز ہوئے ابھی دوسو سال کا عرصہ بھی مکمل نہیں ہوا۔سفر نامہ کے صنف میں اردو سفر نامہ کی حیثیت سے یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ ''تاریخ یوسفی معروف بہ عجائبات فرنگ'' اولیت کے مقام پر فائز ہے۔سر سید احمد خاں نے ''مسافران لندن'' لکھ کر اردو اور سفر نامہ نگاری کے دامن میں بطور خاص اہم اضافہ کیا۔علامہ شبلی نعمانی کا سفر نامہ ''سفر نامہ روم و مصر و شام'' کو اہم سفر ناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔محمد حسین آزاد کا ''نگارستان فارس'' قاضی عبد الغفار خان کا ''نقش فرنگ'' مولانا حسرت موہانی کا ''سفر نامہ عراق'' ابن انشا کا سفر نامہ ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' اور ''نگری نگری پھرا مسافر''، مجتبیٰ حسین کا سفر نامہ ''جاپان چلو جاپان'' کو اردو ادب میں خاص مقام حاصل ہیں۔سفر نامہ نہ صرف ملکی جغرافیائی حالت کی خبر، اور کسی بھی مخصوص علاقہ کی رہن سہن اور وہاں کی تہذیب وثقافت سے آگاہ کرتا ہے بلکہ ذہنی وقلبی فرحت وانبساط بھی فراہم کرتا ہے۔خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

> ''سفر نامہ ایک قدیم بیانیہ صنف ادب ہے جو انسان کی متلون مزاجی کی بدولت ظہور میں آئی۔
> سفر نامہ نگار دوران سفر یا سفر سے واپسی پر اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات اور تاثرات و احساسات کو ترتیب دے کر جو تحریر رقم کرتا ہے وہ سفر نامہ ہے، سفر نامے کا تمام تر مواد مسافر کے گرد و پیش میں بکھرے ہوئے مناظر و واقعات سے اخذ کیا جاتا ہے لیکن ایک مسافر کی آنکھ بے جان کیمرے کی آنکھ نہیں جو صرف تصویر کشی کرنے کے بعد بری الذمہ ہو جاتی ہے،
> سفر نامہ نگار ایک انسان ہوتا ہے اس کے پہلو میں مضطرب دل اور رگوں میں گرم خون گردش کرتا ہے وہ اپنے دل و دماغ اور جذبات و احساسات کی آنکھ سے اشیاء کو دیکھتا اور پرکھتا ہے اور پھر اپنی رائے قائم کر کے اس کو بیان کرتا ہے۔''
>
> اردو سفر نامہ کا تنقیدی مطالعہ، خالد محمود، ص:۲۲

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا سفر نامہ ''امام بخاری کے ملک میں چندروز'' جون ۲۰۱۹ میں منظر عام پر آیا۔آپ کا یہ سفر نامہ انتہائی مختصر یعنی صرف ٦٦ صفحات پر محیط ہے۔اس مختصر سے سفر نامے کے متن پر نظر ڈالیں تو اس سفر نامے میں خواجہ اکرام الدین صاحب نے مختلف موضوعات بشمول سیر و سیاحت، تعلیمی سرگرمیوں، مقدس مقامات کی زیارت کو رنگین تصاویر کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔اس سے قبل انھوں نے مختلف ممالک کے سفر ناموں کو مشاہدات کے نام سے شائع کرایا تھا۔اس سفر نامے کے پیش لفظ میں ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین اس سفر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ازبکستان دیکھنے کا شوق بہت زمانے سے تھا لیکن اسے اتفاق کہیے کہ ڈاکٹر محیا

ثنا راعین
ریسرچ اسکالر
آرٹی ایم، ناگپور یونیورسٹی، ناگپور

سفرنامہ'امام بخاری کے ملک میں چند روز':ایک جائزہ

سیکڑوں عظیم شخصیات ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے متاخرین کے اندر تحریک پیدا کی۔ ماضی کی بازیافت سے نہ صرف حال کو منور کیا بلکہ بعد والوں کو بھی بہرہ مند کیا۔ البیرونی، مارکو پولو، فاہیان، ناصر خسرو، شیخ سعدی، ابن ہیکل بغدادی اور ابن بطوطہ جیسی مایہ ناز ہستیوں نے انسان کو اپنی فکر، تجربات، مشاہدات سے نہ صرف متحیر کیا بلکہ انسان کو تجسس کی دولت سے مالا مال بھی کیا اور انسانوں میں مزید تحریک پیدا کرنے باعث بنیں۔ روز ازل سے ہی انسانی تاریخ کی یہ روایت رہی ہے کہ کامیاب ترین ہستیاں اپنے عہد میں جو بھی اچھی یا بری چیز دیکھتی ہیں اس کو امانت کے طور اپنے عہد اور بعد والوں کے لئے کسی نا کسی صورت میں محفوظ کر دیتی ہیں تا کہ بعد کے لوگ اس سے عبرت، سبق، مسرت، شادمانی حاصل کر سکیں۔

سفیر اردو پروفیسر خواجہ اکرام الدین بھی انھیں اشخاص میں سے ایک ہیں جو اپنی علمی استعداد اور جادوئی شخصیت سے نہ صرف حال بلکہ آئندہ کئی نسلوں کو منور کرتے رہیں گے۔ پروفیسر خواجہ اکرام الدین کی ذات وصفات سے بھلا فی الوقت کون شخص نا آشنا ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اردو کا علم نہ صرف برصغیر میں بلند کیا بلکہ دیگر کئی غیر اردو ممالک میں بھی اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ عصر حاضر میں اردو زبان کو لے کر کچھ نا کچھ تنازعات مسلسل سامنے آتے رہے ہیں۔ جہاں اردو زبان کو لے کر بہت ہی نا امیدی کی باتیں کی جاتی ہے وہیں کچھ ایسے دانشور بھی ہیں جو اردو زبان کی بقا کے لیے منفی باتوں اور لا حاصل مباحثوں سے دور رہ کر فروغ اردو کے لیے ہمہ تن مصروف عمل رہتے ہیں موصوف ایسی ہی ایک شخصیت کے ملاک ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب کی گراں قدر ادبی خدمات کے لیے ملک و بیرون ملک کی اہم تنظیموں سے متعدد اعزازات مل چکے ہیں۔ آپ نے متعدد موضوعات پر درجنوں کتابوں کی تصنیف و تالیف کی ہیں۔ آپ نے اردو زبان کو ٹیکنالوجی سے جوڑنے کا بھی اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ عالمی طور پر اردو لرننگ آن لائن کورس اور متعدد اردو ویب سائٹ کی سربراہی بھی کی اور بعض اردو سافٹ ویئر کے لیے رہنمائی بھی کی جو اردو کے فروغ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اردو زبان میں تین درجن کے قریب مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تمام کتابیں اپنی

چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، آہنگ اور ترنم اس کا لازمی جزو ہے۔

فاضل مصنف نے اردو کی شعری اصناف میں ان اصناف کا احاطہ بھی کیا ہے جو قدیم زمانے سے ہندی و سنسکرت اور انگریزی زبانوں میں رائج رہی ہیں۔آپ نے ان اصناف کی تعریف، ہیئت کے ساتھ ساتھ ان کے آغاز وارتقا کو بھی بڑی کامیابی سے پیش کیا ہے۔ان اصناف میں گیت، دوہا اور سانیٹ قابل ذکر ہیں۔جن کے چند اقتباسات اس طرح ہیں:

گیت: گیت اردو شاعری کی ایک صنف ہے۔غزل اور رباعی کی طرح گیت کو بھی داخلی شاعری کے ذیل میں رکھا جاتا ہے۔گیت کا موسیقی سے بہت قریب کا رشتہ ہے اسی لئے اسے غنائی شاعری بھی کہا جاتا ہے۔اس میں نہ تو الفاظ کی بازیگری ہوتی ہے اور نہ مبالغے سے کام لیا جاتا ہے۔اس میں طوالت کے بجائے اختصار سے کام لیا جاتا ہے اور عوام کے جذبات کی بھرپور عکاسی کی جاتی ہے۔

دوہا: اردو میں دوہا کو عروضی صنف کہا گیا ہے جو ایک شعر کے برابر ہوتی ہے۔اس کے دونوں مصرعوں میں ۲۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔گویا اس کا وزن ''فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاعلن'' پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مصرعے معنوی اعتبار سے اپنے آپ میں مکمل ہوتے ہیں۔اس کا شعر غزل کے شعر کی طرح ہوتا ہے۔

سانیٹ: سانیٹ چودہ مصرعوں والی ایک نظم ہے جس میں ایک مخصوص بحر ہوتی ہے۔اس نظم میں بھی غنائیت بدرجہ اتم ہوتی ہے۔اس صنف نظم میں شاعر کسی ایک خیال اور جذبے کو اجاگر کرتا ہے۔موضوع کے اعتبار سے اس کی الگ پہچان نہیں۔اس صنف کی پہچان اس کی اندرونی اور ظاہری بناوٹ سے کی جاتی ہے۔

کتاب کے آخر میں شعری اصطلاحات کے عنوان سے ایک باب شامل کیا گیا ہے۔شعری اصطلاحات شعر وسخن کے حسن وجمال کو دوبالا کرنے میں معنون ثابت ہوتی ہیں۔ان اصطلاحات کے شعور وتفہیم کے بغیر ہم شعر وسخن سے لطف اندوز ہونے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔لہٰذا ان اصطلاحات کا علم ہونا کسی شاعر اور طالب علم کیلئے بیحد ضروری ہوتا ہے۔فاضل مصنف نے شاعری کی خاص خاص شعری اصطلاحات کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے جن سے اس کتاب کے اوراق کی اہمیت وافادیت بڑھ جاتی ہے۔ان مخصوص شعری اصطلاحات میں آفاقیت، آمد، آورد، ابتذال، ابہام، اتباع، تعلّی، توارد، جودت طبع، جولانی، دروں بینی، رعایت لفظی، رکاکت، زود گوئی، سوقیانہ پن، شورش، قطعیت، کرختگی، وغیرہم قابل قدر ہیں۔

جس طرح ان کی پچھلی کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لے کر بھرپور پذیرائی کی گئی تھی ویسی ہی زیر نظر کتاب کو بھی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے اس لیے قابلِ قدر ہے کہ اس سے قبل اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے۔

○○○

ہوئے اردو شاعری کی جن اصناف کو اس کتاب میں شامل کیا ہے ان کی اہمیت وافادیت کو بھی ظاہر کیا ہے۔

مرتب موصوف نے آخر میں شعری اصطلاحات اور ان کے مفاہیم کی تعریف وتفسیر کی اہمیت کو بتایا ہے۔

''اردو کی شعری اصناف'' خواجہ اکرام کی ایک معرکتہ الآراء تصنیف ہے۔ اس کتاب کو ادبی حلقوں نے خوب سراہا ہے، اساتذہ اور طلبہ وطالبات کے لئے نایاب ثابت ہوئی ہے۔ آپ نے اصناف سخن کی تعریف ہیئت اور آغاز وارتقاء کو بڑی حسن وخوبی سے ترتیب دیا ہے۔ مثلاً آپ غزل کی صنف میں رقمطراز ہیں:

> ''غزل دراصل رمزیت وایمائیت کا فن ہے اور غزل میں معنوی وسعت وتہہ داری علامتوں کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ غزل میں براہِ راست باتیں کرنے کا انداز کم ملے گا۔ یہاں باتیں پردے میں ہوتی ہیں اور یہ منزل فنکار کے لئے بڑی کٹھن منزل ہوتی ہے ذرا سی لغزش سے شعر میں ابہام بھی پیدا ہوسکتا ہے اور فنکاری سے شعر میں معنوی وسعت پیدا ہوسکتی ہے۔ غزل کی چند مخصوص علامتیں بھی ہیں۔ مثلاً ساقی، میخانہ اور اس کے لوازمات جیسے جنوں، زندان، زنجیر، بہار خزاں، گل وبلبل، آشیاں، صیاد، قفس، کارواں، جرس، منزل، دشت وچمن، مقتل، زلف ورخ، گیسو وابر، درجاناں، کوئے جاناں، سنگ آستاں، محفل وانجمن، شمع وپروانہ، گردشِ دوراں، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، کعبہ وبت خانہ، کفر وایمان، وعظ، شیخ وبرہمن، رندی وسرمستی، ہوش ومستی، ہجر ووصال، حشر وقیامت، آدم وحوا، یہ اور ایسی بہت سی علامتیں اپنے مخصوص معانی کے علاوہ سیاق وسباق کے اعتبار سے معانی ومفاہیم کے ہزاروں دروازے وا کرتی ہیں۔''

اسی طرح مرتب موصوف نے چند ایسی اصناف کو کتاب کا حصہ بنایا ہے جن سے متعلق معلومات اساتذہ اور طلبہ وطالبات کو بہ آسانی میسر نہیں ہوپاتی ہے مگر آپ نے ان اصناف کو بہت ہی باریک بینی اور عمیق مطالعے کے باعث کتاب میں شامل کر کے زیرِ نظر کتاب کو بے مثل بنادیا ہے۔ جس سے یہ کتاب درس گاہوں، کتب خانوں کی زینت بڑھا رہی ہے اور اساتذہ وطلبہ استفادہ کر رہے ہیں۔ ایسی ہی چند اصناف کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے جیسے نظم معریٰ، آزاد نظم، چار بیت، ماہیے، ہائیکو وغیرہم۔ ان اصناف کے چند اقتباس یہاں ملاحظہ فرمائیے:

نظم معریٰ: اس نظم کو نظم عاری اور نظم غیر مقفّٰی بھی کہا جاتا ہے۔ نظم کی اس ہیئت میں بھی بحر ووزن کا التزام کیا جاتا ہے۔ ارکان کی تعداد پابند نظموں کے موافق ہوتی ہے۔ اس میں صرف قافیے اور ردیف کا التزام نہیں کیا جاتا۔ نظم معریٰ کے شاعروں میں عبدالحلیم شررؔ، مخمور جالندھری، یوسف ظفر، ضیا جالندھری، تصدق حسین خالد وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

نظم آزاد: اس نظم میں مصرعے غیر مساوی ہوتے ہیں۔ اس نظم میں عروض کی سخت گیری نہیں ہوتی لیکن وزن وآہنگ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے Free verse کہا جاتا ہے۔ اس نظم کی بھی بنیاد اگرچہ روایتی عروض پر رکھی گئی ہے اور اس میں قافیے اور ردیف کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے لیکن پابند نظم کی طرح مصرعے کے ارکان میں برابری کی سخت گیری ہے۔ خیالات، افکار اور محسوسات کے اتار چڑھاؤ کی مناسبت سے اس کے مصرع

آپ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے صدر نشین بھی ہیں جو ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ ہے۔ اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف حصوں میں موجود اردو اساتذہ، ادیبوں، شعراء، فکشن نگاروں، صحافیوں، طلبہ وطالبات اور قلم کاروں سے رابطہ واشتراک، باہمی تعاون، نئی نسل کے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی، تبصرے اور ہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلو پیڈیا کی تشکیل ہے۔ اسی ادارے کی جانب سے سہ ماہی رسالہ ''ترجیحات'' بھی شائع ہوتا ہے جس کے مدیرِ اعلیٰ پروفیسر خواجہ محمد اکرام صاحب ہی ہیں۔ آپ کو علمی وادبی خدمات کے عوض کئی ملکی اور بین الاقوامی اعزازات وانعامات سے بھی نوازا گیا ہے جن میں جرمنی، ترکی، جاپان، ڈنمارک اور ہندوستان کے مختلف علمی وادبی اداروں کے اعزازات شامل ہیں۔ جیسے کتاب ''تعارف وتنقید'' پر دہلی اردو اکادمی ایوارڈ ۲۰۰۸ء، قاضی عبدالودود ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ ۲۰۱۶ء، نشان امتیاز، اردو سائنس کانگریس، علی گڑھ ۲۰۱۶ء، آوٹ اسٹینڈنگ اچیومنٹ ایوارڈ، ترکی ۲۰۱۶ء، سفیر اردو ایوارڈ، ڈنمارک ۲۰۱۶ء، اقبال ایوارڈ فرینک فرٹ، جرمنی ۲۰۱۶ء، صوفی جمیل اختر ایوارڈ کلکتہ ۲۰۱۲ء، فخر اردو ایوارڈ بہار ۲۰۱۴ء، وغیرہم۔

حال ہی میں خواجہ اکرام صاحب کو اردو اکادمی دہلی نے ان کی گراں قدر تحقیقی وتنقیدی خدمات کے اعتراف میں ۲۲-۲۰۲۱ء کا ایوارڈ برائے تحقیق وتنقید پیش کیا ہے۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام صاحب کی تقریباً ۲۳ کتب شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں سے بعض کتابیں ہندوستان اور بیرون ممالک یونیورسٹیوں میں شامل نصاب ہیں۔ زمانہ قدیم سے ہی اردو کی شعری اصناف سے متعلق متعدد کتب لکھی جاچکی ہیں مگر آپ نے اردو کی شعری اصناف پر جو کتاب تحریر کی ہے وہ اپنی انفرادیت کے باعث اردو ادب کے حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آپ کی کتاب ''اردو کی شعری اصناف'' نام سے پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں الائیڈ ٹریڈس، دریا گنج، دہلی سے شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۲۰۱۳ء میں اور تیسری مرتبہ ۲۰۱۸ء میں براؤن بک پبلی کیشنز نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

زیر نظر کتاب ''اردو کی شعری اصناف'' اس نقطۂ نظر سے قابلِ قدر ہے کہ اس میں روایتی شعری اصناف کے علاوہ ان شعری اصناف کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن سے متعلق معلومات مشکل سے حاصل ہو پاتی ہے۔ بعض ایسی اصناف ہیں جن کی تعریف، ہیئت اور آغاز وارتقا سے بعض لوگ آج تک محروم ہیں۔ کتاب میں شامل شعری اصناف کا ذکر کرنا لازمی ہے جن کی شمولیت سے زیر نظر کتاب کے صفحات روشن ومنور ہیں۔ کتاب میں شامل شعری اصناف اس طرح ہیں:

حمد، مناجات، نعت، منقبت، سلام، قصیدہ، غزل، مثنوی، مرثیہ، نظم (پابند نظم، نظمِ معریٰ، نظم آزاد، نثری نظم)، شہر آشوب، واسوخت، ریختی، رباعی، قطعہ، گیت، دوہا، بارہ ماسہ، چار بیت، ماہیے، ہائیکو، ترائیلے، سانیٹ، پیروڈی اور شعری اصطلاحات وغیرہم۔

مرتب موصوف نے اس کتاب کا انتخاب جن کے لئے معنون کیا ہے وہ ان کے استاد جناب پروفیسر نصیر احمد خاں ہیں۔ فاضل مرتب نے کتاب کے پیش لفظ کو ''پیش گفتار'' نام دیتے ہوئے اپنے قلمی جوہر دکھاتے

فہیم الدین ٹونکی
صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج جھالاواڑ، راجستھان

اردو کی شعری اصناف: ایک جائزہ

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب کی شخصیت قوس وقزح کی مانند ہے جس کے نہ جانے کتنے رنگ اردو ادب میں جگمگا رہے ہیں۔ ان کی شخصیت آج ایک ایسے نا قابلِ تسخیر ستون کی ہے جسے موسموں کے تغیرات زمانے کی ہلاکت خیزیاں طوفانوں کی یورش اور انسانی فطرت بھی ہلا نہیں سکی۔ آپ ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو بھارت کے صوبے جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ملک کے مختلف اداروں سے اردو میں بی۔اے، ایم۔اے، ایم فل کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ آپ نے اردو زبان وادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ علاوہ ازیں ماس میڈیا ایڈوانس ڈپلوما بھی حاصل کیا ہے۔ آپ کو اردو، انگریزی، ہندی، عربی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ انہیں جدید ٹکنالوجی میں خاص دلچسپی ہے اور اسی دلچسپی کی بناء پر انہوں نے اردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے کے لئے نمایاں اقدامات سرانجام دیے ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نئی دہلی میں واقع جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں اردو کے پروفیسر ہیں اور اردو زبان وادب کی خدمات کے حوالے سے آپ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اپنی ڈائریکٹر شپ کے دوران میں انہوں نے (NCPUL) قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ کے ذریعہ قابل قدر اضافہ کیا۔

انہیں کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجراء ہوا اور ''عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد پڑی۔ انہوں نے اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف سافٹ ویئر کا بھی اجرا کیا نیز ٹکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنے کی سمت میں متعدد اہم اقدامات بھی کئے۔ کونسل کی مدت کار کے بعد بھی خواجہ اکرام صاحب اردو کے نئے امکانات کی تلاش میں سرگرم رکن ہیں۔ مثلاً بین الاقوامی سطح پر اردو سیکھنے والوں کے لئے انہوں نے چند برس قبل آن لائن اردو لرننگ پروگرام شروع کیا جسے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

ہو چکا تھا۔ٹھیک سات بجے ہی شاہانہ انداز میں دولہا دلہن کی ہال میں آمد ہوتی ہے۔گیٹ پر ان دونوں کا شاندار استقبال کیا گیا اسی کے بعد جب یہ ہال میں داخل ہوئے تو ہر دو تین قدم پر رک کر دلہن حاضرین سے استقبال کے لیے کورنش بجالاتی اس طرح اسٹیج تک آنے میں انہیں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔اسٹیج پر آنے کے بعد بھی دلہن مستقل جھک جھک کر سلام پیش کرتی رہی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی گڑیا میں چابھی بھر دی گئی ہو۔اس لئے وہ مستقل ایک ہی انداز میں جھکی جارہی ہو۔''(۴)

خواجہ صاحب نے اردو زبان کی خدمت میں ہر ممکن کوشش کی ہے۔انہوں نے اردو کے لئے جدید ٹکنالوجی کو ضروری قرار دیا ہے۔ان کا ماننا ہے کہ اردو والوں کو جدید تکنیک میں بھی ماہر ہونا چاہئے تاکہ اردو کی خدمت میں کسی طرح کی کمی باقی نہ رہے۔اس سے انہوں نے اردو زبان کے لیے تکنیکی وسائل اور امکانات جیسی کتاب کو بھی تخلیق کیا ہے۔اسی کتاب میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی معلومات فراہم کیا ہے۔خواجہ اکرام الدین صاحب نے اپنی تصنیفات میں جو زبان استعمال کی ہے وہ نہایت سادہ اور دلکش ہے۔

کتابیات

۱۔ ماہنامہ تعلیمی سفر، جلد ر ۱۵

۲۔ رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ

۳۔ امام بخاری کے ملک میں چندروز

۴۔ اردو کی شعری اصناف

۵۔ اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات

○○○

دکھانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ قاری کے لئے وہاں کے منظر سے لطف اندوز ہونے میں کوئی رکاوٹ ہی باقی نہ رہے۔ اس سفرنامے میں خواجہ صاحب ۱۱ مئی سے ۲۴ مئی تک کے سفر کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ وہ جب بخارا پہنچتے ہیں تو بخارا کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں امام بخاری کی عظمت اور ان کے حدیث جمع کرنے کی قابلیت اور ان کی کتاب ''صحیح البخاری'' کی عظمت کو بتایا ہے امام ترمذی کی اعلیٰ قدری اور ان کی کتاب کے بارے میں بات کرتے ہوئے بخارہ کے مختلف شہروں کا تذکرہ اور وہاں کی خوبصورتی کا لطف اٹھانے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

بخارا کے شہر تاشقند کا جب مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کو وہاں کی سرد ہواؤں کے جھونکوں اور وہاں کی سوندھی خوشبو ان کو مسرور کردیتی ہے۔ موسم کی خوشگواری ان کو لکھنے پر مجبور کردیتی ہے۔ تاشقند کے انسٹی ٹیوٹ اور شعبے کے اساتذہ سے ملاقات اور طلبہ وطالبات سے ملاقات کی تصاویر پیش کرتے ہوئے ان کے مزاج کو بھی لکھا ہے۔ جب خواجہ صاحب تاشقند گھومنے گئے تو ان کو تجربہ ہوا کہ اجنبی ملک میں جس کی زبان نہ آتی ہو تو وہاں پہنچنے والا اندھا اور بہرا ہوتا ہے کیونکہ ان کی زبان کو سمجھ نہیں سکتا اور راستے معلوم نہیں کرسکتا۔ جب وہ تاشقند گھومنے گئے تو دو طالب علم ان کے ساتھ تھے۔ وہ ان کے کان اور آنکھ بنے۔ انہوں نے تاشقند کے دلفریب منظر اور خوبصورتی کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ وہ تاشقند کے بازاروں کا اور چھتری کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

خواجہ صاحب نے تاشقند کی مساجد اور عمارتوں کا تذکرہ سرخی کے ساتھ کیا ہے۔ خاص کر قرآن میوزیم کا جس میں تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی کے دست مبارک سے لکھا ہوا قرآن پاک موجود ہے جو کہ تین سوتر پن چمڑے کے اوراق پر مشتمل ہے۔ ان تمام نظاروں کو بھی تصاویر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ساتھ میں آرٹ گیلری کی خوبصورتی اور تصویر پیش کی ہے۔ وہاں کی ان تمام چھوٹی سی چھوٹی چیزوں کو پیش کیا ہے جو خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہیں۔ ایک خوبصورت درخت کا بھی تذکرہ تصویر کے ذریعہ پیش کیا ہے اور درخت کا نام ''کشتا'' ہے۔ غرض کہ آپ نے سفرنامے ازبکستان کی اور اس ملک سے ملحق شہروں کے کھانا پانی سے لے کر وہاں کے مساجد، تاریخی اسلامی عمارتوں اور شادی کے رسم ورواج کو بڑی خوبصورتی، آسان اور سادہ الفاظ کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ اس اقتباس سے خواجہ صاحب کے اسلوب کا اندازہ بھی ہوجائے گا۔

> ''سات بجے شام سے کچھ پہلے ہم ہال میں پہنچ گئے۔ آہستہ آہستہ مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ یہاں بھی مہمانوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی ہال بہت سلیقے سے سجا ہوا تھا اور ہر طرف گول میز لگی ہوئی تھی۔ ہر میز کے ساتھ آٹھ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہر میز پر انواع واقسام کے کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہال کے جانب دولہا دلہن کے لئے اسٹیج بنا ہوا تھا اور اسی کے سامنے دوسری جانب میوزک کے پروگرام کے لیے اسٹیج سجا تھا۔ دولہا دلہن کے آنے سے قبل ہی میوزک کا پروگرام شروع

مذموم قرار دیا گیا چونکہ اسلام میں ذم اور ہجو گوئی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اور بے جا مدح اور غلو و مبالغہ کی بھی ممانعت کی گئی۔ اس طرح قصیدہ کی رفتار ترقی کم ہوگئی حالانکہ عہد نبوت میں بھی شاعری کی گئی مگر شاعری سے وہ عناصر یکسر ختم کر دیئے جو شرعاً ممنوع تھے۔'' (۲)

خواجہ اکرام الدین صاحب نے شاعری اور نثر میں برابر تنقید و تحقیق و تبصرہ کیا ہے۔ اصناف شاعری کی ہیئت بتائی ہے تو رشید احمد صدیقی کے اسلوب کے بارے میں بھی گہرائی سے خیال کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی طنز و مزاح میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے اسلوب کو انہوں نے مطالعہ کر کے اس پر روشنی ڈالی ہے ساتھ ہی ان کے انداز تحریر کو لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ رشید احمد صدیقی ایک منفرد انداز اختیار کرتے ہیں اپنی تحریروں میں جس کی وجہ سے طنزیات و مضحکات کو ایک خاص معیار مل جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے اس اقتباس کو پڑھنے سے رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا انداز ہو جاتا ہے۔

''جس سیاق و سباق کے ساتھ رشید صاحب اپنی تحریروں میں سامنے آتے ہیں اس سے ان کے فن نے جلا پائی ہے اور ادب میں طنزیات و مضحکات کو ایک خاص معیار و وقار ملا ہے۔ اور یہی سیاق و سباق ان کے اسلوب کی انفرادیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

رشید صاحب کے اسلوب کے مطالعے میں ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک ایسا انداز تحریر اپنایا جو قدیمی سرمائے سے بالکل منفرد ضرور ہے اور ایسا کہ آنے والی نسلوں نے تقلید کی ہر ممکن کوشش کی مگر تقلید نہ ہو سکی۔ لیکن اس اسلوب کے وضع ہونے میں متاخرین کے اسالیب کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔'' (۳)

خواجہ صاحب اردو کی خدمت میں ہمہ تن گوش ہیں۔ اور اپنی زندگی کا مقصد اردو کی خدمت کرنا سمجھتے ہیں۔ ہر حال میں اردو کی خدمت میں لگے ہیں چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں جب وہ سفر میں ہوتے ہیں تو سفرنامے تیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا زیادہ تر سفر ادبی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہاں ہونے والے سمیناروں میں شرکت کی ہے یا لیکچر پڑھا ہے تو کسی میں صدارت کی ہے وہ اپنے سفرناموں میں مختلف ممالک کے مقامات سے متعلق اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ہر شہر کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ ان شہروں کے جغرافیائی حالات معاشی حالات اور تہذیبی سرگرمیوں کا بھی ذکر آسان اور خوبصورت الفاظ میں کرتے ہیں۔ ان شہروں میں جو ادیب اور شاعر بستے ہیں ان سے ملاقات اور ملاقات کے درمیان وہاں کے ادبی صورت حال کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے اپنے سفرناموں کی بنیاد حقیقی واقعات کی صداقت اور مشاہدے پر رکھی ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے تاثرات کی چاشنی سے سفرنامے کو دلکش بنا دیتے ہیں۔ جس ملک میں جاتے ہیں وہاں کی آب و ہوا، مٹی کی خوشبو تک کو بیان کرتے ہیں اور ساتھ میں اس شہر کی اہمیت کو بھی بتاتے ہیں۔ ان کا سفرنامہ ازبکستان امام بخاری کے ملک میں چند روز کے نام سے ہے اس سفرنامے کو انہوں نے تصاویر کے ذریعہ بھی وہاں کی لطف اندوزی کو

ساتھ اردو شاعری میں ہیئت وموضوع اور پیرایہ بیان میں خوشنما اور کارآمد تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ جو مختلف اصناف کی شکل اختیار کرتی گئیں۔ خواجہ صاحب غزل ہیئت اور غزل کی اہمیت کو ان لفظوں میں لکھتے ہیں:

''غزل دراصل مخصوص لفظیات اور علامتوں کے ذریعے حسن وعشق، کیفیات وارادات عشق، اخلاق وتصوف، فلسفہ وحکمت، اسرار ورموز حیات وکائنات کی عقدہ کشائی اور زمانے کے حالات وکوائف بیان کرنے کا فن ہے۔ مخصوص لفظیات سے مراد یہ ہے کہ غزل تمام شعری اصناف میں نازک ترین صنف ہے جو نامانوس، ثقیل، بعید از فہم الفاظ کی محتمل نہیں ہوسکتی، غزل کے الفاظ نرم وشیریں، سادہ ودلکش اور موضوع کے اعتبار سے بلند آہنگ بھی ہوسکتے ہیں۔

غزل دراصل رمزیت وایمائیت کا فن ہے اور غزل میں معنوی وسعت وتہہ داری علامتوں کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ غزل میں براہ راست باتیں کرنے کا انداز کم ملے گا۔ یہاں باتیں پردے میں ہوتی ہیں اور یہ فنکار کے لئے بڑی کٹھن منزل ہوتی ہے۔''

خواجہ اکرام الدین نے غزل کی تمام تر خصوصیات اور مقبولیت کے اوصاف بیان کیا اس کے بعد قصیدے کی بھی خوبی اور ہیئت کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عربی قصائد ابتدا میں کیسے تھے اور ان میں موضوعات اور مضامین کی نوعیت کیا تھی وہ بتاتے ہیں کہ ابتدائی دور کے قصائد میں مدح وذم کا کوئی مخصوص پہلو نہ تھا۔ بلکہ عربی شعراء کے ابتدائی قصیدوں میں غم جاناں وغم دوراں سب کچھ تھا۔ اس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کا عکس بھی تھا۔ ذاتی غم وآلام اور شخصی کیفیات وواردات بھی تھے، قبائلی زندگی کے رسوم ورواج، فخر ومباہات اور جنگ وجدال سب کچھ شامل تھا۔ یہ تمام چیزیں اسی وجہ سے بھی عربی قصائد میں شامل تھی کیوں کہ جنگ وجدال اور آپسی رقابت ومخاصمت کا رجحان اس قدر بڑھا کہ صدیوں تک لوگ صرف ایک معمولی وجہ کی بنا پر لڑائیاں کرتے رہتے تھے۔ ہر قبیلہ بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال قائم کرنا چاہتا تھا۔ گویا فخر ومباہات کی علامت شروع میں تو بہادری اور شجاعت رہی مگر تمدنی ارتقا کے ساتھ ساتھ اس میں اور نئی چیزوں کا اضافہ ہوا اس میں جو سب سے اہم اصناف ہوا وہ شاعری تھی جیسا کہ خواجہ اکرام الدین قصیدے کی ہیئت کو لکھتے ہیں:

''ہیئت کے اعتبار سے عربی قصائد تشبیب سے شروع ہوتے تھے۔ جس میں زیادہ تر حسن وعشق یا مناظر فطرت کے مضامین باندھے جاتے تھے۔ بعد ازاں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا تھا۔ اور گریز کے بعد مدح یا ذم کا مضمون ہوتا تھا اور دعا پر قصیدے کا خاتمہ ہوتا تھا۔ عربی قصائد میں فخر وحماسہ، مبالغہ وغلو، زور وبیان شوکت الفاظ، تخئیل کی بلندی فن کی امتیازی شناخت تھی بعد میں عربی قصائد میں تصنع وتکلف بھی شامل ہوگئے۔ زمانہ جاہلیت کے عربی شعر وادب میں زہیر، نابغہ زبیانی اور عشق وغیرہ ممتاز قصیدہ کے شاعر تھے۔ ظہور اسلام کے بعد اس صنف کو زبردست ڈھچکا لگا اور وہ صنف جو سب سے زیادہ رائج تھی اسے

لائن پلیٹ فارم ہے۔اس پلیٹ فارم سے انہوں نے آن لائن سمینار، مذاکرے کے ساتھ ساتھ اہم پیش رفت یہ کیا کہ مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلہ کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو کے ادیبوں سے لوگوں کو متعارف کرنے کا اہتمام کیا۔خواجہ صاحب نے مہجری ادب پر خود بھی بہت کام کیا ہے اور اپنے کسی فضلا سے تحقیقی مقالے لکھوائے ہیں۔غرض کہ اردو زبان و ادب کے فروغ و استحکام کے لیے مثالی اور منفرد کردار نبھانے پر انہیں بے پناہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔

خواجہ اکرام الدین اردو زبان و ادیب کے لیے جدید ٹکنالوجی کو ضروری قرار دیتے ہیں جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ اردو ادب کی وسعت بڑی عمدگی سے ہوسکتی ہے۔انہوں نے بتایا کہ ٹکنالوجی اور میڈیا دور حاضر کی اہم ضرورت ہے۔ترقی کے اس دور میں ایک ملک سے دوسرے ملک کے لوگوں سے رابطہ کرنے میں ٹکنالوجی نے سب سے اہم کردار نبھایا ہے۔اردو زبان و ادب کے لیے تکنیکی وسائل اور امکانات ٹکنالوجی سے بھر پور الیکٹرانک میڈیا کے شعبہ میں اردو زبان کے امکانی جہتوں کی تلاش اور تعبیر و تفہیم کی ایک کوشش کی ہے۔خواجہ نے جدید ٹکنالوجی کی اہمیت و افادیت کو ان الفاظ سے ادا کیا ہے۔اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

> ''ٹکنالوجی اور میڈیا دور حاضر میں مسلمہ اہمیت کے میدان ہیں حالات بتاتے ہیں کہ آج اور آنے والے کل کی جملہ ترقی کا محور بڑی حد تک یہی شعبے ہوں گے۔گلوبل ویلیج، الیکٹرانک عہد، ڈیجیٹل عہد، اور سائبر ایج جیسی اصطلاحتیں عہد جدید کی برق رفتار ترقی کا استعارہ ہیں۔ ڈاٹا کی دنیا میں رونما ہونے والی نئی نئی انقلابی پیش رفت نے کمپیوٹر کے ہارڈ ڈسک، سی ڈی، ڈی وی ڈی، اور پین ڈرائیوں کو علاء الدین کے چراغ جیسے محض مجازی علائم کو حقیقی پیراہن عطا کیا ہے۔یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ صدی امکان کی صدی ہے۔محسوس ہوتا ہے کہ جدید ٹکنالوجی نے اپنی بہم کامیابیوں سے ناممکنات Impassibilites کو شکست فاش دے دی ہے۔اطلاع عامہ اور ذرائع ترسیل میں بلا کی سرعت آگئی ہے کیونکہ میڈیا نے ٹکنالوجی کو اپنا اساس بنالیا ہے۔معلومات اور علم و آگہی کے میدان میں ٹکنالوجی سے آراستہ میڈیا کی حالیہ پیش رفت ان بلندیوں میں زیادہ توجہ طلب ہے کہ اس نے اقدار حیات، تمدن سے باہر نکال کر یہ مواقع فراہم کیا ہے کہ علاقائی، قومی اور ملکی سرگرمیوں کے دائرے میں وسعت پیدا ہوا۔اور زبان و تمدن اور علمی سرمایۂ نئی پہنائیوں میں خود مختارانہ تعمیر و ترقی کی اونچائیوں کو چھو سکے اور خود ترقی یافتہ زبان اور تمدن کے بالمقابل دیکھ سکے۔''(۱)

خواجہ اکرام الدین نے شاعری کی مختلف اصناف کی ہیئت کے اعتبار سے بھی معلوماتی بحث کی ہے۔انہوں نے بتایا ہے کہ اصناف اور موضوعات کے دونوں اعتبار سے شاعری کا دامن رنگا رنگ گل بوٹوں سے سجے ہوئے ہیں چاہے حب الوطنی کے ترانے ہوں یا ہندوستانی رسوم و رواج کی ترجمانی یا مناظر فطرت کی عکاسی یا عشق و محبت کے سرمدی نغمے ہر جگہ اردو شاعری کا جادو سر چڑھ کر بولتا نظر آتا ہے۔یہ اس لیے بھی ممکن ہوا کہ یہ نئے وقت کے

نکہت پروین
ریسرچ اسکالر، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونیورسٹی، لکھنؤ

خادم اردو زبان وادب خواجہ محمد اکرام الدین

۲۸ ردسمبر ۱۹۶۴ء کو بھارتی ریاست جھارکھنڈ میں ایک ایسے ستارے کا وجود ہوا جس کی روشنی موجودہ نسل اور آنے والی نسل کے لیے زبان وادب کے راستے میں مشعل کی طرح راہ ہدایت ثابت ہوگی۔ وہ ستارہ خواجہ اکرام الدین صاحب کی شخصیت ہے۔ آپ بیک وقت ماہر لسانیات، ناقد، محقق، تحقیق وتدوین نگار، اور مختلف کتابوں کے مصنف اور رسائل وجرائد کے مدیر اور اردو زبان وادب کے بے لوث خادم اور لائق وفائق استاد ہیں۔ آپ آج بھی اپنی نہ زائل ہونے والی روشنی سے نئی دہلی میں واقع جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں پروفیسر کی حیثیت سے بچوں کے علمی، ذہنی، اخلاقی گوشوں کو روشناس کرا رہے ہیں۔

خواجہ اکرام صاحب اردو زبان وادب کے لیے ہمہ تن گوش ہیں، آپ نے بھارت میں اردو کا سب سے بڑا سرکاری ادارہ قومی کونسل فروغ اردو زبان وادب نئی دہلی کے سب سے اہم عہدے پر اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ کونسل کی مدت کار کے اختتام کے بعد آپ نے کبھی تھکان محسوس نہ کی اس کے بعد بھی اردو زبان وادب کے لیے امکانات کی تلاش میں مستقل سرگرم ہیں۔ آپ آج بھی ورلڈ ایسوسی ایشن کے صدر نشین ہیں یہ ایک غیر سرکاری، خودمختاری ادارہ ہے۔ اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود اردو کے اساتذہ، ادیبوں، شاعروں، فکشن نگاروں، صحافیوں، طلبہ، طالبات اور قلم کاروں سے رابطہ واشتراک اور باہمی تعاون اور نئی نسل کے ادیبوں اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور تدریس کے فروغ کے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش اور اردو کے مہجری ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت اردو کی نئی کتابوں پر تبصرے اور اس تک رسائی کے امکانات کی تلاش اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری ہے۔

اسی ورلڈ ایسوسی ایشن کے ذریعہ خواجہ صاحب نے اردو سے محبت کرنے والوں کو اس وقت بھی مایوس نہ ہونے دیا جب ہندوستان اور عالمی سطح پر کورونا کے وبائی مرض نے لوگوں کو گھروں پر رہنے کے لیے مجبور کردیا۔ کچھ وقت کے لیے اس وبا نے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں کو مفلوج کردیا تھا۔ ہر انسان اس مصیبت وپریشانی سے دائمی فرار چاہتا تھا۔ ہر انسان اس کے علاج کی تلاش میں تھا آپ نے لوگوں کے لیے علاج تلاش کرلیا اور وہ آن

سکیں۔اقوامی اور بین الاقوامی سطح پر آپ کی شخصیت اردو زبان وادب کے حوالے مسلم ہے۔آپ نے اردو زبان وادب اور اس تہذیب کو عالمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جدو جہد کی ،جس سے پوری دنیا سے اردو زبان وادب کے شوقین اس میں دلچسپی دکھا رہے ہیں۔اردو زبان وادب کے حوالے سے ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس مختصر مضمون میں اس کا مکمل احاطہ ممکن نہیں ہے اسلئے ان گوشوں کی طرف نشان دہی کی گئی ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں تا کہ اردو زبان وادب کے چاہنے والے ان پہلوؤں سے واقف ہو سکیں۔

حوالہ

۱۔ www.khwajaekram.com

۲۔ CV.Professor khwaja md Ekramuddin

۳۔ CV.Professor khwaja md Ekramuddin

۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین۔اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات۔نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ۔۲۰۱۲۔

۵۔ CV.Professor khwaja md Ekramuddin

۶۔ www.khwajaekram.com

۷۔ www.worldurduassociation.com

۸۔ www.worldurduassociation.com

۹۔ CV.Professor khwaja md Ekramuddin

۱۰۔ www.worldurduassociation.com

○○○

سے سرفراز کیا گیا۔ ۲۰۱۶ میں اردو سائنس کانگریس علی گڑھ کی جانب سے 'نشانِ امتیاز اردو سائنس علی گڑھ' آپ کو دیا گیا۔ ۲۰۱۶ میں اردو اکیڈمی پٹنہ، بہار کی جانب سے 'قاضی عبدالودود ایوارڈ) سے آپ متصف کئے گئے۔ ۲۰۱۶ میں محفلِ صنم، سوشل اینڈ کلچرل آرگنائزیشن، دہلی کی جانب سے بہترین معلم ہونے کی حیثیت سے 'داغ دہلوی نیشنل ایوارڈ' سے آپ کو فیض یاب کیا گیا۔ اردو ترقی بورڈ، دہلی کی جانب سے ۲۰۱۵ میں آپ کو 'قاضی عدیل عباس عالمی ایوارڈ' دیا گیا۔ ۲۰۱۵ میں آپ کو سنگم فاؤنڈیشن، لکھنؤ کی طرف سے 'اودھ رتنا ایوارڈ' ملا۔ Hermein Educational Society، دہلی کی جانب سے ۲۰۱۴ میں آپ کو 'مسیحائے اردو ایوارڈ' دیا گیا۔ سرپرست اردو ڈیلی کولکاتہ کی جانب سے ۲۰۱۴ میں آپ کو 'فکرِ اردو ایوارڈ' ملا۔ ۲۰۱۴ میں آپ کو شعبۂ عربی، اردو اور فارسی، یونیورسٹی آف مدراس کی جانب سے 'مولوی باقر آغا ویلوری ایوارڈ فار پروموشن آف اردو' دیا گیا۔ ۲۰۱۳ میں آپ کو بیٹر ولڈ مشن، پٹنہ کی جانب سے 'فروغ اردو ایوارڈ' سے مشرف ہوئے۔ موابق تش شیخ، مظفر پور بہار کی جانب سے ۲۰۱۳ میں آپ کو 'فکرِ اردو ایوارڈ' ملا۔ ۲۰۱۳ میں خانقاہ مارہرہ، یوپی کی جانب سے 'نشانِ آلِ عبا' دیا گیا۔ ۲۰۱۲ کو تنظیم علماء حق دہلی کی طرف سے 'ابوالکلام آزاد ایوارڈ' دیا گیا۔ انجمن ترقی اردو پٹنہ کی جانب سے ۲۰۱۲ میں آپ کو 'بابائے اردو مولوی عبدالحق ایوارڈ پٹنہ' ملا۔ ۲۰۱۱ میں اردو نیٹ جاپان کی جانب سے ان کو 'Excellency Award from Urdu Net Japan' ملا۔ دہلی اردو اکیڈمی نے ۲۰۱۱ میں 'دہلی اردو اکیڈمی ایوارڈ' کے لئے آپ کی کتاب 'تعارف وتنقید' کی بہترین اشاعت کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا۔ ۲۰۰۷ میں عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ کی جانب سے تحریری مقابلہ کے لئے 'مجلسِ ادب ایوارڈ اے۔ پی۔ آر۔ آئی' کے لیئے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ ۱۹۸۶ میں پٹنہ یونیورسٹی کی جانب سے 'کالج کلر ایوارڈ پٹنہ کالج' کے لئے آپ منتخب کئے گئے ۹؎۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو اردو زبان وادب کی خدمات کے سبب ملک اور بیرون ملک اعزاز کے طور پر بہت سے ایوارڈ ملے ہیں۔ اردو زبان وادب کی خدمات ملک اور بیرون ملک مسلم تھی۔ آپ نے اقوامی اور بین الاقوامی سطح پر اردو زبان وادب کو فروغ دینے میں جو کاوشیں کیں ہیں اردو داں طبقہ اس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں ۱۰؎۔

خلاصہ

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ہندوستانی اردو ادیب، شاعر، ناقد، محقق، اور مشہور قلم کار رہیں۔ آپ نے عالمی سطح پر اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ لائق تحسین ہے۔ آپ نے روایتی طرز تعلیم کے بعد عصر تعلیم کا سفر شروع کیا اور اس میں اتنا کمال حاصل کیا کہ آج اردو زبان وادب میں آپ کا نام بڑے اہتمام سے لیا جاتا ہے۔ آپ نے اردو از بان وادب کو جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنے کی رہنمائی کی۔ آپ نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے ویب سائٹ تیار کئے تاکہ اردو کے شوقین اس سے استفادہ کر

ادارے کے کیا مقاصد تھے خواجہ اکرام الدین نے اس کو بھی واضح کیا ہے۔اس کا بنیادی مقصد صرف تین ہے۔(۱)دنیا بھر میں جو اردو پڑھنے اور لکھنے والے ادیب ہیں، فنکار ہیں، صحافی ہیں، طلبہ وطالبات ہیں اور قلم کار ہیں ان سے ربط واشتراک اور باہمی تعاون پیدا کرنا۔(۲)دنیا بھر میں جہاں بھی اردو پڑھائی جاتی ہے، اردو درس وتدریس کے فروغ کے لئے ممکنہ وسائل کی فراہمی کے لئے کوشش کرنا۔(۳)اردو کے مہجری ادیبوں کی حوصلہ افزائی، ان کی کتابوں کی اشاعت، ان کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کرنا اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری ہے۔۷؎

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اردوزبان وادب کے فروغ کے لئے عالمی سطح پر جو علمی خدمات انجام دی ہیں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔بیرون ملک میں جو اردو زبان وادب پڑھائی جارہی ہے آپ نے ان کے لئے کتابیں اور مواد مہیا کرائی ہیں جس سے بین الاقوامی سطح پر اردوزبان وادب کی نشوونما ہوری ہے۔یہ خواجہ محمد اکرام الدین کا اردوزبان وادب کے حوالے سے بڑا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یادرکھا جائے گا۔آپ نے عالمی سطح پر اردوزبان وادب کے فروغ کے لئے سالانہ سمینار اور مشاعرہ کا انعقاد کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کو عملی جامہ بھی پہنایا۔خواجہ محمد اکرام الدین اردو کے ادیبوں، صحافیوں، قلم کاروں اور فکشن نگاروں کے مضامین، کالم وغیرہ کو عالمی سطح پر مشہور کررہے ہیں۔عالمی سطح پر اردوزبان وادب کی جو علمی وادبی سرگرمیاں ہورہی ہے خواجہ محمد اکرام الدین اس کی تشہیر کررہے ہیں تاکہ اردوزبان وادب کی نشوونما ہوسکے۔آپ نے عالمی سطح پر اردوزبان وادب کے حوالے سے جو کام ہورہا ہے اس کا جائزہ لیا تاکہ اس میں جو کمی ہورہی ہے اس کی تلافی کی جاسکے۔۸؎

اردوزبان وادب کے فروغ میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کے اعزازات:

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو اردوزبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں ملک اور بیرون ملک سے درجنوں اعزازات ملے ہیں۔علمی اور ادبی کاوشوں کے سبب آپ قوامی اور بین الاقوامی سمیناروں اور کانفرنسوں میں برابر شریک ہوتے رہتے ہیں۔اردو زبان وادب میں آپ کا نام جانا پہچانا ہے۔آپ نے مہجری ادب اور مہجری قلمکاروں سے روابط بحال کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔آپ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔آپ نے جدید ٹیکنالوجی اور جدید میڈیا پر اردوزبان وادب کے حوالے سے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ان ہی خدمات کے پیش نظر آپ کو سید اقبال حیدر سکریٹری حلقۂ ادب جرمنی نے ۲۰۱۸ کو'حیدر طباطبائی'ایوارڈ سے نوازا ہے۔۲۰۱۸ کو صوفی جمیل اختر لٹریری سوسائٹی، کولکاتہ کی جانب سے'صوفی جمیل اختر لٹریری ایوارڈ' سے آپ کو نوازا گیا۔ہیومن ویلفیئر اسوشی ایشن، جرمنی کی جانب سے آپ کو ۲۰۱۶ میں'اقبال ایوارڈ' دیا گیا۔ Culterand Literartur International,Copenhagen Denmark کی طرف سے ۲۰۱۶ میں آپ کو'سفیر اردو ایوارڈ' ملا۔شعبۂ اردو، ترکی کی جانب سے ۲۰۱۶ میں آپ کو Outstanding Achievement

میں کوشاں شخصیات میں ایک فعال اور متحرک نام پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی نظر بدلتی ہوئی دنیا پر ہے۔آپ نے درس وتدریس کے عمل کو تیزی سے بدلتی دنیا کے نت نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال پر بھر پور مہارت رکھتے ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اردو زبان وادب کے فروغ میں نہایت سنجیدہ عملی اقدامات کئے ہیں۔جس کی وجہ سے آپ اردو زبان و ادب کے حلقہ میں بہت مشہور ہیں۔آپ نے اردو زبان وادب کی تدریس وتحقیق کو فرسودہ طریقوں سے نکال کر اس میں جدت اور تازگی پیدا کی ہے۔لہٰذا ملک اور بیرون ملک کے ریسرچ اسکالرز اردو زبان وادب کو دلچسپی سے سمجھتے ہوئے اپنی تخلیقات اور تحقیقات میں سرگرداں ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی، کے چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔آپ نے اس عرصہ میں ملک اور بیرون ملک کے ادیبوں،شاعروں،نقادوں اور محققین کوایک دوسرے کے قریب لانے اور اردو زبان وادب کے خوشہ چیں سے ان کے مکالمے کوممکن بنانے کے لئے مؤثر عملی اقدامات کئے ہیں۔۵؎

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان وادب کے ایک اچھے معلم ہونے کے ساتھ ساتھ تنقید،تحقیق اور سفرناموں کے حوالے سے بھی مشہور ہیں۔آپ اردو زبان وادب کے حوالے سے متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۔اردو زبان وادب کے فروغ کی ہمہ جہت شخصیات میں آپ کا نام سرفہرست ہے۔آپ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن،نئی دہلی انڈیا کے بانی اور سرگرم سرپرست ہیں۔کرونا کے دور میں آپ نے جدید آلات کا استعمال کر کے اردو زبان و ادب کے مشہور ادیبوں،شاعروں اور محققین کے تعارف اور ان سے مکالمے کوآن لائن سلسلے کو جاری کر کے ایک اہم خدمات انجام دی ہیں جو اردو زبان وادب کے فروغ میں نہات مثبت اور خوش آئند پیش رفت ہے۔اس پیش قدمی سے پوری اردو دنیا جدید آلات کی مدد سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔نوجوان نسل کتابوں کے ساتھ ساتھ اپنی محبوب شخصیات کی گفتگو اور ان سے مکالمے کے ذریعے بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔لہٰذا تمام سنجیدہ علمی وادبی کاوشوں کے ذریعے اردو زبان وادب کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔بین الاقوامی سطح پر بھی اردو زبان وادب کی مقبولیت اور پسندیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔بلا شبہ خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان وادب کا بیش قیمت اثاثہ ہیں۔یہ حقیقت بھی ہے کہ ایسی ہمہ جہت شخصیت،سنجیدہ فکر،تخلیقی ذہن،شخصیات دنیا میں روز بروز پیدا نہیں ہوتی ہے۔۶؎

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ایک شہرت یافتہ اردو زبان وادب کے ماہر محقق، ناقد اور محرر ہیں۔آپ نے اردو زبان وادب کی اشاعت کے لئے انمول کارنامے انجام دیئے ہیں۔اردو جو ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام ہے،خواجہ محمد اکرام الدین اس تہذیب کو عالمی سطح پر متعارف کرانے کی مکمل جد و جہد کر رہے ہیں۔آپ نے عالمی سطح پر اردو زبان وادب اور تہذیب کا فروغ ،اس کی بقا اور تشہیر کے لئے ایک عالمی ادارہ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن،نئی دہلی قائم کیا۔یہ ایک غیر سرکاری اور خود مختار ادبی تنظیم ہے جو اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے کام کر رہی ہے۔آپ نے دنیا کے ان تمام خطوں کا سفر کیا جہاں اردو زبان وادب بولی جاتی ہیں۔اس

سے دینی علوم حاصل کی۔مدرسہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے عصری تعلیم حاصل کرنا شروع کیا۔آپ نے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔اے اردو کیا۔گریجویشن کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بھارت کی مشہور زبان وادب کی دانشگاہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کا سفر کیا۔اس علم وادب کے مرکز سے آپ نے ایم۔اے۔اردو کیا۔اسی جامعہ سے ایم۔فل اور ۱۹۹۴ میں پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ سند حاصل کی۔۲؎

جامعہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ درس وتدریس کے میدان سے جڑ گئے اور آپ دہلی یونیورسٹی میں اردو اور فارسی زبان وادب کی تعلیم دینے لگے۔آپ نے دہلی یونیورسٹی میں پانچ سال تک شعبۂ اردو میں علمی خدمات انجام دی ہیں۔۱۹۹۹ میں یونیورسٹی سروس کمیشن بہار نے رانچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں آپ کو لکچر مقرر کیا۔وہاں آپ نے مختصر عرصہ اردو زبان وادب کی خدمت کی۔۲۰۰۰ میں آپ نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں شعبۂ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے علمی خدمات شروع کی، ۲۰۰۷ میں آپ ایسوی ایٹ پروفیسر بنادیئے گئے اور ۲۰۱۳ میں آپ پروفیسر کے عہدہ سے سرفراز کئے گئے۔آپ کو ۲۰۱۲ میں حکومتِ ہند نے آپ کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی کا ڈائریکٹر منتخب کیا۔آپ نے اس ادارے میں تین سال تک اردو زبان و ادب کی خدمات کیں۔آپ نے اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے اس عرصہ میں اقوامی اور بین الاقوامی سمینار، کانفرنس اور مشاعرے کرائے۔آپ نے اردوزبان و ادب کے فروغ کے لئے Computer-Training Center قائم کیا ہے۔آپ نے اردو دنیا میں فکر وتحقیق کے ادبی مقام کو بڑھایا۔آپ نے بچوں کے لئے میگزین 'بچوں کی دنیا' کے نام سے شائع کیا۔۳؎

اردو زبان وادب کے فروغ میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا کردار

پروفیسر خوجہ محمد اکرام الدین نے اردو زبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں جو اقدامات اور کاوشیں کیں ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔آپ نے اردو زبان وادب کو جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنے کی پوری جدو جہد کی ہے۔آپ نے آئی۔ٹی میں ڈپلومہ کورس ان لوگوں کے لئے جاری کیا ہے جو اردو زبان وادب سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں۔پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے بہت سی اسکیمیں اور پروگرام شروع کرائے ہیں جو اردو زبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ Literary Circles of Urdu نے اردو زبان وادب کے مختلف جہات میں ان کے زمانے میں ترقی کی ہے۔۴؎

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین علمی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔آپ نے اردو زبان وادب کے فروغ میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔علمی حلقہ میں آپ کی ایک منفرد شناخت ہے۔آپ ایک مشہور نثر نگار، محقق اور مسلم مفکر ہیں۔آپ نے اردو زبان وادب میں ایک نئی راہ کی جانب رہنمائی کی ہے۔اردو زبان وادب کے فروغ

محمد عزیر عالم
ریسرچ اسکالر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز،
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اور اردو زبان وادب

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین علم وادب کی دنیا میں ایک مشہور ادیب، ممتاز نثر نگار اور اچھے قلم کار ہیں۔ تخلیقی ذہن اور فکری سوچ کے ذریعے آپ نے اردو زبان وادب کے حلقے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ نے اردو زبان وادب کو بین الاقوامی سطح پر فروغ دینے کی جدوجہد کی ہے۔ آپ نے اردو زبان وادب کی نشوونما کے لئے ملک اور بیرون ملک کے اسفار کئے۔ آپ نے اردو زبان وادب کو بین الاقوامی سطح پر عام کرنے کے لئے مواد فراہم کئے۔ آپ نے اردو زبان وادب کو فروغ دینے کے لئے ویب سائٹ تیار کی۔ اردو زبان وادب کے حوالے سے خواجہ محمد اکرام الدین کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔ اردو زبان وادب کا گلستاں ان کی خدمات سے روشن اور تابناک ہے۔ لہذا خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان و ادب کے ہر محفل کی شان ہیں۔

سرگزشت پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا تعلق ایک صوفی گھرانہ سے تھا۔ آپ کے والد صوفی انسان تھے۔ انھیں تصوف سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان کے والد تصوف کے مشہور سلسلہ سہروردی سے منسلک تھے۔ آپ کے والد کا نام محمد شمش الدین سہروردی تھا۔ آپ بڑے عالم تھے۔ سماج میں انھیں بلند مقام حاصل تھا۔ وہ ایک عالم صوفی انسان تھے جن سے لوگ دینی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ان کے شیخ غوث علی شاہ تھے جن سے انہوں نے تصوف کی معرفت حاصل کی تھی۔ آپ نے ملک کی آزادی کے وقت اپنے علاقوں میں امن و مان کی بحالی اور بھائی چارگی کے فروغ کے لئے جدوجہد کی۔ جس کی وجہ سے محمد شمش الدین ہندو اور مسلمان دونوں میں کافی مشہور تھے۔ آپ پوری زندگی اخوت و بھائی چارگی اور امن وامان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔[1]

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا گھرانہ علم وعمل کا مرکز تھا۔ آپ کا گھرانہ روایتی قسم کا تھا۔ آپ کو پہلے دینی علوم سے آراستہ کیا گیا۔ آپ نے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مدرسہ اسلامیہ شمش الہدیٰ پٹنہ، بہار

گوں خصوصیت کے سبب روٹی، کپڑا اور مکان کی طرح موبائل ہماری ضرورت کی چوتھی بڑی ضرورت بن چکا ہے۔ تکنیکی سطح پر موبائل کی ترقی نے بھی ہماری سہولتوں کی کئی راہیں ہموار کی ہیں آئی فون (iPhone)، آئی پیڈ اور اینڈرائڈ کی سروسز دنیا کو ہتھیلیوں میں سمیٹنے لگی ہے۔''

''اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات صفحہ 16

انٹرنیٹ نے ہماری زندگی میں بہت ہی قلیل مدت میں دستک دی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہماری زندگی کی اہم ضرورت بن گیا ہے جہاں اس کے منفی نتائج آئے دن ہمارے اردگرد رونما ہوتے رہتے ہیں وہیں اس کے فوائد بھی بیش بہا ہیں اور اس کی تائید تعلیمی شعبہ سے جڑا ہر شخص یقینی طور پر کرے گا۔ بیرون ملک میں اس نیٹ پر کام 1960 سے 1970 کی دہائیوں میں شروع ہو چکا تھا ہندوستان میں اس کی آمد ذرا تاخیر سے ہوئی خواجہ اکرام الدین صاحب نیٹ کی ہماری زندگی میں مداخلت پر رقم طراز ہیں:

''انٹرنیٹ کی آسانی سے دستیابی اور اس میں موجود ضرورت کے تمام ممکنہ وسائل اور معلومات کے سبب اب یہ ہماری زندگی میں نہ گزیر ہو گیا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ اطلاع اور ابلاغ و ترسیل کے تبادلہ کی صلاحیت نے دنیا کی تاریخ کو ایک چلتی پھرتی اور سمٹی ہوئی حقیقت بنا کر رکھ دی ہے۔ زمانۂ قدیم میں خط و کتابت کا ارسال و ترسیل کبوتروں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ لیکن اب تو یہ بازیچہ اطفال کی مانند ہے کہ لمحوں میں آپ ہزاروں میل کی مسافت کو انٹرنیٹ کے ذریعے طے کر سکتے ہیں اور صرف خط ہی نہیں خط پانے والے سے روبرو گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔''

(اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات صفحہ 20)

مختصر یہ کہ خواجہ اکرام الدین صاحب نے دور جدید کے اپڈیٹڈ آلات کا استعمال نیٹ ورکنگ اور سائبر جیسی چیزوں سے اردو کے دائرے کو وسیع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے 2020 کے وباء نے دنیا کے لوگوں کو گھروں میں موقید کیا لیکن خواجہ صاحب کی ادبی خدمات اس وقفے میں بیش بہا رہے۔ آپ کا یہ قدم اردو تاریخ میں غیر معمولی ہے جس کا اعتراف نئی نسل ائندہ دنوں میں مزید کرے گی۔

○○○

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے میدان میں خواجہ اکرام الدین کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں قومی کونسل کی ڈائریکٹری کی تین سالہ مدت میں اپ نے اردو کی جو خدمات انجام دیے ہیں ان میں اردو کو نئی ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کی مدد سے وسعت دینے کا کام اہم ہے۔اس کے علاوہ اپ کے زیر سایہ ’’بچوں کی دنیا‘‘ کا اجراء بھی عمل میں ایا اور ’’عالمی اردو کانفرنس‘‘ کی بنیاد پڑی۔کئی سوفٹ ویئر کا اجراء کیا جو اردو کے حق میں مفید ثابت ہوئے۔

خواجہ اکرام الدین صاحب نے تصنیف و تالیف میں مصروف ہونے کے بجائے نئی صدی کی ضرورت اور آئندہ دنوں میں ٹیکنالوجی کے استعمال کو وقت سے پہلے بھانپ لیا تھا جس کے نتیجے میں اپ کی عملی سرگرمیاں کافی تیز ہوگئیں۔کونسل کی مدت کے اختتام کے بعد بھی اپ ذاتی طور پر اسی سمت متوجہ رہے اور آن لائن لرننگ پروگرام شروع کیا جو اردو کے حق میں کافی مفید و کارگر ثابت ہوا۔آج دنیا میں پھیلے تحقیقی کام کر رہے ریسرچ اسکالروں کے لیے ڈیجیٹل لائبریری کسی آب حیات سے کم نہیں ہے دنیا کی معلومات کو ہارڈ ڈسک میں سمیٹ لینے والے کمپیوٹر کی اہمیت کا اندازہ خواجہ اکرام الدین صاحب کو ہے جس کے نتیجے میں آپ نے پسماندہ علاقوں میں این سی پی یو ایل کے تحت کمپیوٹر سینٹر بنوائے اور کمپیوٹر کی فراہمی کروائی جس کی وجہ سے بچوں کی رسائی ڈیجیٹل ورلڈ تک با آسانی ہوسکی۔

اردو فانٹ کے سلسلے میں بھی خواجہ اکرام الدین صاحب کی محنت قابلِ تحسین ہے پہلے اردو فاونٹ موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ میں اردو پاکستان کے نام سے آیا کرتے تھے لیکن اکرام الدین صاحب کی محنت اور کوشش کی وجہ سے اردو انڈیا کے نام سے آنا شروع ہوئے یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو فونیٹک کی بورڈ انہوں نے لانچ کیا جس کی رسائی اب ہمارے موبائل اور کمپیوٹر تک با آسانی ہوسکی ہے۔

آپ نے ایک تعارفی سلسلہ شروع کیا جو آن لائن ذرائع سے ہوتا ہوا عوام تک پہنچا اس سلسلے میں خواجہ صاحب نے مہجری اور بین الاقوامی اردو داں طبقے کو روشنی دی جس کے نتیجے میں اردو کی وسعت بین الاقوامی سطح پر اور بڑھی۔آپ نے اردو کی نئی بستی برطانیہ کے ادیبوں اور شاعروں سے ہندوستانی اردو طبقے کو روشناس کرایا اس سلسلے میں آپ نے کئی انٹرویو بھی لیے جن میں محترمہ رضیہ فصیح احمد شکاگو، محترم سید انور ظہیر رہبر برلن، محترمہ نجمہ عثمان لندن کے انٹرویو کافی پسند کیے گئے۔

دور جدید کے مشینی آلات کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، آئی فون، آئی پیڈ کو خواجہ صاحب کسی نایاب تحفے سے کم نہیں گردانتے اور ان کی اہمیت و افادیت کے قدرداں ہیں۔موبائل کی کم مدت میں ہماری زندگی میں داخلیت اور ہماری ہر پریشانی کو منٹوں میں حل کر دینے کی خوبی کی نسبت سے رقم طراز ہیں:

> ’’ابتدا میں یہ نہیں معلوم تھا کہ موبائل رابطے کی تمام سریع تر امکانات کے ساتھ ساتھ اور کئی انقلاب بھی اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ابتدا میں یہ محض وائرلیس ٹیکنالوجی سے بات چیت کو آسان بنا رہا تھا مگر اب موبائل فون کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے اس کی گونا

انجم پروین
ریسرچ اسکالر شعبہ اردو
ٹی ڈی بی کالج، رانی گنج، آسنسول، مغربی بنگال

خواجہ محمد اکرام الدین کی ادبی وتخلیقی سرگرمیاں جدید ٹیکنالوجی کی روشنی میں

خواجہ محمد کرام الدین کا شمار اردو ادب کے ان خیر خواہوں میں ہوتا ہے جن کی سرگرمیاں عہد حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ موصوف کی پیدائش 25 دسمبر سن 1964 میں جھارکھنڈ میں ہوئی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں 25 دسمبر انگریزوں کے تہوار کرسمس ڈے کے لیے جانا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح 25 دسمبر کی پیدائش کا اہم اثر ہمیں خواجہ اکرام الدین کی زندگی پر اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ موصوف نے مغرب کی ٹیکنیک، اچھائیوں اور ترقیاتی پروگراموں سے اردو ادب کی خدمات انجام دی ہیں۔ جہاں نئی نسل کے لیے بھی نیٹ، آئی پیڈ، ماس میڈیا، ڈیجیٹل ورلڈ میں تھوڑی پریشانیاں اتی ہیں وہیں اکرام الدین صاحب ان مشینی اور ڈیجیٹل خوبیوں سے اسکالروں اور طالب علموں کو فائدہ پہنچاتے نظر آتے ہیں۔

کرونا وباء نے جہاں پورے ملک کے کو گھروں میں مقید کر دیا وہیں اکرام الدین صاحب اس وقفے کا بھی معقول استعمال کرتے نظر ائے اور سارے اردو داں طبقے کو ورلڈ اردو ایسوسیشن کے پلیٹ فارم سے ان لائن سیمینار اور مذاکرے میں شامل کرتے رہے۔ اپنی ماتحتی میں تحقیقی کام کر رہے ریسرچ اسکالروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں اور خود بھی انٹرنیٹ کے استعمال کو ادب کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے وابستہ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین یونیورسٹی میں سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول اف لینگوتج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں اردو کے پروفیسر ہیں اور اردو کے ان فعال وسرگرم ادیبوں میں سے ہیں جو بیرون ملک تک اردو کو مقبولیت ومحبوبیت دلانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ آپ کی تقریبا 23 کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور قارئین سے داد وتحسین حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ ان کتابوں میں سے کئی بیرون ممالک میں شامل نصاب بھی ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات کے سلسلے میں ملکی اور بیرون ملکی انعامات کی کمی نہیں ہے۔ جاپان، ڈنمارک، جرمنی اور ترکی جیسے ممالک اردو کے اس خادم کی خدمات کی سراہنا اعزازات کی صورت میں کر چکے ہیں۔ خواجہ اکرام الدین صاحب کے حاصل شدہ اعزازات میں حیدر طباطبائی ایوارڈ فرینکفرٹ جرمنی 2016، میں سفیر اردو ایوارڈ ڈنمارک، آوٹ اسٹینڈنگ اچیویمنٹ ایوارڈ ترکی وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

خواجہ محمد اکرام الدین، مشاہدات، دہلی، ۲۰۲۰ء ص۔ ۷۔۲۳

مجموعی طور پر اس سفرنامے کو ہم علمی و ادبی اور تہذیبی سفرنامہ کہہ سکتے ہیں۔ اس سے اس سرزمین کی تاریخ اور تہذیب کے ساتھ ساتھ اردو کی تعلیم و تدریس کی صورت حال کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

OOO

''بخارا قدیم تہذیب کا نمائندہ شہر ہے، بخارا کے ساتھ سمرقند کا نام بھی لیا جاتا ہے لیکن سمرقند کے مقابلے میں بخارا زیادہ مشہور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شہر پر کئی اقوام کی حکومتیں رہیں اور اسلامی مملکت کے طور پر بھی بخارا دنیا میں سرفہرست ہے''

(امام بخاری کے ملک میں چند روز، خواجہ محمد اکرام الدین، دہلی ۲۰۲۰، ص ۵)

خواجہ اکرام الدین نے ازبکستان کی تاریخی عمارات میں تاشقند کے ''زنگی اوتا'' مینار جامع مسجد، میدان استقلال، امام بخاری کا مزار، کریمفوف کا مقبرہ، مسجد خضر بی بی، خانم مسجد، شاہ زندہ، ریگستان اسکوائر، خست امام کمپلیکس، حضرت دانیال کا مزار وغیرہ کا بھی بیان کیا ہے۔ یہ نہ تو صرف جو نظر سے دیکھا وہ بیان کرتے ہیں بلکہ اس کی تاریخ کہ ہر ایک پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں اور جہاں شک وشبہ کا پہلو نکلتا ہے اس پر اظہار خیال بھی کرتے ہیں جیسے خواجہ اکرام الدین سمرقند میں موجود حضرت دانیال علیہ سلام کی سترہ میٹر لمبی قبر کی زیارت سے قبل مصر میں کر چکے تھے جہاں حضرت لقمان کی بھی قبر تھی اس کے علاوہ ایران کے شوش میں بھی دانیال کی قبر ہونے کا قیاس کیا جاتا ہے اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت دانیال کی قبر انور کے بارے میں اختلاف ہے، میں خود مصر کے قدیم شہر اسکندریہ میں حضرت دانیال کے مزار پر حاضری دے چکا ہوں۔ وہاں ان کی قبر مبارک کے ساتھ حضرت لقمان کی بھی قبر ہے لیکن سمرقند میں ان کی قبر کی لمبائی سترہ میٹر ہے''

خواجہ محمد اکرام الدین، امام بخاری کے ملک مین چند روز، ص ۱۴۔ ۲۴

تاریخی عمارات اور مزارات کے علاوہ سفرنامے میں خواجہ اکرام الدین نے وہاں کی رسم ورواج، مہمان کے گھر تشریف لانے پر دعا کرنے کی رسم اور شادی کے موقع پر مردانہ پلاؤ کا رواج، مزاروں میں اجتماعی دعا، عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا وغیرہ کا ذکر نہایت ہی سادہ اور سلیس انداز میں کیا ہے۔ کہیں کہیں کچھ محاوروں کو بخوبی برتا ہے ساتھ ہی سفرنامے میں شاہراہ سلک کا جغرافیہ، نقشہ کی وضاحت دائرۃ المعارف کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ ازبکستان کے قدرتی مناظر کی عمدہ عکاسی کی ہے، چاہے وہ سلک شاہراہ میں اسٹوبیری کے پیڑ ہوں یا کشتاں کا بیڑ اور کے پھل پھول کے رنگ اور اس کے فائدے۔ پروفیسر عتیق اللہ ان کے انداز اسلوب کے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

''خواجہ صاحب کو اپنی گفتگو کو قرات نواز بنانا بھی خوب آتا ہے۔ وہ جب کسی خانقاہ یا مسجد یا مزار پر ہوتے ہیں تو ان میں ایک والہانہ پن عود کر آتا ہے۔ ماحول اور فضا کی پاکیزگی اور سریت کو لفظوں میں کسب کرنے کے دوران روحانی یگانگت کا احساس ہونے لگتا ہے فطرت کے مظاہر سے لطف ندوزی کے دوران وہ مصور بن جاتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ رنگوں کو چھو رہے ہیں اور خوشبوؤں کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ خوبصورتی محض فطرت تک ہی محدود نہیں ہے وہ ان رہائش گاہوں میں دیکھتے ہیں جہاں آمدنی کے ذرائع محدود ہیں مگر خوش سلیقگی، مہمان نوازی اور سجع کاری کا کلچر من وعن برقرار ہے۔''

ہوئی ہے''

(مشاہدات، پروفیسر خواجہ اکرام الدین، دہلی، ۲۰۲۰ ص ۲۱۔)

نئے سفر کی لذتوں سے جسم و جاں کو سر کرو
سفر میں ہوں گی برکتیں سفر کرو سفر کرو

(مہتاب حیدر نقوی)

اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے خواجہ اکرام الدین نے مختلف ملکوں کا سفر کیا زیر نظر سفر نامہ ''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' سفر ناموں کا مجموعہ ''مشاہدات'' میں شامل ہے۔(اس کے علاوہ یہ الگ سے کتابی صورت میں بھی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔) اس میں تقریباً گیارہ سفر نامے ہیں جو سارے کے سارے سیر و تفریح کے بجائے علم و ادب اور بزرگان دین کے متعلق ہیں اس میں انھوں نے پاکستان، جاپان، یورپ موریشس، ترکی اور مصر وغیرہ کے سفر کے بعد تحریر کئے خواجہ اکرام الدین مشاہدات کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:

''اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں اردو زبان کی تدریس سے وابستہ ہوں اور اسی حوالے سے میرے سفر ہوئے۔ ان اسفار کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ اردو زبان کی مقبولیت کیا ہے اور اردو زبان نے تہذیبی طور پر کتنے ممالک کا سفر کیا ہے۔ بعض ممالک ایسے ہیں جہاں اسکول کی سطح سے یونیورسٹی کی سطح تک اردو پڑھائی جاتی ہے اور اکثر ممالک ایسے ہیں جہاں بی۔ اے کی سطح سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ ہم اردو والوں کے لیے فال نیک ہے کہ اردو کی تعلیم و تدریس دنیا کے کئی ممالک میں ہو رہی ہیں۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں۔ وہاں کے احباب کی بھی آمد و رفت بہت کم ہے۔ اس لئے بہت سے لوگوں کو ہم جانتے بھی نہیں جبکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے''

(مشاہدات، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، دہلی ۲۰۲۰ ص ۸۔ ۷)

''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' مشاہدات کا آخری اور شاندار سفر نامہ ہے اس کو خواجہ اکرام الدین نے ازبکستان میں بحیثیت وزیٹنگ پروفیسر کے ۱۵ دن کے قیام کی واپسی پر لکھا۔ ''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' سفر نامے کا ازبک زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جس کو تاشقند اسٹیٹ یونیورسٹی آف اورینٹل اسٹڈیز کے ''پروفیسر محیا عبد الرحمانوا'' نے کیا ہے اس سفر نامے میں انھوں نے ازبکستان کی خوبصورتی رنگا رنگی، وہاں کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، جغرافیائی نقشہ کو عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔

ازبکستان کو اولیا کی سرزمین کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سرزمین سے امام بخاری اور امام ترمذی کا تعلق ہے جن کا شمار صحاح ستہ کے مرتب نگاروں میں ہوتا ہے خواجہ اکرام الدین نے اس سفر نامے میں ان اولیا کی علمی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے بخارا کا کچھ اس انداز میں تعارف پیش کرتے ہیں:

یسریٰ سہیل
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

امام بخاری کے شہر میں چند روز: ایک جائزہ

کچھ نہیں ہم مثال عنقا لیک
شہر شہر اشتہار ہے اپنا

اردو زبان و ادب کے فروغ میں خواجہ اکرام الدین کا نام نمایاں اہمیت کا حامل ہے خواجہ اکرام الدین جواہرلال نہرو یونیورسٹی کے سینٹر آف انڈین لینگوئج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ان کا بیشتر ادبی سرمایہ تحقیق و تدوین پر مشتمل ہے جن میں سے کئی کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں اور دوسرے ملکوں میں زیر نصاب شامل ہیں۔اس کے علاوہ ''اردو دنیا''، ''بچوں کی دنیا'' اور ''فکر و تحقیق'' جیسے رسائل کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔خواجہ اکرام الدین اردو زبان و ادب کی خدمات کے سلسلے میں ملکی اور غیر ملکی اہمیت کے حامل ہیں ان کو حیدر طباطبائی ایوارڈ فرینکفرٹ، جرمنی ۲۰۱۸،سفیر اردو ایوارڈ، ڈنمارک ۲۰۱۶،آؤٹ اسٹینڈنگ اچیومینٹ ایوارڈ، ترکی ۲۰۱۶،نشان امتیاز، اردو سائنس کانگریس، علی گڑھ ایوارڈ ۲۰۱۶،فخر اردو ایوارڈ، بہار، ۲۰۱۴، اردو اکادمی ایوارڈ ایوارڈ برائے تحقیق و تنقید، دہلی ۲۰۲۲اور

دیگر دوسرے اعزازی انعامات سے بھی سرفراز کیا گیا ہے ڈاکٹر رکن الدین خواجہ اکرام الدین کی اردو زبان و ادب کی خدمات کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان وزرات برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے اپنے ڈائریکٹر شپ کے دوران انھوں نے قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ سے قابل قدر اضافہ کیا۔انہی کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد پڑی۔انھوں نے اردو کو نئی ٹکنا لوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا۔۔۔۔۔۔دنیا بھر میں موجود اردو سیکھنے والوں کے لئے انھوں نے آن لائن اردو لرنگ کا پروگرام شروع کیا(www.onlineurdulearning.com) جیسے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل

(پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات، ص 75)

ٹیکنالوجی پر مبنی میڈیا کے اس امکانی جہت میں خواجہ صاحب نے اردو میڈیا کے فروغ کے لیے جس سنجیدہ مباحثہ پر غور وخوض کیا ہے۔خواجہ صاحب کا یہ عمل اردو میڈیا اور صحافت کے لیے فعال ثابت ہوگا۔ پروفیسر خواجہ اکرام نے جدید ٹیکنالوجی کے لیے بہت سی شخصیات سے کرنے کا موقع دیا ہے۔ بلاشبہ ان تمام سنجیدہ علمی وادبی کاوشوں کے ذریعے اردو کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔اور بین الاقوامی سطح پر اردو کی مقبولیت اور پسندیدگی میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان وادب کا بیش قیمت اثاثہ ہیں۔اور یہ بھی سچ ہے کہ ایسی ہمہ جہت اور سنجیدہ شخصیت روز دنیا میں نہیں آتی۔ میں ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ وہ فروغ اردو کے حوالے سے مزید موثر اقدامات کرنے میں کامیاب ہوں کہ ہماری بقا اور ترقی اردو کی بقا اور ترقی سے مشروط ہے۔

OOO

اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات خواجہ اکرام کی کتاب ہے۔ یہ الیکٹرانک میڈیا کے شعبہ میں اردو زبان کے امکانی جہتوں کی تلاش وتعبیر کی ایک کوشش ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول تکنیک کے دستیاب نئے وسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ آج کے عہد کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ہر دن ایک نئے تجربے سامنے آتے ہیں۔ کمپیوٹر ایک ایسا آلہ ہے جو آپ کو ڈاٹا ان پٹ کرنے، جلدی اور صحیح طریقے سے ڈیٹا پرائنس کریا ور ڈیٹا کو جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے اس طرح کمپیوٹر ایک یا ایک سے زیادہ ان پٹ، آوٹ پٹ ایک پراسسنگ اکائی پر مشتمل ہے۔ اس طرح الیکٹرونک میڈیا اور ریڈیو بھی اہم ذریعہ ہے جہاں پہلے سے زیادہ اور بہتر فری کوریئنسیز ہیں۔ جو بیک وقت تفریح کے ساتھ معلومات کی ترسیل بہم پہنچاتے ہیں۔ اس طرح انٹرنیٹ بھی ایک بڑا میڈیم ہے۔ یہ میڈیم گلوبل ولیج کی شکل کو تبدیل کر کے اسکرین کی شکل میں پیش کر رہا ہے۔ موبائل فون کی ایجاد بھی دنیا میں ایک بڑا انقلاب ہے موبائل فون کمپیوٹر سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ہے اور یہ انسان کی بنیادی ضروریات میں سے چوتھی بنیادی ضرورت بن چکا ہے۔ بقول خواجہ اکرام:۔

> ''تاہم موجود ذرائع و وسائل دنیا بھر میں ربط وتعلق کو نئی بلندیوں تک پہنچا رہی ہے۔ دور دراز مقیم احباب کا روبرو باتیں کرنا اور تجارتی رفیق کار سے ہمہ وقت جڑے رہنا یہ سب ممکن ہے۔ یہ جدید تکنیکی وسائل تجارت سے لے کر سیاحت تک اور معاشرتی سرگرمیوں یعنی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں سرایت کر چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ذاتی کمپیوٹر، سیل فون، ای میل اور انٹرنیٹ ہماری زندگی کے جزو لاینفک ہو چکے ہیں۔''
>
> (پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات، ص16۔17)

یہ باتیں اس وقت لکھی تھیں جن انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا اتنا رواج بھی نہیں تھا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ خواجہ اکرام ٹکنالوجی کے دور رس اثرات اس سے ہی دیکھ رہے تھے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ انٹرنیٹ کے جدید اسلوب کا احاطہ کرتا ہے۔ بلاگ نویسی دراصل قدیم مکتوب نگاری کا جدید پیراہن ہے جو ابلاغ وترسیل کی دنیا میں ماضی کی حد بندیوں پر قدغن لگاتے ہوئے خوش گوار اور امکانات واضح کرتے ہیں۔ اس حصے میں بلاگ نگاری کے چند نمونے بھی پیش کرتا ہے۔ جس سے جدید تکنیکی وسائل کے حامل نئے اسلوب کی بازیافت ممکن ہو پاتی ہے۔ بقول خواجہ اکرام:

> ''بلاگ متنوع مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے بہت سے بلاگز کسی خاص مضمون پر تبصرے مہیا کرتے ہیں بعض بلاگ آن لائن ذاتی روزنامچہ کا کام کرتا ہے بعض بلاگ کسی مخصوص فرد یا کمپنی کی آن لائن تشہیر کی ذمہ داری نبھا رہا ہے ایک عمدہ بلاگ عبارت متن گراف ایک بلاگ سے دوسرے بلاگ میں لنک اپنے موضوع سے ہم آہنگ دوسری صحافتی مواد کا حامل ہوتا ہے بلاگ کی اس افادی پہلو کے پیش نظر درس وتدریس کی دنیا میں رہنما منابع کی حیثیت حاصل ہے۔''

انکشافات کا سلسلہ جاری ہے لیکن پچھلی دو دہائیوں سے انسان نے جو کرشمے دیکھائے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔الیکٹرونک میڈیا میں ایک بڑا میڈیم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ہے۔یہ ایسا میڈیم ہے جو گلوبل ولیج کے تصور کو بدل کر اسکرین میں پیش کر رہا ہے۔موبائل فون اور ایپز ائیڈ کی سروسز دنیا کو گاؤں سے ہتھیلیوں میں سمیٹنے لگی۔انٹرنیٹ نے تمام فاصلوں کو کم کر دیا ہے۔انھوں نے جہاں لوگوں کے روابط آسان کر دیے وہیں اس نے لوگوں کے لیے تمام چیزوں کے حصول میں آسانی کر دی ہے۔بقول خواجہ اکرام:۔

"انٹرنیٹ آج کے دور کی عظیم حیرت انگیز،مفید اور کارآمد ایجاد ہے جس نے اگر ایک طرف فاصلوں کو کم کر دیا ہے تو دوسری طرف معلومات کا انبار لگا دیا ہے۔دنیا بھر کی ڈیجیٹل لائبریریز،انسائیکلوپیڈیا اخبارات و رسائل،ویب سائیٹ بلاگز اور کتب سب یہاں موجود ہے۔آن لائن لرننگ سائیٹس،آن لائن سیاحتی امداد،آن لائن شاپنگ بزنس گائیڈ کے علاوہ صحت و تندرستی کی رہنمائی مزین ویب سائٹ،امتحانات کے نتائج،فارم بھرنے کی سہولت،دنیا میں موجود تعلیمی،اقتصادی روابط ان لائن موجود ہیں۔یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جہاں سے آپ ہر طرح کے علم و فن اور تفریح و تفنن کے اسباب و مواد حاصل کر سکتے ہیں۔"

(خواجہ محمد اکرام الدین،اردو میڈیا،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی،2012ء،ص350)

سائبر اسپیس نے زبان و ادب کی ترقی کی راہیں ہموار کی ہیں۔آج کمپیوٹر کی زبان نہ صرف اردو ہے بلکہ دنیا کے مختلف ممالک اپنی مادری زبان میں کمپیوٹر استعمال کر رہے ہیں۔باقی تمام زبانوں کی طرح اردو زبان نے بھی ترقی کر لی ہے کہ اس نے خود کو کمپیوٹر کی زبان بنا لیا ہے۔ای میل،چیٹنگ،براوزنگ پورا کمپیوٹر اردو زبان میں استعمال کر سکتے ہیں۔وکی پیڈیا جیسی ویب سائیٹ کا اہم ذریعہ ہے یہ بھی اردو میں دستیاب ہے:

''وکی پیڈیا معلومات کا اہم ذریعہ ہے یہ بھی اردو میں دستیاب ہے اس کی پیڈیا کی شروعات 2005ء میں ہوئی۔لیکن اردو والوں کی بے توجہی کی وجہ سے اب تک اس میں بہت سی چیزیں موجود نہیں ہیں کیوں کہ اس کی تخلیق اشتراک سے ہوئی ہے اور یہ ہماری توجہ کی طلبگار ہے۔''

(خواجہ محمد اکرام الدین،اردو میڈیا،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی،2012،ص353)

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی نے زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلیاں کی ہیں وہیں زبان و ادب کے حوالے سے نئے امکانات سامنے آتے ہیں۔

اس سمت میں کام کرتے رہے۔قومی کونسل کی ڈائریکٹری کے دوران میں اردو کو نئی ٹیکنالوجی سے جوڑنے کے لیے وزارت اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے اشتراک سے درج ذیل اقدامات کیے:

☆ آن لائن اردو لرننگ پروگرام 21 جون 2012ء کو سی آئی ایل میسور کے اشتراک سے شروع کیا۔

☆ آئی ٹی منسٹری کے اشتراک سے اردو انڈیا کی بورڈ برائے ونڈو اور اینڈرائیڈ لانچ کیا۔

☆ آئی ٹی منسٹری کے اشتراک سے اردو کے بارہ نسخ فونٹ اور ایک نستعلیق فونٹ کا اجرا کیا۔

☆ سی ڈیک کے اشتراک سے اردو پیڈیا (www.urdupedia.in) کا آغاز کیا۔

☆ سی ڈیک کے اشتراک سے قومی کونسل کی کتابوں کو ڈیجیٹلائز کیا۔

☆ قومی کونسل کے تحت آن لائن اردو ڈیجیٹل لائبریری کا اجرا کیا۔

☆ ڈریم (Diploma in Repair of Electronic Appliances and Maintenance) کا آغاز کیا۔

☆ کشمیر کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے'' پیپر ماشی'' کورس کی ابتدا کی۔قومی کونسل کے سینٹر کی آن لائن مانیٹرنگ کے لیے سوفٹ ویئر لانچ کیا۔دنیا بھر میں موجود اردو سیکھنے والوں کے لیے انھوں نے چند برس قبل آن لائن اردو لرننگ کا پروگرام شروع کیا جسے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے صدر نشین بھی ہیں جو ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ ہے۔اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود اردو کے اساتذہ، دیبوں، شاعروں، فکشن نگاروں، صحافیوں، طلبہ و طالبات اور قلم کاروں سے رابطہ و اشتراک اور باہمی تعاون، نئی نسل کے ادیبوں اور قلمکاروں کی حوصلہ افزائی، اردو وتدریس کے فروغ کے لیے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش، اردو کے مہجری ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت، اردو کی نئی کتابوں پر تبصرے اور اس کی رسائی کے امکانات کی تلاش اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری ہے۔

عالمی سطح پر جب کورونا کے وبائی مرض نے لوگوں کو گھروں میں مقید کر دیا تو تقریباً بیشتر زندگیاں مفلوج ہونے لگیں۔لوگوں کو ان حالات میں ذہنی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ایسے حالات میں خواجہ اکرام نے ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے آن لائن سیمنار اور مذاکرے کے ساتھ ساتھ سب سے اہم پیش رفت یہ کی کہ انہوں نے'' مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلہ'' کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو کے ادیبوں سے لوگوں کو متعارف کرانے کا اہتمام کیا۔انہوں نے دنیا کے ان ممالک کا سفر بھی کیا جہاں اردو کی بستیاں موجود ہیں۔پروفیسر خواجہ اکرام نے مہجری ادب پر خود بھی بہت کام کیا ہے اور اپنے کئی اسکالرس سے تحقیقی مقالے بھی لکھوائے ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی کتاب'' اردو میڈیا'' ہے۔جس میں خواجہ صاحب نے ان لائن میڈیا کا تصور اور اردو ادب پر بات کی ہے۔اس میں آپ نے انٹرنیٹ کے فوائد سے آگاہ کیا ہے۔عرصہ دراز سے

انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اپنی ڈائریکٹرشپ کے دوران انہوں نے قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ کے ذریعہ قابل قدر اضافہ کیا۔ انہی کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور ''عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد پڑی۔ غضنفر صاحب اپنے ایک خاکے ''نرم دم جستجو گرم دم جستجو'' میں خواجہ اکرام کا ٹیکنالوجی سے وابستگی کے لیے کہتے ہیں:۔

> بین الاقوامی ادبی مراسم کو متحرک رکھنے اور اس میں انفعالیت لانے کے لیے خواجہ اکرام نے اپنے اس کمپیوٹر کے علم کا دائرہ اٹھایا جس کا تجربہ وہ قومی اردو کونسل کے پروگراموں کے اہتمام و انعقاد میں کر چکے تھے۔ وہاں کے ان لائن اردو کورس جس کی تیاری میں مجھ خاکسار کا بھی بڑا اہم کردار رہا ہے۔ نئی ٹیکنالوجی نے زوم کی صورت میں خواجہ کے ہاتھوں میں ایسا منتر تھما دیا کہ جسے پڑھتے ہی کائنات کمرے میں سمٹ آتی ہے۔ دوریاں مٹ جاتی ہیں اور انسان اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ آن لائن اردو پروگراموں پر اگر کبھی تحقیق ہوئی تو بلاشبہ خواجہ اس میدان کے بابائے زوم کہلائیں گے۔

(سہ ماہی سیما، صفیر افراہیم، خاکہ، نرم دم جستجو گرم دم جستجو، غضنفر، جنوری تا مارچ 2023ء، علی گڑھ، ص 153)

آج کا دور اور آنے والا عہد شاید انہیں برقی وسائل کا محتاج ہو کر رہ جائے۔ جس طرح آج ہم موبائل فون اور انٹرنیٹ کے اس طرح عادی ہو گئے ہیں کہ اسے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان وسائل نے انسانوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ خیر جو بھی کہیں اور جس طرح سے کہیں حقیقت سے نظر نہیں چرا سکتے ہیں۔

لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان برقی وسائل کو اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اور اپنی شناخت کے طور پر اس طرح استعمال کرنا شروع کر دیں کہ یہ ہماری شناخت کا علمبردار بن جائے۔ لیکن یہ 'کارے دارد' کے مصداق ہے۔ دیکھیں اب تک زیادہ تر احباب بلکہ اب تو تمام لکھنے پڑھنے والوں کے لیے ''ای۔ بک'' ایک ضرورت بن گئی ہے لیکن اب اس سے آگے کا ایک قدم اور بھی ہے جہاں کتابوں کی دنیا نے نئی پہل کی ہے اور وہ ہے ''اسمارٹ بک'' اور ''اسمارٹ ای بک'' تیزی سے بدلتے اس عہد میں اپنی زبان و تہذیب کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس جانب متوجہ ہوں کیونکہ ہماری آنے والی نسل اور موجودہ نسل انہیں وسائل سے استفادہ کرے گی۔ ہم چاہیں نہ چاہیں وہ وقت کے ہاتھوں مجبور ہوں گے۔ آج کا دور ہمارے اور آپ کے چاہنے سے نہیں بلکہ صارفی دنیا کے حکمرانوں سے چل رہی ہے۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اردو کو نئی ٹیکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا۔ کئی اردو سافٹ ویئر کا اجرا کیا، نیز ٹکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنے کی سمت میں متعدد اہم اقدامات بھی کیے۔ اردو کے نئے امکانات کی تلاش میں خواجہ اکرام مستقل سرگرم ہیں اسی لیے کونسل کی مدت کار کے اختتام کے بعد بھی وہ

سدرہ کرن
لیکچرار اسپائر گروپ آف کالج، سیالکوٹ

پروفیسر خواجہ اکرام جدید ٹیکنالوجی کے آئینے میں

انسانی شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک ظاہر اور دوسرے باطنی۔ظاہر وہ جسے صرف دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے ہیں، لیکن باطنی خوبیاں کسی سے ملاقات کے بعد یا معاملات کے وقت ہی لوگوں کو متاثر کرتی ہیں۔ظاہری خوبصورتی کا اثر عارضی ہوتا ہے جب کہ باطنی خوبیوں کا اثر پائیدار اور دیر پا ہوتا ہے اور یہی باطنی خوبیاں کسی بھی فرد کو متاثر کن یا مثالی شخصیت کا روپ دیتی ہیں۔ایسی ہی مثالی شخصیت کا روپ دھارنے والی شخصیات میں عہد حاضر کے جواں فکر محقق، نقاد، سفرنامہ نگار، ہر دلعزیز نظامت کار خواجہ اکرام الدین بھی شامل ہیں۔ان کی شخصیت سچائی، محنت و مشقت، توجہ و یکسوئی، مثبت رویہ، انصاف پسندی، صبر و توکل، خوش مزاجی خدمت و محبت، اعتدال و میانہ روی، ایمانداری جیسی کئی خوبیوں سے مزین ہے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نئی دہلی میں واقع جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں اردو کے پروفیسر ہیں اور اردو زبان و ادب کی خدمات کے حوالے سے وہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔خواجہ اکرام کی اب تک 28 کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے بعض کتابیں ہندوستان اور بیرون ممالک یونیورسٹیوں میں شامل نصاب ہیں۔خواجہ محمد اکرام الدین کو ان کی علمی و ادبی کارکردگی کے عوض کئی ملکی اور بین الاقوامی اعزازات و انعامات سے نوازا گیا جن میں جاپان، ڈنمارک، جرمنی اور ترکی کے علاوہ بھارت کے مختلف علمی و ادبی اداروں کے اعزازات شامل ہیں۔

خواجہ اکرام الدین کی ولادت 25 دسمبر 1964ء کو بھارتی ریاست جھارکھنڈ کے مقاموں میں ہوئی۔ انہوں نے مختلف کالج اور جامعات سے اردو میں بی اے، ایم اے، ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ ماس میڈیا میں ایڈوانس ڈپلوما کے ساتھ انہوں نے اردو زبان و ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔خواجہ اکرام کو اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی، عربی اور فارسی زبان میں دسترس ہے۔انہیں اردو تنقید، اردو ٹکنالوجی اور جدید ٹکنالوجی میں خاصی دلچسپی ہے اور اسی دلچسپی کی بنا پر انہوں نے اردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے کے لیے نمایاں اقدامات کیے ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ

اور بیشمار مضامین آپ کی خدمت کا اعتراف ہیں۔

آپ کی سب سے اہم خواہش اور کوشش اردو زبان وادب کی فروغ اور ترویج ہے اور اسے عصری تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کر کے ادب کو مقاصد کی رفعت کے اعتبار سے ہم دوش ثریا کیا جا سکے۔ ڈاکٹر افضل مصباحی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں آپ نے اس خواہش کا شدت سے اظہار کیا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی سے جوڑ کر اردو کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ آپ طالبان ادب کے لیے عزم وحوصلے کی عملی تصویر ہیں۔ تعلیم اور ادب کے لیے آپ دامے درمے سخنے قدمے جو گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے ثمرات بہت جلد نسلِ نو حاصل کرے گی۔

تدریسی اور انتظامی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آپ علمی وتحقیقی نوعیت کا کام جس جانفشانی اور جذبہ صادق سے انجام دے رہے ہیں، وہ آپ کی اردو زبان وادب سے گہری شیفتگی کا برملا اظہار ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ علمی اور ادبی میدان میں آپ کو نت نئی جولانیاں نصیب ہوں۔ آپ کا قلم رواں رہے اور اردو زبان کی تصحیح وترویج ہوتی رہے۔ آمین

○○○

کے سفر میں قدرت نے آپ کے لیے ایسے کئی مواقع فراہم کیے جن کے ذریعے آپ نے یہ تمام کام احسن طریقے سے انجام دے کر لازوال مثال قائم کی ہے۔آپ نے اپنے تین سالہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ڈائریکٹرشپ میں بہت سے اہم کام کیے اور قومی کونسل کی کارگردگی میں قابل قدر اضافہ کیا۔

آپ نے اردو کو جدید ٹیکنالوجی سے مربوط کر کیا اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع اور روشن تر کیا ہے۔آپ نے اردو ادب کی صحیح معنوں میں سرپرستی کرنے کی کاوش کی ہے۔سرحدوں پار بیٹھے ہوئے ادیبوں، شاعروں، دانش وروں، صحافیوں کو جس طرح ایک پلیٹ فارم مہیا کر کے اکٹھا کیا ہے، وہ صد لائق تحسین ہے۔''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' کے ذریعے جس طرح ٹیکنالوجی اور ادب کا ادغام کر کے ایک پلیٹ فارم کا اجرا کیا اس سے حیران کن اور خوش گوار مثبت اثرات دیکھنے کو ملے۔اس کے ذریعے ویبینار، سیمنار، مذاکرے، کتابوں پر تبصرہ، توسیعی لیکچرز، ادبی مباحثے کا انعقاد اتنے کامیاب طریقے سے کروایا کہ دنیا کے لیے مثال بنے۔یہ سلسلے کامیابی کے ساتھ جاری وساری ہیں۔کرونائی دور کی ہولناکیوں میں جب ہر کوئی محدود اور ملنے راستے مسدود ہو گئے تھے، آپ نے صاحبان علم وادب کو اس پلیٹ فارم کے ذریعے کمال خوبی سے جوڑے رکھا۔اس پلیٹ فارم کے ذریعے جاپان، ایران، مصر، ازبکستان، پاکستان، آذربائیجان، ترکی، ڈنمارک، نیویارک اور دیگر ممالک کے ادب سے وابستہ لوگوں کو اظہار کا بھرپور موقع فراہم کر کے ان کے درمیان اجنبیت کی حائل دیواروں کو نہ صرف دور کیا بلکہ محبت ویگانگت کی اس لڑی میں پرو دیا ہے جس کی مانند وہ ایک مضبوط جسم کے مختلف حصوں کی نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کا سب سے اہم کارنامہ مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کی کاوشوں کو منظر عام پر لانا ہے۔ان کی ادب پروری سے جہاں دنیا روشناس ہوئی وہیں اس بات کا عملی ثبوت فراہم ہوا کہ ادب سے محبت، وابستگی، لگاؤ زمان ومکان کی حدوں سے ماورا ہے۔خواجہ اکرام الدین نے ان کی کاوشوں کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔آپ مختلف علوم وفنون کا مخزن ہیں۔آپ کی کاوشوں کو صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ اکناف عالم میں سراہا جارہا ہے۔آپ کو دیے جانے والے ایوارڈ اور اعزازات کی ایک طویل فہرست ہے جو ایک بسیط مقالے کی متقاضی ہے۔حال ہی میں اردو اکادمی دہلی کی جانب سے ※※ ایوارڈ برائے تحقیق و تنقید ۲۰۲۱۔ ۲۰۲۲ء ※※ سے آپ کو نوازا گیا ہے جو آپ کی علمی وادبی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اس پیغام کو واضح کرتا ہے کہ محنت وخلوص اور جذبے کی گہرائی وسچائی سے جو بھی کام کیا جائے، کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوتا ہے۔آپ کی ادب دوستی اور خدمات کے اعتراف میں کئی تحقیقی مقالے بھی لکھے جاچکے ہیں۔۲۰۲۲ء میں جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان سے مقالہ نگار ماریہ اسلم نے ''خواجہ محمد اکرام الدین کی تحقیقی وتنقیدی خدمات'' پر ایم فل کا مقالہ لکھا ہے جس میں آپ کی خدمات کو بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔فریحہ انور جی سی یونیورسٹی فیصل آباد نے ''خواجہ محمد اکرام الدین بہ حیثیت سفرنامہ نگار'' ایم فل کا مقالہ لکھا۔یہ تمام مقالے

''خواجہ صاحب سلسلہ گفتگو میں ارتکاز کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ان کا ذہن بہت مرتب ہے، چیزوں کو بکھرنے نہیں دیتا۔'' (مشاہدات، ص:۵۱)

ان کے سفرنامے ہوں، تحقیق ہو یا تنقید وہ اس احتیاط کا پہلو ہر جگہ مدنظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی وسعت نظری کو ان کے اسفار کی مشاہداتی اور تجرباتی دنیا نے مزید جلا بخشی ہے۔ ان خارجی وداخلی مشاہدات سے ہم آہنگ ہو کر آپ نے جو سفرنامے لکھے ہیں وہ بذات خود ایجاز واختصار کے باوجود اپنے اندر جہانِ معنی سموئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ سفرنامے محض تفریح یا وقت گزاری کے لیے نہیں کیے گئے۔ ان میں مقصدیت کارفرما ہے اور جب خواجہ صاحب جیسا باصلاحیت، زیرک دانشور وادیب باریک بیں نگاہوں سے واقعات وحالات کو پیش کرتا ہے تو یہ ادب کی چاشنی سے لبریز، تہذیب وترتیب اور حسن وحیرت کا مرقع نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ اپنائیت اور چاہت نظر آتی ہے جو ادیب کو ادب سے ہوتی ہے۔ وہ ادب کے نمائندہ بن کر بلکہ یہ کہا جائے کہ اردو کے سفیر کی حیثیت سے سفر کرتے ہیں، تو بے جا نہ ہوگا۔ ادب کے دامن کی طرح ان کا دل بھی اتنا وسیع ہے کہ وہ تعصب جیسی آلائشوں سے بالکل پاک نظر آتے ہیں۔ پاکستان سے ان کا لگاؤ، ان کی محبت اس کا عملی مظہر ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں ممالک کے درمیان ہزاروں برس کے جذباتی، ثقافتی، تہذیبی اور اقتصادی روابط ہیں اسی لیے ان کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا سفرنامہ ''پاکستان کتنا دور کتنا پاس'' پڑھ کر ہر لفظ سے محبت ویگانگت ٹپکتی نظر آتی ہے۔ ان کے سفرنامے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ قاری کے تجسس اور حیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح تمام مراحل بخوبی سے طے کرواتے ہیں کہ تشنگی باقی نہیں رہتی۔ بلکہ خود قاری لحہ بہ لحہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ محوِ سفر پاتا ہے۔

گفتگو کی روانی اور لفظوں کی جولانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ شناورِ ادب ہیں اور زمانے کے جدید تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کا فن آتا ہے۔ آپ کے لیکچرز تدبر، فراست، معاملہ فہمی، خوش مزاجی اور آپ کی علمی، فکری اور فنی مہارت کا ثبوت ہیں۔ آپ جس طرح اپنے افکار وخیالات کا اتصال کرتے ہیں اس سے طالبان علم کی تشنگی دور ہوتی ہے اور صاحبان علم کی فکر مہمیز ہوتی ہے۔ آپ کی خیال افروزی کی اثر پذیری کا حوالہ اک عالم نے جانا اور مانا ہے۔

آپ کا سب سے اہم اور منفرد کام ٹیکنالوجی کی اس برق رفتاری میں اردو ادب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اسے ٹیکنالوجی کے ساتھ وابستہ کرنا ہے۔ اس کام میں آپ یگانہ روزگار ہیں۔ آپ کی دوربیں نگاہوں نے اس حقیقت کا ادراک بہت پہلے ہی کر لیا تھا کہ اردو ادب کو ہم عصری تقاضوں کے مطابق نہ ڈھالا گیا تو زمانے کی تیز رفتاری میں اس کے نقش دھندلانے لگے گے۔ اس کے لیے آپ نے جو اقدامات کیے وہ قابل قدر اور قابل ذکر ہیں۔ آن لائن اردو لرننگ، نستعلیق فونٹ کا اجرا، آن لائن اردو ڈیجیٹل لائبریری کا قیام، سی ڈیک کے اشتراک سے اردو پیڈیا کا آغاز، کتابوں کو ڈیجیٹلائز کرنا اور دیگر ایسے بہت سے کام ہیں جن کا سہرا آپ کے سر ہے۔ ڈھونڈنے والوں کو نئی دنیا مل ہی جاتی ہے، آپ کی اس ان تھک کاوشوں، محنت، عرق ریزی اور خلوص نیت

''رشید احمد صدیقی اپنے عہد کے ادبی رجحان و رویے سے ضرور متاثر ہوئے مگر اس کے اظہار میں انہوں نے فکری و فنی لحاظ سے نہ صرف جدت و ندرت پیدا کی ہے بلکہ اسے وسعت و معنویت بھی عطا کی ہے۔'' (ص: ۱۳۴)

تجزیہ کرتے وقت ہر پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ایک متوازن رائے قائم کرتے ہیں جس میں حق و صداقت کا دامن تھامے ہوئے بے لاگ رائے پیش کرتے ہیں:

''سید محفوظ علی کی کردار سازی میں تمثیلی انداز ہے جسے اردو ظرافت میں نئی چیز کہہ سکتے ہیں مگر اس دشوار گذار فن سے وہ پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکے ہیں البتہ زبان و بیان کی بے ساختگی و برجستگی اور انداز نگارش کی شگفتگی نے انہیں مقبول بنایا۔ حالانکہ ادبی اعتبار سے ان کی تحریروں میں خیالات معمولی اور فکر سطحی نظر آتی ہے۔ (ص: ۵۸)

لسانی حوالے سے جب جائزہ لیتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ لسانی میدان کے شہسوار ہیں۔ ایک اقتباس کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد اس کا لسانی مطالعہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پورے اقتباس میں اسما کے مقابل افعال کی تعداد زیادہ ہے اور صفات در صفات کے استعمال سے لفظی و صوتی ہم آہنگی اور مماثلت سے عبارت میں روانی بھی آ گئی ہے اور چند مخصوص الفاظ کے استعمال سے لطف زبان دوبالا ہو گیا ہے۔ مثلاً شیخوخت پناہ، مشیخت دستگاہ، بغچہ بادہ فروش، لڑ نتئے یا بنوٹئے، یہ تمام الفاظ عام استعمال کے ہیں اور نہ ہی ہر شخص اس طرح کے الفاظ کو بے تکلفی اور برجستگی اور اتنی معنویت کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے''۔ (ص: ۴۷)

ادب کے تصور، اس کی اہمیت اور اس کی افادیت سے بخوبی آشنا ہیں۔ اسی لیے ادب کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ادب چونکہ انسان کے تمام تر احساسات و جذبات اور خیالات و نظریات کے اظہار کا وسیلہ ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ادب کے ذریعے انسان کی جبلی سرشت اور تقاضے کی عکاسی نہ ہو۔۔۔ ادب ہماری زندگی کے خوشی و غم، نغمہ و گریہ، ہمواری و ناہمواری کی ہی کسی نہ کسی طور ترجمانی کرتا ہے۔ اس ترجمانی کا لب و لہجہ رنگین و شیریں اور سنجیدہ و متین بھی ہو سکتا ہے اور مزاحیہ و طنزیہ بھی۔'' (ص: ۶۱)

خواجہ صاحب کی تصانیف میں ایک ربط اور حسن ترتیب کے جو لوازمات نظر آتے ہیں وہ ان کی ذہنی نظم و ضبط کو ظاہر کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب عملی زندگی میں بھی اسی ترتیب اور تنظیم کا عملی مظہر ہیں بقول پروفیسر عتیق اللہ:

جوت نے انہیں ادب کے قریب تر کر دیا اور شعبۂ تدریس سے وابستگی نے اسے مزید مہمیز دی۔ آپ نہایت منصفانہ اور محققانہ رویہ اپناتے ہوئے تدریسی فرائض کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ کا اندازِ تدریس جہاں طالبانِ علم و ادب کی جستجو و تشنگی کو نقطۂ تطمین فراہم کرتا ہے وہیں ان کے ذہنی افق کو وسعت آشنا کرتا ہے۔ آپ جیسے صاحبانِ علم کی موجودگی ان اداروں کی بھی ناموری کا باعث بنتی ہے، جن سے منسلک ہوں۔

خواجہ اکرام الدین صاحب تدریس کے ساتھ ساتھ پرورشِ لوح و قلم میں جس طرح منہمک رہتے ہیں وہ آپ کی علم دوستی اور ادب پروری کی دلیل ہے۔ آپ کی ۲۸ تصنیفات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ تمام کتب مختلف موضوعات پر ہیں جو آپ کے وسیع مطالعہ اور عمیق نگاہی پر دال ہیں۔ آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے اس سے آپ کا علمی و تحقیقی اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی شخصیت ہمہ جہت ہے۔ اردو زبان کے علاوہ ہندی، عربی، فارسی اور دیگر زبانوں پر آپ کو عبور حاصل ہے۔ آپ نے ٹیکنالوجی سے خاص دلچسپی کی بنا پر ماس میڈیا کی تعلیم بھی حاصل کر رکھی ہے جس کی بدولت اردو کو نئی ٹیکنالوجی سے جوڑنے اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

آپ کے نزدیک اردو زبان کا ادب دنیا کی ترقی یافتہ ادبیات کے مقابلے میں بہت کم عمر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی تمام اصناف میں اعلیٰ ادب کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف بھی مختلف اصناف سخن کا احاطہ کیے ہوئے متنوع موضوعات کی حامل ہیں۔ آپ نے تحقیق و تدوین کے ساتھ تنقید کے حوالے سے بھی لکھا اور اصناف کی اہمیت اور روایت کی وضاحت کرتے ہوئے اسلوب کے میدان میں بھی اپنی تخلیق کے جوہر دکھائے۔ اپنے سفرناموں کی بدولت کئی ممالک کے سفر بھی کروائے اور انٹرویوز کے ذریعے مشاہیر ادب کے جوہر سامنے لائے۔ آپ نے جو کچھ بھی زیبِ قرطاس کیا ہے اس سے آپ کی محنت، ذہانت اور ذکاوت کے ساتھ ادب سے گہری دلچسپی اور واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی تصانیف اور دیگر تفصیلات کے لیے ان کے ویب سائٹ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

www.khwajaekram.com

اس کے علاوہ بے شمار کالم، بلاگ، مضامین اور تبصرے آپ سپردِ قرطاس کر چکے ہیں جو آپ کے زود نویس ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ آپ کی تحریریں سوچنے، سمجھنے اور سیکھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں اور اسلوب کی دل کشی اور عمدگی اس پر مستزاد ہے۔ آپ اپنے اسلوب کو فکری آہنگ اور تہذیبی رنگ آمیزی سے تازہ و شاداب رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ زبان و بیان کے نشیب و فراز پر پوری دسترس رکھتے ہیں لیکن آپ کی تحریر کبھی گنجلک اور پیچیدہ نہیں ہوتی بلکہ اس میں روانی اور سادگی کے ساتھ ادب کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ آپ کے اسلوب اور زبان و بیان کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

> ''ترسیل و ابلاغ ہی کسی اسلوب کا مقصد اول ہوتا ہے لہٰذا مخاطب کی سطح ہمیشہ مصنف کے ملحوظ نظر ہوتی ہے''۔ (رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ، ص: ۱۴۰)

حافظہ عائشہ صدیقہ
لیکچرر شعبۂ اردو، اسلامیہ گریجوئٹ کالج
لاہور، پاکستان

خواجہ اکرام الدین۔۔۔عہد ساز شخصیت

عظیم شخصیات واقعات ورجحانات کو جنم دے کر تاریخی دھارے کو نئی جہت عطا کرتی ہیں۔ایسی عظیم شخصیات موثر وسیلہ بن کر جہانِ معنی اور فکر ونظر کے دریچے وا کر کے ملک وقوم کی مستقبل کی صورت گری کے لیے روشنی فراہم کر کے بہت سے لوگوں کی زندگیوں کے دھارے کو مثبت سمت عطا کرتی ہیں۔ایسی ہی چیدہ اور چنیدہ شخصیات میں ایک نابغۂ روزگار شخصیت پروفیسر خواجہ اکرام الدین کی ہے جو علوم ومعارف کا وہ بحرِ بےکراں ہیں جس میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی۔

ہندوستانی سرزمین میں نمو پانے والے اس گوہرِ آبدار نے اپنی فکر کی تابناکیوں سے جو شمع فروزاں کی ہیں اس کی ضیا پاشیوں سے طالبان علم اور قارئین ادب مستفید ہو رہے ہیں۔زمانہ ان کے علمی وادبی کمالات کا معترف دکھائی دیتا ہے۔اردو زبان وادب سے ان کا گہرا جذباتی لگاؤ انہیں ہر لمحہ متحرک رکھتا ہے جو دوسروں کے لیے کچھ کر دکھانے کا بھی محرک ثابت ہوتا ہے۔انہوں نے زمانے کی روش پر چلنے کی بجائے اپنا جہان آپ پیدا کیا ہے جہاں پر جویندگان علم کو دنیا کے جدید تقاضوں سے روشناس کروانے کے ساتھ ساتھ ایک نئے جہانِ معنی کے دران پروا کرتے ہوئے ان کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ بے لوث ہو کر ادا کرتے ہیں۔اس دورِ پرفتن میں ان کی ادب پروری کی خلوص نیت سے کی گئی کاوشیں نہ صرف قابل دید اور قابل داد ہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہیں۔انہوں نے اردو ادب کو جس جدت کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے اس نے اس بات کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے کہ ادب سرحدوں کی حدود وقیود سے ماورا ہے۔اردو زبان کی ترویج کے لیے دن رات کی جانے والی کاوشیں اس بات کی عملی دلیل ہیں کہ زبان کسی کی ملکیت نہیں بلکہ یہ ہر اس شخص کی میراث ہے جس کی رگوں میں اس زبان کی اپنائیت، گھلاوٹ، مٹھاس موجود ہے، جو اسے اپناتا ہے، نکھارتا اور سنوارتا ہے۔

''مقاموں'' سے لے کر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی تک کا علمی سفر طے کرتے ہوئے علم وادب کے جس جہانِ تحقیق کو آپ نے کھوجا، جانچا اور پرکھا اسے جو دیکھا ہے میں نیا وروں کو بھی دکھلا دے کے مصداق بہترین اور منظم صورت میں سامنے لائے۔آپ کے ذاتی، تفریحی اور ادبی سفرنامے اس کی عملی مثال ہیں۔بچپن میں جگائی گئی علم کی

مشاہدات کا مطالعہ کریں تو اس میں شاید ویسی تخلیقیت نظر نہ آئے مگر وہ ایسی انوکھی معلومات فراہم کر دیتے ہیں جو اس کمی کو پورا کرنے کے ساتھ ایک الگ طرح کا حسن پیدا کرتے ہیں اور اس سے قاری مشاہدے میں محو ہو جاتا ہے۔

سفرنامے میں بنیادی کردار ''مشاہدہ'' ادا کرتا ہے اسی لیے شاید خواجہ اکرام الدین نے اپنے سفرنامے کا نام مشاہدات رکھا ہے۔اسی مشاہدے کا استعمال کرتے ہوئے ہر علاقے، ہر وادی اور ہر مقام کا جائزہ بڑی دل نشینی ،عرق ریزی اور چابکدستی سے لیا ہے۔

اکثر سفرنامے مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔مگر ایک اچھا اور معیاری سفر نامہ حقیقت، واقعات کی صداقت اور مشاہدے کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے جس میں سفر نامہ نگار اپنے تاثرات کو نہایت خوبی کے ساتھ واقعہ در واقعہ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ سفرنامے سنجیدہ اور روایتی اسلوب کے حامل ہونے کے باوجود دلچسپ ہیں۔ ذہانت ومشاہدے کے امتزاج کے حامل یہ سفرنامے بھائی چارے، امن وآشتی اور قومی یکجہتی کی دعوت دیتے ہیں۔محبت، پیار، انسان دوستی اور اردو سے والہانہ لگاوان سفرناموں میں موجود ہے یہ ایسے محرکات ہیں جو پوری دنیا (اردو دنیا) میں اردو کے پھلنے پھولنے کا سبب بنیں گے۔

OOO

مصر میں اردو زبان کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''ان بستیوں میں مصر کی سرزمین بھی ہے جس نے اردو کے گیسو کو سنوارنے، سجانے اور نکھارنے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن اردو کی بستیوں کے ذکر میں ہم مصر کو وہ مقام نہیں دے سکے جس کا وہ مستحق ہے مصر میں اردو کے طلبہ و اساتذہ کی تعداد کو دیکھیں یا اردو تصنیف و تالیف کو تو خوشی ہوتی ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں اساتذہ طلبہ و طالبات اردو کی تعلیم و تدریس میں مصروف عمل ہیں کالج سے یونیورسٹی کی سطح تک اور پی ایچ ڈی کی سند کے حصول تک کا سفر اردو کے لیے فال نیک ہے۔جن یونیورسٹیز میں اردو کی تعلیم و تدریس کا باضابطہ نظم ہے ان میں از ہر یونیورسٹی کے دو شعبے (لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے الگ الگ)، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ یونیورسٹی، اسکندریہ یونیورسٹی، طنطا یونیورسٹی اور منصورہ یونیورسٹی کے نام قابل ذکر ہیں۔۔۔مصر میں اردو کی تاریخ کی ایک صدی بھی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے لیکن اس کے کارنامے حروف زریں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔(ص 165)

ترکی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''ترکی میں اردو کا سب سے بڑا شعبہ استنبول یونیورسٹی میں ہے جو ۱۹۷۴ میں قائم ہوا یہاں بی۔اے ،ایم۔اے اور پی ایچ ڈی تک کی تعلیم ہوتی ہے ترکی میں سب سے فعال یہی شعبہ اردو ہے۔یہاں کے نامی گرامی استاد پروفیسر خلیل طوقار ہیں جو اردو کے اچھے نثر نگار اور شاعر بھی ہیں۔انھوں نے پچاس سے زائد کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ کیا ہے۔

ترکی میں اردو تدریس کا سلسلہ سب سے پہلے انقرہ یونیورسٹی میں ۱۹۵۶ سے شروع ہوا۔پاکستانی حکومت نے اس سلسلے میں بڑی مدد کی اور اپنے ملک سے ڈاکٹر داود رہبر کو یہاں اردو تدریس کے لیے بھیجا انھوں نے اردو کورسز کو مرتب کیا اس طرح یہ شعبہ ترقی کرتا گیا۔سلجوق یونیورسٹی جو قونیا میں واقع ہے یہاں بھی اردو کا بڑا شعبہ ہے جو ڈاکٹر ایرکن ترکمان کی کوششوں سے ۱۹۸۵ میں قائم ہوا۔۔ (ص ۶۳ تا ۶۴)

سفرنامہ نگار جس ملک میں گئے اس ملک کے اہم شہروں میں ان کے اعزاز میں جو ادبی تقریبات منعقد ہوتیں ان سب کا انھوں نے اپنے سفر نامے میں تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ان سفر ناموں سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ان کے سفر ادبی نوعیت کے رہے ہیں۔یہاں ہونے والے سمیناروں میں شرکت کی ہے جہاں کسی میں پیپر پڑھا ہے تو کسی میں صدارت کی ہے۔

اپنے سفر ناموں میں سفر نامہ نگار نے مہمان نوازیوں کا ذکر بھی مزے لے لے کر کیا ہے۔اگر خواجہ اکرام الدین کے سفر ناموں کا موازنہ دوسرے سفر نامہ نگاروں کے سفر ناموں سے کیا جائے تو بنیادی فرق یہ نظر آئے گا کہ سفر نامہ نگار نے انفارمیشن پر زیادہ زور دیا ہے اور جو معلومات فراہم کی ہیں ان کا بیش تر حصہ وہاں اردو زبان و ادب کی صورت حال پر مشتمل ہے۔چونکہ خواجہ اکرام الدین بنیادی طور نقاد ہیں اسی لیے ایک نقاد کا اپروچ ان کے سفر ناموں میں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔اگر ہم تخلیقی جملوں اور ادبی حسن جاذبیت کے لیے خواجہ اکرام الدین کے

کے ساتھ ہی محمد رکن الدین نے مصنف کا مختصر تعارف کروایا ہے ان تحریرات، تاثرات اور تعارف کی سیر کے بعد مختلف ممالک کی سیر کے سفر پر محو پرواز ہونا پڑتا ہے اور یہ سیر یوں رہی۔ پاکستان کتنا دور کتنا پاس، قسطنطنیہ کی حسین وادیاں، جاپان کا یادگار سفر، امریکہ نامہ، حافظ وسعدی کے ملک میں، یوروپ کے اسفار کی ناقابل فراموش یادیں ،، جنت نظیر جزیرہ موریشس، مصر سرزمین انبیا واولیا، امام بخاری کے ملک میں چند روز۔۔۔

خواجہ اکرام الدین نے غیر ممالک میں جو دن گزارے ہیں یہ سفر نامے انھیں ایام کی روداد ہیں انھیں سیاحت کا شوق بھی ہے اور اردو زبان سے لگاؤ بھی۔اسی لیے انھیں جب جب ملکوں کی سیر کا موقع ملا اس موقعے کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔انھوں نے مسلسل سفر نامہ نہیں لکھا بلکہ ہر ملک کی یادداشتیں الگ الگ لکھی ہیں اور ہر ملک کی سیر کا الگ عنوان بھی رکھا ہے۔ان سفر ناموں کا انداز افسانوی نہیں ہے جیسا کہ آج کل سفر ناموں کو فکشنائز کیا جارہا ہے۔ان کا مقصد سفر نامہ نگاری کے کلاسک طرز تحریر میں اپنی یادداشتیں اور تجربات رقم کر کے انھیں قارئین سے شئیر کرنا ہے۔

سفر ناموں میں مختلف ممالک کے مقامات سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں ہر شہر کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ان شہروں کے جغرافیائی حالات، معاشی حالات اور تہذیبی سرگرمیوں کا ذکر آسان اور خوبصورت الفاظ میں کیا گیا ہے ان شہروں میں جو ادیب اور شاعر بستے ہیں ان سے ملاقات اور ملاقات کے دوران وہاں کے ادبی صورتحال کا ذکر بھی کیا ہے۔

خواجہ اکرام الدین اپنے سفر ناموں میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مختلف ممالک میں بسنے والے اردو کے شاعر وادیب ایک پلیٹ فارم پر آئیں۔ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کریں، ایک دوسرے کی طرز رہائش اور زندگی کے دوسرے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کریں وہ اس بات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ بین الاقوامی یکجہتی قائم ہو۔لوگ ایک دوسرے کے ملک میں جائیں وہاں کی ادبی محفلوں میں شرکت کر کے اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔اپنی تخلیقات سنائیں تا کہ ایک دوسرے کو اندازہ ہو سکے کہ کس ملک میں کس طرح کا ادب تخلیق ہو رہا ہے کونسے رجحان کا چلن ہے، کہاں کس طرح کا ادب لکھا جارہا ہے، کس ملک کی زبان کیسی ہے، وہاں کی زبان پر سماجی اور جغرافیائی حالات کس طرح سے مرتب ہوئے ہیں اور اردو زبان کے سرمایے میں کس طرح نئے زبان کے الفاظ داخل ہو رہے ہیں۔مختلف ممالک میں اردو زبان کے حوالے سے جو مشاہدہ کیا اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

''پیرس جیسے شہر میں اردو کی سرگرمیاں موجود ہیں یہ شہر دنیا کے چند مشہور شہروں میں ہے یہ شہر یہاں کی مخصوص تہذیب وثقافت کے لیے جانا جاتا ہے اس شہر کی اہمیت سے اکثر لوگ واقف ہیں اس لیے اس حوالے سے کچھ نہیں لکھوں گا۔البتہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس شہر کا اردو سے ایک خاص تعلق گارساں دتاسی کی وجہ سے ہے آج بھی اس ادارے میں اردو کی تدریس کا نظم ہے اداروں کے علاوہ کئی اردو کی ادبی تنظیمیں ہیں جو اردو کی شمع کو روشن کیے ہوئے ہیں۔(ص148)

ڈاکٹر ریشا قمر
گلبرگہ یونیورسٹی، کرناٹک

مشاہدات کا مشاہدہ

سفر نامے سفر کی روداد ہوتے ہیں۔ سفر ناموں میں سفر نامہ نگار اپنے سفر کے واقعات، تجربات اور مشاہدات کو تحریر کرتا ہے۔ ایسے ہی اسفار کا بیان ہے "مشاہدات"۔ خواجہ محمد اکرام الدین کا نام دنیائے ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ مہجری ادب اور اردو زبان و ادب کو ڈیجیٹل دنیا میں متعارف کروانے والوں میں نمایاں ہے۔ اس سلسلے میں ہر طرح سے انھوں نے پہل دکھائی ہے پھر چاہے وہ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کا قیام ہو، ورلڈ اردو ریسرچ پبلی کیشن سنٹر کا آغاز ہو، ای پبلیکیشن پلیٹ فارم کی شروعات ہو یا آن لائن اردو لرننگ سینٹر کا افتتاح ہو۔ غرض ان کا ہر کام اردو کی بقا اور اس کے فروغ کے لیے ہوتا ہے اردو زبان کی درس و تدریس میں منہمک ہیں۔ اردو زبان سے محبت کا ہی ثبوت ہیں ان کے یہ سفر نامے۔ ہر ملک کے سفر میں اردو زبان و ادب کے فروغ اس کی ترقی و ترویج کے لیے ان کی فکر نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے مشاہدات کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

"ان ممالک کے احباب سے مل کر اندازہ ہوا کہ کوئی ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے جس کے ذریعے ہم ایک دوسرے کو جان سکیں اور علمی تعاون پیش کر سکیں۔ اسی مقصد سے اپنے اسکالرس کے ساتھ مل کر ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نامی تنظیم بنائی تا کہ دور دراز ممالک میں بیٹھے احباب جو اردو کی خدمت کر رہے ہیں ان سے باہمی تعاون ممکن ہو سکے۔ سچائی یہ ہے کہ موجودہ عہد میں کسی بھی زبان کے ثروت مند ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں مہجری ادب کا معیار منہاج کیا ہے ہمیں ان مہجری ادیبوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جو دیار غیر میں رہ کر بھی اپنی تہذیب اور زبان سے وابستہ اور منسلک ہیں اور اردو ادب کے سرمایے میں بیش قیمت اضافہ کر رہے ہیں۔"

(مشاہدات: خواجہ محمد اکرام الدین ص ۸)

مشاہدات میں خواجہ اکرام الدین نے گیارہ ممالک کے سفر کا حال بیان کیا ہے۔ 228 صفحات پر مشتمل یہ کتاب جس کا انتساب سفر نامہ نگار نے یوں کیا ہے۔

"اجنبی ملکوں میں اردو کی شمع روشن کرنے والوں کے نام۔" (ص ۳)

مشاہدات کی فہرست پر نظر ڈالیں تو کتاب کے مشمولات کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیش لفظ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے لکھا ہے پروفیسر عتیق اللہ اور پروفیسر علی احمد فاطمی نے کتاب کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں اس

نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

ایم۔فل مقالہ، ماریہ اسلم ''خواجہ محمد اکرام الدین کی تحقیقی وتنقیدی خدمات''، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان۔ ۲۰۲۲ء

ویکیپیڈیا، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

www.khwajaekram.com

،www.onlineurdulerning.com

OOO

عبداللہ، برطانیہ سے نغمانہ کنول شیخ ،سعودی عربیہ سے سمیرہ عزیز،لندن سے پروفیسر محمد شریف بقا، جرمنی سے عشرت معین سیما، اٹلی سے جیم فے غوری، نیو یارک سے پروین شیر، برطانیہ سے شبیہ الحسن زیدی، افغانستان سے رحمت اللہ ترکمن ،امریکہ سے امین حیدر، جرمنی سے عارف نقوی، ایران سے فرزانہ اعظم لطفی ، مانچسٹر سے شیراز علی، روس سے ایرینا میکسی مینکو ، جاپان سے ہیروشی ہا گیتا، برطانیہ سے مقصود الٰہی شیخ ،لندن سے فیضان عارف ،فرانس سے محترمہ ممتاز ملک،کینیڈہ سے روبینہ فیصل، برطانیہ سے مہ جبیں غزل انصاری (چیر پرسن یارک شاعر ادبی فورم) ،جاپان سے ناصرنا کاگاوا، بلغاریا سے تاتیانا ایوتیموا اور لیلی ڈینیوا، آسٹریلیا سے طارق محمود مرزا، جرمنی سے سید اقبال حیدر، تاجکستان سے جاوید خولوف، ایران سے علی بیات، آزربائیجان سے الدوست ابراہیمو، کینیڈا سے جاوید دانش، ازبکستان سے تاش مرزا، موریشس سے عنایت حسین عیدن، روس (ماسکو) سے لڈمیلا واسیلوا وغیرہ جیسی ادبی شخصیات سے خواجہ اکرام الدین نے اردو دنیا کو متعارف کرا کے ایک اہم اور تاریخی کام انجام دیا۔ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں آپ کو مختلف موضوعات پر مضامین، تبصرے، تذکرے، سیمینار اور دیگر ادبی تقریبات کی خبریں، تصویریں اور اردو کی نئی بستیوں کی اہم شخصیات کا تعارف دیکھنے کو ملے گا۔ یہاں پر نوجوان شاعروں کی غزلیں، نظمیں اور افسانہ نگاروں کے افسانے ہر ماہ شائع کر کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیے جاتے ہیں۔

خواجہ اکرام الدین نے دنیا کے ان ممالک کا سفر بھی کیا جہاں اردو کی بستیاں موجود ہیں۔ انہوں نے مہجری ادب کے حوالے سے درجنوں مضامین اور کئی کتابیں لکھیں اور ترتیب بھی دیں۔ انہوں نے خود تو کام کیا بلکہ اپنے کئی ریسرچ اسکالرز کو بھی اردو کی نئی بستیوں پر کام کرنے کا نہ صرف مشورہ دیا بلکہ تکمیل تک پہنچایا۔ نئی بستیوں کے حوالے سے جو مقالات لکھے گئے ان میں ڈاکٹر محمد رکن الدین کے ایم۔ فل کا موضوع ''اردو کی نئی بستیوں میں تحقیق وتنقید اور ڈاکٹر سید تقی عابدی: ایک تجزیاتی مطالعہ' اور پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع ''اردو کی نئی بستیوں میں غیر افسانوی نثر: ایک تنقیدی مطالعہ'' (نمائندہ ادیبوں کے حوالے سے) تھا۔ ڈاکٹر مہوش نور نے ایم۔ فل'' ڈاکٹر نگہت نسیم کے افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ (مہجری فکشن کے حوالے سے) اور پی۔ ایچ۔ ڈی'' اردو کی نئی بستیوں میں افسانہ نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ (نمائندہ ادیبوں کے حوالے سے) پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی نگرانی میں مکمل کیا۔ ڈاکٹر امتیاز کی ایم۔ فل'' ترکی میں اردو زبان و ادب (خلیل طوقار کے خصوصی حوالے سے) اور پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع'' عالمی اردو میڈیا: ایک تجزیاتی مطالعہ'' اور راقم کی پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع'' جرمنی میں اردو زبان وادب: ایک تجزیاتی مطالعہ'' تھا اس کے علاوہ محمد شہباز رضا کی پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع ''اسکینڈی نیویا میں اردو ادب کا تنقیدی مطالعہ'' ہے (جو کہ ابھی جاری ہے)۔

حوالہ جات:

۔ سبق اردو (ماہنامہ رسالہ)، جلد ۸، شمارہ ۲، فروری ۲۰۲۳، پروفیسر عتیق اللہ، خواجہ محمد اکرام الدین: کہ

These initiatives include the Online Urdu Learning Program in collaboration with CIL Mysore, the launch of Urdu India Keyboard for Windows and Android in collaboration with IT Ministry, the release of twelve naskh fonts of Urdu and one Nastaliq font in collaboration with IT Ministry, the launch of Urdupedia (www.urdupedia.in) in association with C-Dec, the digitization of books of the National Council in collaboration with CDEC, and the establishment of the Online Urdu Digital Library under the National Council. Professor Khawaja Ekramuddin also initiated the "DREAM" (Diploma in Repair of Electronic Appliances and Maintenance) program and the "Paper Mashi" course to promote the Kashmiri industry. He also launched software for online monitoring of the Center of National Council, enabling efficient management and supervision of activities related to Urdu language promotion.

In addition to his contributions in the field of digital technology, Professor Khawaja Ekramuddin has been actively engaged in various educational activities to promote Urdu language and literature. He initiated an online Urdu learning program for learners all over the world, which has gained popularity worldwide. He has also been serving as the President of the World Urdu Association, a non-governmental autonomous organization aimed at connecting and collaborating with Urdu teachers, scholars, poets, fiction writers, journalists, students, and writers in different parts of the world. The World Urdu Association strives to encourage the new generation of writers and poets, provide resources for promotion and publication of books by Urdu Migrated writers, commentaries on new Urdu books, and exploration of access possibilities, as well as the preparation of an encyclopedia based on Migrated writers.

''کورونا'' کوویڈ Covid-19 جو کہ ایک عالمی وبا کی شکل میں ہم سب کے لیے قیامت کا منظر لے کر سامنے آئی اور ہم سب کو گھروں میں قید کر دیا، بیشتر زندگیاں مفلوج ہونے لگیں، لوگوں کو ان حالات میں ذہنی تناؤ، دباؤ، depression anxiety وغیرہ جیسی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ایسے حالات میں جب طالب علموں اور ریسرچ اسکالرز کے پاس پڑھائی لکھائی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے ایک چراغ کی شکل میں آن لائن کانفرنس، سیمینار اور مذاکرات کے ساتھ ہم سب کے بیچ وارد ہوئے۔ اس پلیٹ فارم سے خواجہ اکرام نے ''مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلہ'' کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو کے ادیبوں، شاعروں اور اردو اساتذہ سے لوگوں کو متعارف کرانے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔

اس سلسلے میں جن ممالک اور تخلیق کاروں کے انٹرویوز لیے گئے یا ان سے بات چیت کی گئی ان میں چند کا ذکر کرنا لازم سمجھتا ہوں: جن میں نصر ملک ڈنمارک، سوئیڈن سے رسالہ ''منزل'' کے مدیر جمیل احسن، امریکہ سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد، پاکستان سے رضا علی عابدی، جرمنی سے سید انور ظہیر، لندن سے نجمہ عثمان، شکاگو سے رضیہ فصیح احمد، امریکہ سے ڈاکٹر فوزیہ فاروقی، بنگلہ دیش سے غلام محمد ربانی، کینیڈا سے ڈاکٹر سید تقی عابدی، واشنگٹن سے ڈاکٹر

پروفیسر خواجہ اکرام الدین کی تخلیقات وتصنیفات:

اردو کی شعری اصناف۔1999اکیسویں صدی میں اردو فروغ اور امکانات2014،اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی اور ثقافتی فروغ2014،اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات 2012،رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ 1994، اردو میڈیا 2012، اردو سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت 2013، ،ملاقاتیں(مشاہیر کے انٹرویو2015ء،اردو کا عالمی تناظر 2017،پہلی جنگ آزادی سے متعلق اردو فارسی ذخیرے کا تنقیدی جائزہ2019،اردو شاعری: نمائندہ شعرا کا تعارف اور ان کی شاعری2019،امام بخاری کے ملک میں چند روز2019عربی اور فارسی میں رزمیہ ادب2020اور،مشاہدات(سفرنامہ)2020وغیرہ اہم ہیں۔

کتابوں کے علاوہ خواجہ اکرام کے سینکڑوں مضامین قومی اور بین الاقوامی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کی کتابیں اور مضامین اردو طلبہ وطالبات بطور حوالہ جات استعمال کرتے ہیں۔ان کی ادبی خدمات پر ملکی اور غیر ملکی سطح پر قومی اور بین الاقوامی رسائل وجرائد میں درجنوں مضامین لکھے جا چکے ہیں۔اتنا ہی نہیں گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان کی ریسرچ اسکالر ماریہ اسلم''خواجہ محمد اکرام الدین کی تحقیقی وتنقیدی خدمات'' پر2020میں ایم۔فل کا مقالہ لکھا ہے۔

انعامات وعزازات:

1986 کالج کلر ایوارڈ، پٹنہ۔1987 مجلس ادب ایوارڈ، پٹنہ۔2008 کتاب تعارف وتنقید پر دہلی اردو اکادمی ایوارڈ۔2012 بینار اردو ایوارڈ، پٹنہ۔2012ایکسیلنسی ایوارڈ، جاپان۔2012 بابائے اردو ایوارڈ، پٹنہ۔2014 مسیحائے اردو ایوارڈ، دہلی۔2014فخر اردو ایوارڈ، بہار۔2015 قاضی عدیل عباسی ایوارڈ، دہلی۔2016 قاضی عبدالودود ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ۔2016 نشان امتیاز، اردو سائنس کانگریس،علی گڑھ۔2016 آؤٹ اسٹینڈ ینگ اچیومنٹ ایوارڈ۔ترکی۔2016 سفیر اردو ایوارڈ، ڈنمارک۔2016اقبال ایوارڈ،فرینک فرٹ جرمنی۔2018 صوفی جمیل اختر ایوارڈ،کلکتہ۔حیدر طباطبائی ایوارڈ،فرینکفرٹ، جرمنی اور یاسمین شریف ویلفئیر سوسائیٹی گورکھپور کی جانب سے''سپہ سالار اردو''2022وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

15اپریل2023 کولٹریری کیٹلاگ میں LITCATALOGUE کی مجموعی رپورٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

His Services in the Field of Digital Technology: As the Director of the National Council for Promotion of Urdu Language, Ministry of Human Resource Development, Government of India, Professor Khawaja Ekramuddin has made significant contributions in connecting Urdu with new technology. Under his leadership, several initiatives were launched in collaboration with the Ministry of Information Technology to promote the use of Urdu in the digital sphere.

پلیٹ فارم سے انہوں نے دنیا بھر میں موجود اردو سیکھنے والوں کے لیے آن لائن اردو لرننگ پروگرام www.onlineurdulearning.com 21 جون 2012ء کو شروع کیا۔ جسے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور آج بھی نہ صرف ہندوستان بلکہ مختلف ممالک میں اس پلیٹ فارم سے والدین اپنے بچوں کو اردو سکھاتے ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ورلڈ اردو ایسوسی ایشن www.worldurduassociation.com جو ایک غیر سرکاری اور خود مختار ادارہ کے بنیاد گزار اور چیئرمین ہیں۔ اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود اردو کے اساتذہ، ادبا، شعرا، فکشن نگار، صحافی، طلبہ و طالبات اور قلم کاروں سے رابطہ و اشتراک اور باہمی تعاون کے ساتھ نئی نسل کے ابھرتے ہوئے ادیبوں اور قلمکاروں کی حوصلہ افزائی، اردو تدریس کے فروغ کے لیے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش ہے۔ اس ادارے کا مقصد اردو کی نئی کتابوں پر تبصرے اور ان کی رسائی کے امکانات کی تلاش اور مہجری ادیبوں کے ادبی نکات کی اشاعت اور تشہیر ہے۔ اسی ادارے کا ایک ذیلی ادارہ ''ورلڈ اردو پبلی کیشنز'' www.urdupublicatios.com ہے۔ جس کے بینر تلے برصغیر اور اردو کی نئی بستیوں کے قلم کاروں اور طلبہ و طالبات کی کتابوں اور مضامین کی اشاعت کا آن لائن بندوبست کیا جاتا ہے۔ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن ایک ماہنامہ ادبی ای رسالہ ''ترجیحات'' online urdu magazine بھی نکالتا ہے۔ اس رسالے کی شروعات اردو دنیا میں ایک نیا قدم ہے جس سے ہندوستان اور بیرونی ممالک کی دانش گاہوں کے ریسرچ اسکالرز اور اردو کے شائقین کے لیے مضامین کی آن لائن اشاعت عمل میں آتی ہے جو بعد میں ویب سائٹ سے پی۔ ڈی۔ ایف کی شکل میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اس رسالے میں ہندوستان اور خاص طور اردو کی نئی بستیوں کے ادیبوں کے مضامین بھی ہر مہینے شامل کیے جاتے ہیں۔

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کا مقصد نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا بھر کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور قلم کاروں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا ہے۔ اس ادارے کے اشتراک سے ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں، ادبی تنظیموں اور ادبی اداروں میں قومی اور بین الاقوامی سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ادارے کے اہم کارناموں میں: 2018ء میں ''اردو، عربی اور فارسی میں رزمیہ ادب'' کے عنوان پر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں تین روزہ کانفرنس کا انعقاد۔ جس میں جرمنی، مصر، ایران، بنگلہ دیش اور دیگر کئی ممالک سے ادیبوں اور قلم کاروں نے مختلف موضوعات پر اپنے مقالات پیش کیے۔ ''اکیسویں صدی کا نسائی ادب 2022ء'' ''اردو ادب میں اہم مقامات و کردار 2022ء'' ''اردو کا علاقائی رنگ'' ''مہجری ادب سمت و رفتار'' 2021ء'' ''ادب کی تفہیم کے زاویے: نظریہ نقاد اور قاری 2022ء'' ''اردو نثر و نظم کی تدریس کا طریقۂ کار 2023'' اور بین الاقوامی سیمینار ''ادبیات عالم میں تصور عشق جولائی 2023ء (upcoming conference) وغیرہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اردو اور انگریزی کتابوں کا رسم اجرا اور رسم رونمائی کی تقریبات بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر لیاقت علی

''اردو کی نئی بستیوں'' میں اردو زبان کو متعارف کرانے میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا کردار

مخدوم محی الدین کا ایک شعر پروفیسر خواجہ اکرام کی ادبی خدمات کی عکس اندازی کرتا ہے۔

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ہندوستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کے استاد ہیں۔خواجہ اکرام الدین ایک مایہ ناز استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ''سفیر اردو'' کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔سفیر اردو اس لیے کہ انہوں نے اردو کو برصغیر کی قید و بند سے نکال کر یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور عرب براعظم میں متعارف کرایا۔ برصغیر سے باہر جن ممالک میں اردو زبان بولی سمجھی اور پرائمری سطح پڑھائی جاتی ہے ان کو ''اردو کی نئی بستیوں'' کا نام دینے والی شخصیت خواجہ اکرام ہی ہیں۔ وہ اردو کے نئے امکانات کے متلاشی اور اردو کے مستقبل کے لیے مستقل سرگرم عمل ہیں۔ وہ ہندوستان میں اردو کے سب سے بڑے ادارے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان میں بحیثیت ڈائریکٹر تین سال تک اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں۔انہوں نے کونسل کی مدت کار کے وقت اردو زبان کے فروغ کے لیے کئی اہم کارنامے انجام دیئے۔اس مدت کے خاص کاموں میں بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' رسالہ کا اجرا، عالمی اردو کانفرنس کی بنیاد اور اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑنے کے لیے وزارت اطلاعاتی ٹکنالوجی کے اشتراک سے درج ذیل کارنامے انجام دیے۔

آئی ٹی منسٹری کے اشتراک سے اردو انڈیا کی بورڈ برائے ونڈو اور اینڈرائیڈ لانچ کیا، آئی ٹی منسٹری کے اشتراک سے اردو کے بارہ نسخ فونٹ اور ایک نستعلیق فونٹ کا اجرا کیا، سی ڈیک کے اشتراک سے اردو پیڈیا (www.urdupedia.in) کا آغاز کیا، سی ڈیک کے اشتراک سے قومی کونسل کی کتابوں کو ڈیجیٹلائز کیا، قومی کونسل کے تحت آن لائن اردو ڈیجیٹل لائبریری کا اجرا کیا، ڈریم (Diploma in Repair of Electronic Appliances and Maintenance) کا آغاز کیا۔ کشمیر کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ''پیپر ماشی'' کورس کی ابتدا کی، قومی کونسل کے سینٹر کی آن لائن مانیٹرنگ کے لیے سوفٹ ویئر لانچ کیا اور، اسی

بسا اوقات قلبِ ماہیئت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔سفر نامہ میں تجلّی کی وہ شعائیں ہمیں اسلوب کی سطح پر دکھائی دیتی ہیں۔رواں سادہ، بے تکلف اور ادبی چاشنی میں ڈوبا اسلوب۔ پروفیسر موصوف نے بقول اقبال سفر کو زندگی کے لیے سوز وساز بنادیا ہے۔ یہ سفر نامہ ان کے مخصوص 'زاویہ نظر' کی غمازی کرتا ہے۔

حوالے

(۱) زمیں کے اتنے سے ٹکڑے پہ......، پروفیسر عتیق اللہ، مشاہدات، ص۔۱۱

(۲) مقدمہ، اردو سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت، مرتبہ: پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، ص۔۹

(۳) ایضاً، ص۔۱۰

(۴) امام بخاری کے ملک میں چند روز، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین، ص۔۸

(۵) ایضاً، ص۔۱۳

(۶) ایضاً، ص۔۱۴

(۷) ایضاً، ص۔۵۰

(۸) ایضاً، ص۔۵۶

(۹) ایضاً، ص۔۶۱

○○○

سنت اور نوافل کے بعد ہی مسجد سے نکلتے ہیں۔سفر نامہ نگار نے نماز کے بعد باہر نکلتے ہوئے دیکھا کہ ''کچھ خواتین گھروں سے سموسے بنا کر لائی تھیں، جو نمازیوں میں تقسیم کر رہی تھیں۔نماز سے قبل یہ بھی دیکھا کہ نمازیوں نے اپنے جوتوں کو جو بے ترتیب طریقے سے ادھر ادھر تھے، ان تمام جوتوں کو سلیقے سے سیدھا کر کے رکھ دیا''۔(۷) ان دل کو چھو لینے والی رسموں میں شادی بیاہ میں 'مردانہ پلاؤ' کا پر لطف ذکر بھی شامل ہے۔سوشل میڈیا کے سبب تحائف کا سلسلہ تو چل پڑا ہے لیکن یہ معاشرہ جہیز جیسی لعنت سے پاک ہے۔بارات میں زیادہ لوگ شریک نہیں ہوتے؛ بارات گھر پہنچتی ہے تو مشعل جلائی جاتی ہے۔دف اور موسیقی کی آواز پر دلہے کے احباب زور زور سے دلہن کے گھر والوں کو بتاتے ہیں کہ ''دولہا بہت اچھا ہے، آپ کا داماد سلامتی لے کر آیا ہے''(۸) مہمانوں کی ضیافت میں تکلفات نہیں ہوتے، سادگی ہوتی ہے۔اس موقع سے باحجاب اور معمر خواتین رسول ﷺ، آلِ محمد اور ازواج مطہرات پر سلام پیش کرتی ہیں۔یہ سب بہت مبارک رسمیں ہیں لیکن یہ جان کر افسوس ہوا کہ لڑکے اور لڑکی کو آگ کے تین چکر لینے پڑتے ہیں۔یہ زرتشتی عہد کی یادگار رسم تھی جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی معاشرتی طور پر رہ گئی۔

اس سفر نامے سے چند تحیرات کا در بھی وا ہوتا ہے۔ایک یہ کہ ازبکستان میں کرائم بہت کم ہے خاص طور پر لڑکیوں کے حوالے سے یہ نا کہ برابر ہے۔لوگ جھوٹ بہت کم بولتے ہیں۔صادق القلب ہوتے ہیں، جو دل میں ہوتا ہے وہ زبان پر ہوتا ہے۔قبرستان سے گزرتے ہوئے لوگ مرحومین کے لیے دست دعا دراز کرتے ہیں۔سارے ازبکی ٹیکسی ڈرائیور ہوتے ہیں۔آپ کسی کی بھی ٹیکسی میں کرایہ پر بیٹھ سکتے ہیں۔نئی نسل کے تعلق سے سفر نامہ نگار نے یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ''یہاں کی نئی نسل کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ سب روزہ دار ہیں۔ان کے ملبوسات میں گرچہ روسی جھلک موجود ہے اور بہت حد تک ان کے طرزِ حیات میں مغربیت نظر آتی ہے مگر ان کے قلوب ایمان سے منور ہیں''۔(۹)

سفر نامے میں کم بیانی کے ہنر کو آزمایا گیا ہے تاہم اجمال میں در پردہ بہت کچھ کہنے کی کوشش کی گئی ہے۔یوروپ، امریکہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک میں مادی دنیا کی چکا چوند کی گنجائش ممکن ہے ازبیک جیسے وسط۔ایشیائی ملک کی بہ نسبت زیادہ ہو لیکن خواجہ اکرام کی ذہنی اور جذباتی تسکینِ طبع کے لیے جو مشرقی بانکپن اور روحانی تنومندی درکار ہے، ازبیک کی فضا اس سے بے بہرہ نہیں۔یہ سفر نامہ وسط۔ایشیا کی تہذیبی زندگی اور دیارِ غیر میں اردو زبان کی سمت و رفتار سے واقف کرتا ہے۔سفر نامے میں صوفیا، اولیا اور سلف صالحین بزرگانِ دین کی تئیں ہر جگہ عقیدت، ارادت اور تقدس کی قندیلیں روشن ہیں۔بیان کنندہ کی حیثیت سے سفر نامہ نگار ذکرِ صالحین کے نور سے سیراب ہوتا ہے، ایمان و یقین کو تازہ کرتا ہے اور تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتا ہے۔وارفتگی اور والہانہ پن سے وہاں وہاں ملاقات ہوتی ہے، جہاں سفر نامہ نگار عظیم المرتبت ہستیوں کا بیان کرتا ہے۔یہ خالی خولی مشاہدہ اور نظر کا اعجاز نہیں بلکہ ان ہستیوں کی یاد سے دل کی دنیا میں پھوٹنے والی تجلی کا کمال ہے۔یہ کیفیت

شاہراہوں، تاریخی، مذہبی اور تفریحی مقامات سے گزرتے ہوئے سفرنامہ نگار نے اپنے جمالیاتی مذاق سے بھی کام لیا ہے۔ ان کی نگاہیں وہاں کی سلیقہ مندی کو بھی جذب کرتی ہیں حتیٰ کہ سڑکوں پر ایستادہ بجلی کے کھمبے یا گزرگاہوں پر بنے چھوٹے چھوٹے نشانات میں حسن کی تمازت پر بھی ان کی توجہ مرکوز ہوتی ہے وہ 'کشتاں' کے گھنے، سایہ دار اور خوبصورت درخت سے ماحول میں پھیلنے والے حسن کی تجلی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ دراصل دیکھنے والی کی نگاہِ جمیل کی کرشمہ سامانیاں ہیں، جو سفرنامہ میں وجہ التفات ہیں۔ قدری وسائل سے مالا مال چیری، پستہ، اسٹابیری، خوبانی کے باغات تو کہیں سفرنامہ نگار کو حدِ نگاہ پھیلے ہرے بھرے زرعی فارم اور ان میں کام کرنے والے مرد و زن بھاتے ہیں۔ 'جزاک' کی وادی کلکاریاں، 'سنگ زار' کے پیچ و تاب سبھی دل فریبیاں سفرنامے کے کیمرے میں قید ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ سفرنامہ نگار نے اپنے حسن پسند داخل کو وہاں کے خارجی حسن سے ہم آہنگ کیا ہے اور بیانیہ کی عبارت تشکیل دی ہے۔

سفرنامے میں امام بخاریؒ کے روضہ پر حاضری کے احوال قدرے طور پر تفصیلی ہیں۔ وہاں کے نظم و نسق، مزار کے اندرونی احاطے میں دو رویہ دکانیں، زیارت کے آداب، مرد و زن کے لیے وضوخانے اور طہارت خانے، حکومت کی جانب سے متعین خدام، اجتماعی فاتحہ خوانی کا نظم، عصر کی نماز با جماعت میں شرف، امام صاحب کا نورانی چہرہ وغیرہ کا ذکر بطورِ خاص ملتا ہے۔ چودھویں صدی کے عظیم فاتح امیر تیمور کی اہلیہ کے نامِ نامی سے منسوب 'بی بی خانم مسجد' اور 'شاہِ زندہ' کی روداد بھی اس سفرنامے کا حصہ ہیں۔ یہ حضرت قثم بن عباس بن عبد المطلبؓ کی نسبت سے 'شاہِ زندہ' کہلاتا ہے۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہاں تشریف لائے تھے۔ 'شاہِ زندہ' سے متصل خضر علیہ السلام کی یادوں اور مختلف روایتوں کی عقیدت مندانہ خوشبو میں بسی چھوٹی پہاڑی پر واقع 'مسجدِ خضر' اور اس کے نشیب میں مدرسہ، پرشکوہ عالی شان مسجد سے مزین 'ریگستان اسکوائر' اور 'امیر تیمور کا مقبرہ' بھی سیاح اور زائرین کے لیے باعث کشش ہے۔ سفرنامہ نگار نے اس مسجد کی زیارت بھی کی، جہاں امام بخاری درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ یہ اتنی بڑی مسجد ہے کہ اس میں بیک وقت ساٹھ ہزار نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

سفرنامہ نگار نے اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مزارِ مبارک پر بھی حاضری دی۔ مسلم، عیسائی اور یہودی چونکہ انھیں اپنا نبی مانتے ہیں لہٰذا ان کے مزار پر زائرین کا اژدہام ہوتا ہے۔ حضرت دانیال کی قبر کی لمبائی سترہ میٹر ہے اور اس سلسلے کی دیگر روایتوں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ بخارا کے سات خواجگان کا بھی ذکر بھی بڑے مؤدب اور عقیدت مندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔

ازبکستان میں دستور ہے کہ گھر میں جب بھی کوئی آتا ہے تو سب مل کر خیر کی دعا کرتے ہیں۔ آنے والا بڑا ہے تو ان سے دعا کے لیے کہا جاتا ہے یا محفل میں جو سب سے اہم ہے، اس سے دعا کرنے کو کہا جاتا ہے۔ فرض نماز کے بعد برصغیر میں جس طرح نمازی بغیر سنت پڑھے مسجد سے نکل جاتے ہیں، اس کے بالکل برعکس وہاں لوگ

پڑھانے کا زبردست ماحول ہے۔ ان اساتذہ میں بہت سے ایسے ہیں، جن کے مقالے ملک اور بیرونِ ممالک کے رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ بیشتر اساتذہ کے پاس ڈاکٹریٹ کی سند کے ساتھ ڈی لٹ کی ڈگری بھی ہے۔ اساتذہ خلوص اور دوستانہ ماحول میں کام کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مطابق ''کسی کے چہرے پر کسی کے لیے کوئی شکن نہیں دیکھا، سب ایک دوست کی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ساتھ مل کر انسٹی ٹیوٹ کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں'' (٦)۔

دیارِ غیر میں تاشقند انسٹی ٹیوٹ کے دو طالب علم شاہ جہاں سعد اللہ زادہ اور سمندر رسلامو پروفیسر موصوف کی آنکھ اور کان ثابت ہوئے، جن کے توسط سے انھوں نے 'خست امام یا ہست امام' جیسے تاریخی مقام کی سیر کی۔ لبِ سڑک واقع اس کمپلکس میں ایک دیدہ زیب مسجد ہے۔ تیموری طرزِ تعمیر کی شاندار عمارت کے وسط میں ایک اور گنبد والی مسجد نما عمارت ہے جو قرآن میوزیم ہے۔ اس میں تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک کا لکھا تین سو ترپن (353) چمڑے کے اوراق پر مشتمل قرآن پاک موجود ہے۔ اسی قرآن پاک کو پڑھتے ہوئے آپ کی شہادت ہوئی تھی، اس پر ان کے خون کے نشانات موجود ہیں۔ یہاں دنیا کے نادر و نایاب قرآن کریم کے نسخے، تراجم اور قرآن و احادیث کے کئی اہم مخطوطات بھی موجود ہیں۔

تیموری عہد کی نایاب و نادر اشیا کے حوالے سے 'تیمور میوزیم' بھی قابلِ دید ہے۔ یہ ازبیک کے اہالیانِ اقتدار کی تہذیبی شناخت قائم رکھنے کی کوششوں کا زندہ ثبوت ہے اسی طرح انھیں وسط ایشیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے حوالے سے تیرہویں صدی کے ایک اہم بزرگ 'زنگی اوتا' کے مزار کی زیارت کا بھی موقع ملا اور وہ مزارات کی زیارت کے انوکھے انداز اور اجتماعی فاتحہ خوانی کی روایت سے متاثر بھی ہوئے۔ اپنے اچھوتے طرزِ تعمیر کے سبب 'مینار مسجد' بھی سیاحوں کی کشش کا باعث ہے۔ یہ مسجد 1914 میں بن کر تیار ہوئی، اس میں 2400 لوگ بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ خواتین نمازیوں کے لیے الگ جگہ مختص ہے۔ یہاں کا غیر معمولی نظم و انصرام اور سہولیات قابلِ تعریف ہے۔ وضوخانہ میں ہر شخص کے لیے دو تولیہ ہوتا ہے۔ ایک منہ ہاتھ اور دوسرا پیروں کو صاف کرنے کے لیے اور انھیں ایک بار کے استعمال کے بعد دھونے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ مسجد کی صفائی ستھرائی 'النظافۃ نصف الایمان' کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ اپنے قلیل مدتی قیام میں پروفیسر موصوف نے زیادہ سے زیادہ تاریخی مقامات کو دیکھنے کی کوشش کی۔ 'میدانِ استقلال'، صدرِ ازبیک کا گھر اور دفتر، شہیدوں کی یاد میں 'میموریل اسکوئر' اور ان شہدا پر ناز اں 'ماں' کا مجسمہ اور روسی استبداد کے خاتمہ اور ان کی ہزیمت کی داستان بیان کرتا 'میوزیم'، یہ تمام قابلِ ذکر مقامات نے اس سفرنامے میں اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔

پروفیسر موصوف نے تاشقند کے قدیم بازار 'چارسو' کا بھی ذکر کیا ہے، جو دہلی کے 'چاندنی چوک' جیسا پرانا بازار ہے۔ ازبیک میں سونے کے کھان ہونے کے سبب کہا جاتا ہے کہ سونا سستا ہے لیکن بارش کے موسم کی ایک چھتری کی قیمت ستر ہزار یعنی ساڑھے پانچ سو انڈین روپیہ ہے۔

کے دل پر قائم ہوا وہ یہ کہ ''ازبکستان کے لوگ مہمان نواز ہوتے ہیں''(۴) سفر نامہ ازبکستان کے تعلیمی نظام اور علمی ماحول کی متنوع تصاویر پیش کرتا ہے۔ اساتذہ اور طلبہ و طالبات کے مابین خلوص اور اپنائیت کا گہرا رشتہ، 80 منٹ کا ایک کلاس، محض سات ماہ قبل سے ہی اردو ہندی سیکھنے والے بچوں کی اردو ہندی میں قابلِ رشک استعداد، کلاس کے درمیانی وقفہ میں اسٹاف روم کا خوشگوار ماحول۔ ان کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ کا محترم اور محبت آمیز رویہ اور اساتذہ کی محنت اور لگن جیسے گہرے نقوش ابھرتے ہیں۔ تعلیمی نظام کی خوبیوں کے ضمن میں یہ اطلاع اہمیت سے خالی نہیں کہ اساتذہ اور طلبہ آٹھ بجے صبح شروع ہونے والی کلاس سے پہلے کلاس میں موجود ہوتے ہیں۔ مین گیٹ پر کچھ آفیسران موجود ہوتے ہیں جو یہ دیکھتے ہیں کہ طلبہ و طالبات صحیح لباس میں آ رہے ہیں یا نہیں۔ پھر یہ کہ ٹائم ٹیبل میں جو کلاس ہے وہی ہو رہی ہے یا نہیں۔ کلاس میں طلبہ کی تعداد اور استاد کی موجودگی کو بھی چیک کیا جاتا ہے۔ ورکنگ ڈے میں طالب علم شہر یا شہر کے باہر جانا چاہیں تو یہ ممکن نہیں کیونکہ پولیس دریافت کر لیتی ہے کہ پڑھائی چھوڑ کر کہاں سیر و تفریح ہو رہی ہے۔ لڑکیوں کی تعداد نہ صرف زیادہ ہے بلکہ لڑکوں کے مقابلے میں وہ زیادہ سنجیدہ بھی ہیں۔ تعلیمی نظام میں سختی کا فائدہ یہ ہے کہ ازبیک کا تعلیمی گراف بلند ہے۔ یہاں اساتذہ سبکدوش نہیں ہوتے بلکہ سبکدوشی کے بعد یہ جب تک چاہیں تدریس سے وابستہ رہ سکتے ہیں۔

پروفیسر موصوف نے تاشقند انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے حسنِ کارکردگی اور سرگرمیوں کا جائزہ بھی لیا ہے کہ کس طرح انسٹی ٹیوٹ نے ہند و پاک سے اپنا تعلیمی رشتہ استوار کر رکھا ہے۔ ہر سال تعلیمی وظائف پر طلبہ و طالبات ہندوستان اور پاکستان بغرضِ تعلیم جاتے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں تاہم انھوں نے اس رشتے اور آمد و رفت کو مزید فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے تاکہ اساتذہ اور طلبہ و طالبات کو اہل زبان کے رہنے اور ان کی تہذیب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

یہ سفر نامہ شہر تاشقند کو اردو اور ہندی کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے بھی پیش کرتا ہے۔ تاشقند انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے تحت 1947 سے اردو ہندی کی تعلیم دی جا رہی ہے، جو ہنوز جاری ہے۔ زمانۂ قدیم سے شاہراہِ ریشم کے ذریعے ازبیک اور ہندوستان کے بیچ جو تجارتی اور اقتصادی تعلقات رہے ہیں، اردو ہندی تعلیم اس سابقہ رشتوں کی تجدید اور استحکام کی ایک مستقل قدر ہے۔ یہ رشتہ علمی، مذہبی اور معاشرتی سطح پر زیادہ مضبوط رہا ہے۔ ہندوستانی رسوم و رواج میں بہت سے عناصر مشرقِ وسطی کی معاشرتی زندگی سے ماخوذ ہیں۔ بابر اس کا نشانِ امتیاز رہا ہے، جس نے ہندوستان کو اپنا ملک بنایا اور خود کو ہندوستانی کہلانے میں فخر محسوس کیا۔ اسے سفر نامہ میں بجا طور پر 'ہند۔ وسط ایشیائی قدر' سے نشان زد کیا گیا ہے۔ تاشقند کے اس ادارہ کا مقصد یہ ہے کہ ''مشرقِ وسطی تہذیبی لسانی اور اقتصادی اعتبار سے جن ممالک سے نزدیک رہا ہے اس کی تہذیب و تمدن کو زبان کے ذریعے سیکھا اور سکھایا جائے''(۵)۔

سفر نامہ تاشقند کے اس ادارہ سے وابستہ اساتذہ کرام کے کارناموں پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ یہاں پڑھنے

کے لیے سیر و سیاحت شرط ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیاحت کا شوق اور نئی دنیاؤں کی سیر انسانی تہذیب کی ابتدا سے ہی اس کی فطرت کا ایک حصہ رہا ہے''۔(۳)

گویا 'انسانی امنگوں، آرزوں اور کشاکش کے مطالعہ کے حوالہ سے 'تہذیب و ثقافت' کو پروفیسر موصوف کی سفرنامہ نگاری کا کلیدی استعارہ خیال کیا جانا چاہئے ،جس کی روشنی میں وہ جہانِ نو کی سیاحی کا 'لائحۂ عمل' تیار کرتے ہیں اور اپنی 'دوراندیشی' کے لیے اسے ناگزیر خیال کرتے ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے ملک اور بیرونِ ممالک کا کثرت سے سفر کیا ہے اور بالعموم اپنے اسفار کی یافت، مشاہدات، محسوسات اور یادداشت کو قلم بند کیا ہے۔ درونِ ملک کے سفرنامے چونکہ خود ان کے مطابق'' زیادہ تر تفریحی نوعیت'' کے ہیں، لہٰذا انھیں کلام اپنے بیرونِ ممالک کے اسفار اور وہاں کی روداد سے رہا ہے۔ لہٰذا میرا مطمحِ نظر بھی ان کے بیرونِ ممالک کے اسفار کا مطالعہ ہے۔

ازبکستان سے متعلق 'امام بخاری کے ملک میں چند روز' ان کا پہلا سفرنامہ ہے۔ یہ سفرنامہ 11رمئی تا 24رمئی 2019 یعنی محض 14 دن کی قلیل مدتی ان کے قیامِ ازبکستان کا احوال نامہ ہے۔ موصوف وہاں تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کی دعوت پر وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے مدعو تھے۔ اس سفر میں انھیں وہاں کی علمی و ادبی ماحول کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ہندی، اردو اور فارسی اساتذہ، طلبہ و طالبات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ انھوں نے تاشقند، سمرقند اور بخارا کو دیکھا اور ان کی روداد قلم بند کی۔ اس سفرنامے میں تعلیمی احوال اور ازبکستان میں بزرگانِ دین کی زیارت گاہوں سے متعلق موصوف کے تاثرات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

سفرنامہ کی ابتدا ازبکستان کی اجمالی تاریخ اور سرزمین ازبیک کے روشن نقوش اور امتیازات کے تذکرہ سے ہوتی ہے۔ شہرِ 'مزارات' بخارا اور سمرقند کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے، جس کا ایک عالم معترف ہے۔ یہاں عالمی شہرت یافتہ بزرگانِ دین اور صحابہ کرام کے مزارات ہیں۔ امام بخاری کے نامِ نامی سے منسوب یہ سفرنامہ دراصل ازبکستان میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور اس کی سربلندی کے لیے کی جانے والی کوششوں کا استعارہ ہے۔ امام بخاری نے بڑی جانفشانی سے رسول اکرم کی احادیث کی جمع و تدوین کا کام کیا، جسے قرآن کریم کے بعد پوری دنیا میں سب سے مستند کتاب (صحیح البخاری) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ امام بخاری اور امام ابوداؤد کے شاگرد اور 'جامع ترمذی' کے مؤلف حضرت امام ترمذی کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ کی جائے پیدائش ہے۔ صاحبِ ہدایہ، ابوریحان محمد بن احمد البیرونی اسی سرزمین کے نیرِ تاباں ہیں۔ مرکزی ایشیا میں علوم و فنون کو عام کرنے والے مرزا الغ بیگ بھی یہیں پیدا ہوئے۔ یہ سات خواجگان کا شہر بھی کہلاتا ہے۔ لہٰذا مغرب کے مقابلے یہ سفرنامہ کئی پہلوؤں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

24راپریل 2019 رات دو بجے پروفیسر موصوف کی پرواز جب زمین پر اتری تو ڈاکٹر محیا اور پروفیسر الفت تاشقند ایئر پورٹ کے باہر ان کی منتظر تھیں۔ خنک اور سرد ہوا میں دو محترم خواتین کی آمد سے پہلا تاثر جوان

ہوتی ہیں۔ اسی طرح تفریحی مقامات، شاپنگ مال اور شہری رنگاری سے زیادہ انھیں بزرگوں، اولیا، صوفیا، اہل علم کے مقابر و محلات، مساجد، عبادت گاہیں، خانقاہیں، دانش گاہیں ملتفت کرتی ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی سفرنامہ نگاری کا بنیادی حوالہ انسان کا اخلاقی اور اقداری نظام ہے، جس سے نہ صرف ان کی سفرنامہ نگاری قوت کشید کرتی ہے بلکہ یہی ان کی سفرنامہ نگاری کا اساسی ایجنڈا قرار پاتا ہے اور اسی حوالے سے وہ تہذیب وثقافت کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کے اب تک دو سفرنامے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا سفرنامہ 'امام بخاری کے ملک میں چند روز' جون 2019 میں براؤن بکس، علی گڑھ سے شائع ہوا۔ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام دوسرا سفرنامہ 'مشاہدات' براؤن بکس، علی گڑھ سے 2020 میں شائع ہوا۔ از یں قبل مارچ 2012 میں انھوں نے سفرنامہ نگاری پر ایک سہ روزہ عالمی کانفرس کا انعقاد بھی کیا تھا، جس کے مقالے ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کانفرنس 'اردو سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت' کے موضوع پر منعقد کی گئی تھی۔ کتاب کے مقدمے میں فاضل مرتب نے سفرنامہ کو تہذیب و ثقافت کی تفہیم کا ایک موثر وسیلہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ

> ''سفرنامہ اپنے عہد کی تہذیبی تاریخ کا نام ہے۔ اس میں زندگی اور ادب کا ایک اچھا آرٹ چھپا ہوتا ہے۔ سفر سے ہی تسخیر کائنات کا نسخہ ہاتھ آتا ہے۔ ملکوں شہروں، خطوں اور قصبوں کی سیاحت سے وہاں کی جغرافیائی حالات، لوگوں کے معاشی، سیاسی، تاریخی، اقتصادی اور علمی طور طریقوں سے واقفیت ہوتی ہے، محاسبے کا درک ہاتھ آتا ہے اور انسان سے انسان قریب تر ہوتا ہے۔ تاریخ، تہذیب اور تمدن کے انھی مختلف دھاروں سے شناسائی بہتر مستقبل کا پیش خیمہ بنتی ہے''۔(۲)

سفرنامہ نگاری پر عالمی کانفرنس کے انعقاد، جہانِ عالم کی سیر اور عدیم الفرصتی کے باوصف اس کی تحریری پیش کش سے سفر اور سفرنامہ نویسی کے تعلق سے پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ سفر اور اس کے فیوض وکمالات سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ سفر کو نہ صرف وسیلۂ ظفر خیال کرتے ہیں بلکہ انھیں شیخ سعدی کی وہ بات بھی یاد ہے کہ ع ''بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی'' یعنی پیہم سفر اختیار کرنے سے نہاں خانۂ دل و دماغ میں تازگی، شگفتگی اور پختگئ خیال کے ساتھ گنجینۂ تجربات میں اضافہ ہوتا ہے۔ پروفیسر موصوف کے ذہن میں سفرنامہ کا تصور اور فلسفہ موجود ہے، وہ یہ ہے کہ

> ''انسان اپنی امنگوں، آرزوؤں اور کشاکش کا مطالعہ اپنی تہذیب وثقافت میں ہی کرتا ہے اور وقت وحالات کے تحت اپنا لائحۂ عمل تیار کرتا ہے اور پھر ایک جہانِ نو کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس لائحۂ عمل کے تیار کرنے اور جہانِ نو کی طرف قدم بڑھانے میں اس کی دور اندیشی

ڈاکٹر امتیاز وحید
شعبۂ اردو، کلکتہ یونیورسٹی

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی سفرنامہ نگاری

(سفرنامۂ ازبکستان: امام بخاری کے ملک میں چندروز کے حوالے سے)

'سفرنامہ نگاری' کو میں ان مظلوم اصناف میں شمار نہیں کرتا، ''جنھیں ہماری ادبی تواریخ حاشیے میں بھی شمار نہیں کرتی'' (۱) بلکہ جہانِ نو کی بازیافت اور تہذیبی کشاکش کی تفہیم کے تناظر میں' میں اسے ایک دلچسپ اور کارآمد صنف خیال کرتا ہوں، جسے اب ایک خود مکتفی صنف کا درجہ حاصل ہے۔ اس کا یہی تہذیبی پس منظر اس کے فنی جوہر اور اس کی فضیلت کا اعلامیہ بھی ہے۔ غیر افسانوی نثری قافلے میں شامل سفرنامہ نگاری کو ادبی طور پر کسی طرح Alienated خیال نہیں کیا جا سکتا بلکہ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یوسف خان کمبل پوش کے 'عجائباتِ فرنگ' سے لے کر آج تک سفرنامہ نے ایک طویل، صبر آزما بلکہ حوصلہ افزا مسافت طے کی ہے۔ مواصلات اور جدید سفری سہولیات کے سبب اس کی قدر و قیمت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی ادبی، علمی اور تہذیبی تفہیم کے کئی ابعاد ہیں۔ اوّلاً وہ ایک استاد اور معلم ہیں اور یہ ان کی شناخت کا بنیادی حوالہ ہے۔ سر دست وہ سینٹر آف انڈین لینگویج، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچرل اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں اردو زبان و ادب کے پروفیسر ہیں۔ کثیر التصانیف ہیں، اردو فارسی میں ید طولی رکھتے ہیں۔ اردو زبان کی خدمت کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت اور شناخت رکھتے ہیں اور 'سفیر اردو' کہلاتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا چنداں دشوار نہیں کہ پروفیسر موصوف کا ادبی اور تہذیبی پس منظر نہ صرف متمول ہے بلکہ ان کے نقاطِ نظر میں بھی اس کی غایت درجہ کارفرمائی دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کی شخصیت کا جو ہیولیٰ تیار ہوتا ہے، وہ مشرقیت میں ملفوف ایک فعال، اولوالعزم اور فکر و نظر میں تہذیبی اقدار کا حامل نظر آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہیئتی نقطۂ نظر سے سفرنامہ کی تکوین میں گرچہ تاریخ، جغرافیہ، سوانح، تنقید، تحقیق، علم و معلومات، شخصی تجربات، تاثرات، مہمات، خطرات، فوٹوگرافی، افسانویت، مشاہدات، سفرنامہ نگار کا اسلوب اور اس کے زاویۂ نگاہ کی کارفرمائی ہوتی ہے لیکن پروفیسر موصوف کی نگاہیں سفر اور سفرنامہ نویسی میں عام معلومات سے زیادہ رشتوں کے تقدس، رشتوں کے درمیان متاثر کن لمحات، ثقافتی اقدار، کلچرل تنوعات، انسانی رویے، میزبان، ضیافت اور خلوص و تکریم پر مرکوز

۲۔ڈاکٹر محمد احمد عبد الرحمن القاضی (عرب ممالک میں اردو زبان کا پھیلاؤ)

۳۔ پروفیسر جلال السعید الحفناوی (مصر میں اردو زبان کے ستر سال)

۴۔ڈاکٹر لڈمیلا، (روس میں اردو: ماضی، حال، مستقبل)

۵۔احمد اعجاز الدین رحمت علی (عالمی تناظر میں اردو بحوالہ ثقافت) وغیرہ۔

پانچواں باب: قراردادِ، پاور پوائنٹ پریزنٹیشن کے عنوان سے ہے۔ یہ نظر کتاب میں اردو کی ترقی و ترویج کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہیں۔

نوائے آزاد

خواجہ اکرام الدین کی تصنیف ''نوائے آزاد'' فارسی ادب سے متعلق شعری مجموعہ ہے جس میں فارسی شاعر اظہر علی آزاد کاکوروی کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ شاعرانہ عظمت کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ زیر نظر کتاب میں مقدمہ اور حالات زندگی کے بعد اصل مخطوطہ کو جدید املا میں پیش کیا گیا ہے۔ آزاد کی شاعری میں ہندوستانی رنگ و آہنگ موجود ہے۔ ان کی غزلوں میں معنی آفرینی، زور بیان، عربی الفاظ کا استعمال اور اپنے عہد کی رویت کی تقلید ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ آزاد کا لب و لہجہ سادہ اور پرکشش ہے۔

پروفیسر خواجہ اکرام کی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں ان تمام پر لکھنے کے لیے کافی وقت درکار ہے لیکن میں نے یہاں صرف چند کتابوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان تمام کتب میں ان کی تنقیدی بصیرت بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے اور زیادہ تر کتابوں کے کئی ایڈیشن سامنے آچکے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا فیض یونہی جاری رہے گا۔

حواشی

۱۔اکرام الدین، خواجہ، تعارف و تنقید کتابی دنیا نئی دہلی ۲۰۰۶ ص۔۶

۲۔اکرام الدین، خواجہ، دیوانِ شانی، دہلی: ماہ نور پبلیکیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۶۵

۳۔ بہت سی معلومات خواجہ اکرام ڈاٹ سے لی گئی ہیں۔

www.khwajaekram.com

OOO

۶۔ ڈاکٹر مہتاب عالم: اردو کا قومی منظرنامہ اور اکیسویں صدی

۷۔ پروفیسر شہزاد انجم (موجودہ صدی میں اردو کے فروغ کے امکانات)

۸۔ پروفیسر ناشر نقوی (اردو زبان: فروغ کے روشن امکانات)

۹۔ ڈاکٹر عمیر منظر (اکیسویں صدی میں اردو کے وسائل کی کہکشاں)

۱۰۔ پروفیسر رفعت جمال (اکیسویں صدی میں فروغ کی عملی راہیں)

۱۱۔ سید تقی عابدی (اکیسویں صدی کی شان: اردو زبان)

۱۲۔ پروفیسر اعجاز علی ارشد (اردو کے عصری تقاضے اور اردو کی صورتحال)

۱۳۔ پروفیسر ابن کنول (اردو زبان و ادب: مسائل اور امکانات)

۱۴۔ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری (اردو زبان ہماری ذمہ داریاں اور امکانات)

۱۵۔ غلام نبی خیال (اتر پردیش میں اردو کی موجودہ صورتحال)

۱۶۔ ڈاکٹر غلام حسن میر (اردو کو تعلیمی نظام کے مرکزی دھرے سے جوڑنا ضروری) وغیرہ

دوسرا باب: فروغ اردو کے ادارے کے عنوان سے ہے۔ پہلا مضمون آصف اعظمی کا اردو کا فروغ اور ہندوستانی ماس میڈیا، دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی عبیدالرحمن ہاشمی (انٹرنیٹ کے ذریعے فروغ اردو کے لامحدود امکانات)

۲۔ حسام الاسلام صدیقی (فلموں اور میڈیا کے فروغ میں اردو کا رول)

۳۔ مشرف عالم ذوقی (اردو کے فروغ میں میڈیا اور فلم کا کردار)

۴۔ شکیل حسن شمسی (فلموں میں اردو کی خوشبو) وغیرہ

تیسرا باب: اردو اور انسان دوستی کے ضمن میں ہے۔ پہلا مضمون ڈاکٹر مظفر حنفی کا انسان دوستی اور وسیع المشربی کے فروغ میں اردو زبان و ادب کا کردار کے حوالے سے ہے۔ باقی مضامین درج ذیل ہیں۔ پروفیسر صغیر ابراہیم (انسان دوست اور اردو ادب)

۱۔ پروفیسر علی احمد فاطمی (اردو کے افسانوی ادب میں انسان دوستی کا تصور)

۲۔ پیغام آفاقی (انسانیت کے فروغ میں اردو کا رول)

۳۔ ڈاکٹر جمیل اصغر (اردو زبان کا انسان دوست شاعر۔۔۔۔۔۔۔اقبال)

۴۔ ڈاکٹر فرزانہ اعظم لطفی (نظیر اور غالب کی قلندرانہ شاعری میں انسان اور انسانیت کا پیغام) وغیرہ۔

پانچواں باب: اردو کے عالمی افق کے بارے میں ہے اس حوالے سے، شائستہ یوسف نے، عالمی سطح پر اردو زبان کا فروغ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر خلیل طوقار، (اردو کو قومی و بین الاقوامی زبان ہونے کے سفر میں درپیش رکاوٹیں)

شانی فارسی کے قادرالکلام اور خوش بیان شاعر تھے۔

اردو کی شعری اصناف

خواجہ اکرام الدین کی تصنیف ''اردو کی شعری اصناف'' کی اہمیت مسلم ہے اس کتاب میں مصنف اصناف سخن سے متعلق بحث کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ شاعری میں ہیئت اور موضوع کے لحاظ سے دیگر تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں جو مختلف اصناف سخن کی شکل اختیار کر گئیں ہیں۔

پیش نظر کتاب میں مصنف نے متعدد اصناف پر طبع آزمائی کی ہے اور ان اصناف کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب میں شامل اصناف درج ذیل ہیں ۔جس میں قصیدہ ،غزل ،مثنوی ،مرثیہ ،نظم ،شہر آشوب ، واسوخت ،ریختی ،رباعی ،قطعہ قابل ذکر ہیں ۔آخر میں مصنف نے شعری اصلاحات اور ان کے مفاہیم پر مزید بحث کی ہے اور ان کے مطالب ومفاہیم کو ظاہر کیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب اردو ادب سے متعلق آپ کی عقیدت ومحبت کو ظاہر کرنے کا ایک بہترین ثبوت ہے اور عصرِ حاضر کے طلبہ وطالبات کے لیے رہنمائی کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

اکیسویں صدی میں اردو فروغ اور امکان

خواجہ اکرام الدین کی کتاب ،''اکیسویں صدی میں اردو فروغ اور امکان'' اردو ادب کے ضمن میں اہم تصنیف ہے،اس میں ملک کی نامور شخصیت کے مضامین کو یکجا کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ مضامین ۲۰۱۴ میں عالمی اردو کانفرنس میں متعدد حضرات نے پیش کیے۔ یہ کانفرنس کی روداد کی تفصیلات اور مقالات کا مجموعہ ہے۔جس میں شعرا، ناقدین، دانشوروں اور صحافیوں کے بیش قیمت خیالات درج ہیں۔

اکیسویں صدی میں اردو فروغ اور امکان، پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب: اردو زبان: منظر، پس منظر کے عنوان سے متعلق ہے جو کہ انیس مضامین پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب فروغ اردو کے ادارے کے حوالے سے ہے یہ باب پانچ مضامین پر مشتمل ہے۔تیسرا اردو اور انسان دوستی کے ضمن میں ہے۔اس باب میں چھ مضامین شامل ہیں اور آخری باب قرارداد اور پاور پوائنٹ پریزنٹیشن کے نام سے ہے جو کہ دو مضامین پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں سید محمد اشرف نے اردو زبان وادب سے متعلق اپنا مضمون (زبان اردو: ماضی ،سمت ورفتار اور مستقبل) کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

۱۔ پروفیسر سید محمود الحسن (اکیسویں صدی میں اردو کی صورتحال)

۲۔ڈاکٹر محمد احسن، (عہد حاضر کا ترقیاتی منظر اور اردو زبان)

۳۔ پروفیسر احمد سجاد، (اکیسویں صدی میں اردو کا فروغ کے امکانات)

۴۔ڈاکٹر سید سجاد حسین (اکیسویں صدی میں اردو کی ترقی وامکانات)

۵۔ پروفیسر صاحب علی (اکیسویں صدی میں اردو: فروغ اور امکان)

ہے''، سید سلمان ندوی ''جنوبی ہند''، روسیو تھیونو ''سفر نامہ دکن''، حسن رضوی ''دیکھا ہندوستان'' اور قمر عباس جعفری کا سفر نامہ ''رپورٹر کی ڈائری'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سفر ناموں کے اغراض ومقاصد، علمی وفکری بازیافت اور اس کی تمدنی وادبی معنویت پر مشتمل موصوف کا مقدمہ ہے۔ جو ہندوستانی تہذیب وثقافت پر غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

دیوان شانی

خواجہ اکرام الدین کی تالیف ''دیوانِ شانی'' اہم تحقیقی کاوش ہے جس میں مصنف نے نہ صرف شاعر نسف آقا ملا نفیس الدین شانی تکلو کی حیات اور فن کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے بلکہ شاعر کے عہد کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی ماحول پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں درج ذیل عنوانات شامل ہیں۔

(۱) ایران کا سیاسی، سماجی اور ثقافتی ماحول (۲) ادبی صورتحال (۳) عہدِ مغلیہ کی سیاسی زندگی (۴) ہندوستان میں فارسی ادب کا مطالعہ (۵) شاہجہانی عہد کے فارسی شعر (۶) سوانح مولانا شانی تکلو (۷) رفقاء معاصرین اور تکلو کی شاعری (۸) دیوانِ شانی (۹) غزلیات (۱۰) قصائد (۱۱) رباعیات (۱۲) مسدس وغیرہ

مصنف کے نزدیک نسف آقا ملا شانی تکلو جو اس دیوان کے تخلیق کار ہیں صفوی عہد کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کا تعلق شاہ عباس صفوی کے عہد حکومت سے تھا۔ عباس اعظم آپ کے مربی اور سرپرست تھے۔ آپ کا اصل نام نسف آقا تھا۔ آپ نے زندگی کے بیشتر ایام اصفہان میں گزارے اور آخری ایام مشہد (شہر ایران) میں اور وہی مدفون ہوئے۔

شانی تکلو محض درباری شاعر نہ تھے۔ آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی بھی کی۔ خصوصاً غزلیات میں جولانی طبع اور رنگینی مضامین قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ قصائد، مسدس اور رباعی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ شاعری میں جولب ولہجہ آپ نے اختیار کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حافظ سے بہت متاثر تھے۔ شانی تکلو کی غزلیات فارسی ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ آپ کی غزلوں میں معنی آفرینی، زورِ بیان اور حلاوت ورنگینی پائی جاتی ہے۔ لب ولہجہ سادہ اور پرکشش ہے۔

برخیز و جلوہ کن قد قیامت خیز را
بر عالم بالا فگن غوغائی رستا خیز را (۲)

شانی تکلو نے قصائد بھی لکھے ہیں لیکن زیرِ نظر میں صرف دو قصائد شامل ہیں۔ پہلے قصیدے میں کل چھپن اشعار ہیں جس کی ردیف ''ہ'' ہے دوسرا قصیدہ چوہتر اشعار پر مشتمل ہے جس کی ردیف ''د'' ہے۔ مولانا شانی تکلو نے مسدس میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ دیوان شانی میں صرف دو مسدس شامل ہیں جو کہ مذہب سے متعلق ہیں۔

''ہندوستانی تہذیب وثقافت'' کے زمرے میں شامل پہلا مضمون سفر نامہ کے ادبی سروکار سے بحث کرتا ہے۔ جس میں تاریخی حوالے سے ہجرت رسول ﷺ کے سیاق میں تاریخ اسلام میں سفر کو انسانی اور اخلاقی تصور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مضمون سفر نامے کے صنفی ابعاد پر روشنی ڈالتا ہے اور تفصیل سے سفر نامے کے عناصر کی نشاندہی کرتے ہوئے سفر کرنے کو سفر نامہ نگاری سے مشروط کیا گیا ہے۔ اس حصے کے بیشتر مضامین میں ابنِ بطوطہ کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے سفر نامے میں ہندوستان کو کن کن خصوصیات کا حامل بتایا ہے۔ قرون وسطیٰ کی تاریخ میں اس کے بیانیہ کی کیا خصوصیات ہے یا یہ کہ ابن بطوطہ نے ہندوستان کے پھل اور مختلف میووں کا کس طرح ذکر کیا ہے۔ ''کتاب الہند'' کے حوالے سے ہندو صنمیات، ہندو الٰہیات اور ہندو اساطیری تصورات پر البیرونی کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ جبکہ اس زمرے کے بعض سفر ناموں میں ثقافتی اور تمدنی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

''دہلی اور ہندوستانی ریاستیں'' یہ باب سات مضامین پر مشتمل ہے جس میں دہلی، دکن، بنگال، وادی کشمیر، لداخ اور پونے سے رانچی کے علاوہ دیگر علاقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ روز نامچہ کی صورت میں مولانا حکیم عبدالحی کی قدیم ترین روداد سفر جو بعد میں دہلی اور اس کے اطراف کے نام سے شائع ہوئی ہے، پر ایک مبسوط جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس زمرے میں شامل مضامین متذکرہ خطوں کی تہذیب، تاریخ اور عام سماجی زندگی کی حرارت سے عبارت ہیں۔

''ہندوستان غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں'' یہ حصہ ان سیاحوں پر مشتمل ہے جو ہندوستان کی سیر کے لیے آئے اور غیر ملکی سیلانیوں نے انھیں تحریری شکل میں لکھا۔ ان میں عرب، برطانیہ، اور پاکستان خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ عرب سیاحوں کی نظر میں عہد وسطیٰ کا شہر دہلی کی مرکزی حیثیت پہ قابل قدر گفتگو کی گئی ہے۔ اس حصے میں کولونیل دور کی برطانوی خواتین سیاح کی نظروں نے ہندوستانی تہذیب وثقافت کے حوالے سے جو کچھ دیکھا، برتا اور پایا ساتھ ہی استعماری ہند کے سفر ناموں میں بازار، کلچر، صاحب تبریزی اور علی حزیں کی فارسی شاعری میں ہندوستانی تمدن اور بیرونی سیلانیوں کے سفر ناموں میں جنت نشاں خطِ کشمیر کے ضمن میں بحث شامل ہے۔

آخری حصہ سفر ناموں کے جائزے پر مشتمل ہے جس میں دس سفر ناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جناب کوثر نیازی کا سفر نامہ ''نقش رہ گزر'' ہندوستان میں ان کے دو اسفار کی روداد پر مشتمل سفر نامہ ہے۔ اس میں سفر نامہ نگار کے دلی جذبات و کیفیات کے ساتھ تصوف، تاریخ اور ادب و سیاست کے بعض اہم گوشے زیر بحث ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ اور یورپی ممالک کے سفر پر مشتمل پروفیسر احتشام حسین کا سفر نامہ ''ساحل اور سمندر'' کا تہذیبی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ سفر نامہ ڈائری کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ معروف ترکی اسکالر کے سفر ہند کی روداد پر مشتمل ''دوران ہند'' کو اس کے مشمولات کے پیش نظر ہندوستانی تہذیب وثقافت کا آئینہ بتایا گیا ہے اس کے علاوہ رضا علی عابدی کا مقبول سفر نامہ ''جرنیلی سڑک''، شہزاد منظر کا ''تین شہروں کی کہانی'' انتظار حسین ''جستجو کیا

اور اس کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔اردو میں شروع ہی سے بطور زبان ایسی صفات موجود تھیں جس کی بدولت اسے ترسیل وابلاغ کے لیے موزوں ترین زبان سمجھا گیا اور اپنے آغاز ہی سے اردو لنگوا فرینکا کے طور پر برصغیر میں عوامی رابطے کا وسیلہ بن گئی۔ برصغیر میں اخبارات ورسائل ہوں یا ڈرامہ اور سینما ان کی ابتدا اور فروغ اردو کے حوالے ہی سے ہوئی۔مزکورہ بالا کتاب اردو کا میڈیا کے ساتھ تعلق کا بھر پور احاطے کرنے کے ساتھ ساتھ اردو میڈیا کے گوناگوں پہلوؤں کا احاطہ بھی کرتی ہے۔اس کتاب میں ایسے مضامین کو شامل کیا گیا ہے جو اردو میڈیا کے روایتی اور جدید تر ابعاد اور جہات کا نہ صرف احاطہ کرتے ہیں بلکہ حد درجہ معلوماتی اور کارآمد ہیں۔میڈیا کی مختلف شاخوں کی تاریخ وارتقا سے متعلق معلوماتی مضامین کے علاوہ متعدد ایسے مضامین کتاب میں شامل ہیں۔جو میڈیا کے عملی پہلوؤں اور تقاضوں سے متعلق معلومات کے در پیچے اردو قارئین پر وا کرتے ہیں۔اردو صحافت کے ضمن میں خبر نگاری ،ادارت ،ادارہ نویسی ،ایڈیٹنگ ،نیو رپورٹنگ،سیاسی رپورٹنگ،بزنس رپورٹنگ، قانونی رپورٹنگ، پریس کانفرنس ، انٹرویو، انٹرویو کی تکنیک ،ملاقات نگاری ،تبصرہ نگاری ،تصویری صحافت،کارٹون نگاری،اخباری ترجمہ نگاری اور صفحہ سازی سے متعلق لازمی معلومات اور تفصیلات پر مشتمل مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے جبکہ ریڈیو کے ضمن میں ہندوستان میں ریڈیو نشریات،کمیونٹی ریڈیو، ٹیلی ویژن کا آغاز وارتقا، ٹی وی، رائٹنگ کے اصول، ہندوستانی سینما اور اردو جیسے اہم اور معلوماتی مضامین اس کتاب میں شامل ہیں۔علاوہ ازیں وہ جدید ترین وسائل جو آج عوامی ذرائع ترسیل کا اہم ترین حصہ بن گئے ہیں۔ان سے متعلق اہم ترین مضامین مثلاً انٹرنیٹ اور اردو، آن لائن میڈیا اور اردو، اردو ڈیجیٹل لائبریری اور آن لائن اردو کورس، اردو سوفٹ ویئر اور بلاگ وغیرہ اس کتاب کی عصری معنویت اور اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ بہر حال خواجہ اکرام الدین کی مرتب کردہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ذریعے شائع کردہ زیرِ تبصرہ کتاب ''اردو میڈیا'' صحافت سے آگاہی کے سمت اہم قدم ہے۔ایسی کتابوں کی اشاعت سے اردو میڈیا کے طلبہ اور اساتذہ کی ضرورتوں کی تکمیل ہوگی اور اردو ادب کا دائرہ وسیع ہوگا۔

اردو سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت

خواجہ اکرام الدین کی کتاب ''اردو سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت'' سفرناموں سے متعلق اہم ادبی کاوش ہے جس میں انھوں نے ہندوستانی تہذیب وثقافت کو سفرناموں کی بدولت عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب ان مقالات کا مجموعہ جو مارچ ۲۰۱۲ء میں ہندوستانی تہذیب وثقافت کے موضوع پر منعقدہ سیمنار کے تحت پڑھے گئے۔اس میں کل اکتالیس مقالے شامل ہیں۔جنھیں چار ذیلی عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ یہ مضامین ہندوستان اور اس کی مختلف ریاستوں ،شہر،قصبہ یا علاقے کی تاریخ،تہذیب، عام زندگی کی بود و باش، پیشہ وتجارت، علمی وادبی سرگرمیاں،فکر وتحقیق، کاشت،ضمیمات اور ہندوستانی زندگی کے دیگر متعلقہ گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فرزانہ اعظم لطفی

(۷) اردو سے فارسی ترجمہ کی ضرورت ایک مطالعہ۔ پروفیسر علی بیات (۸) اردو کی عالمی مقبولیت وسعت اور وقت۔ پروفیسر علی احمد فاطمی (۹) ازبکستان میں اردو تدریسی اور تحقیقی سرگرمیاں۔ ڈاکٹر سراج الدین نور متوف (۱۰) اکیسویں صدی کے افسانے میں تغیر پذیر سماجی اقدار۔ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری (۱۱) سعودی عرب میں اردو زبان اور اس کا مستقبل۔ ڈاکٹر جلال السعید الحفناوی۔ (۱۲) پیمانہ اردو...... نصف خالی یا نصف پر؟۔ پروین شیر ۔وغیرہ

چوتھا باب: اردو صحافت اور ترجمہ کے حوالے سے ہے یہ باب بھی متعدد معزز افراد کے مضامین پر مشتمل ہے پہلا مضمون اردو تراجم ضرورت و امکان، پروفیسر مرزا حامد بیگ، دیگر مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) اطلاع اساس معاشرہ کا تصور اور اردو زبان۔ پروفیسر شافع قدوائی (۲) اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں اردو تراجم کا رول۔ پروفیسر سید سجاد حسین (۳) ہندوستان میں اردو صحافت آئینہ ایام میں۔ معصوم عزیز کاظمی (۴) جاپان میں آن لائن اردو میڈیا کی صورتحال۔ ناصرنا کا گاوا (۵) ماریشس میں الیکٹرانک میڈیا اور اردو ۔عنایت حسین (۶) اردو صحافت۔ روبینہ فیصل (۷) اردو زبان اور برقی میڈیا۔ پروفیسر زماں آزردہ (۸) اردو ذرائع ابلاغ۔ رضا علی عابدی (۹) دیارِ مغرب میں اردو: اکیسویں صدی کے تناظر میں۔ صدف مرزا (۱۰) اکیسویں صدی میں اردو اور صحافت۔ ڈاکٹر ثوبان سعید (۱۱) ادارہ نویسی کے فنی اور ثقافتی عوامل۔ پروفیسر صغیر افراہیم (۱۲) اردو میں ترجمہ نگاری کی ادارہ سازی: ضرورت اور مسائل۔ سہیل احمد فاروقی۔

پانچواں باب: اردو کا تعلیمی اور انفوٹینمنٹ شعبوں میں رول کے بارے میں ہے یہ باب دیگر ابواب کی نسبت کم مضامین پر مشتمل ہے پہلا مضمون اکیسویں صدی میں اردو تعلیم کی صورتحال کے حوالے سے ہے جو کہ پروفیسر ابن کنول نے پیش کیا ہے۔ دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) ہندوستان میں اردو تعلیم کے احیا کے لیے وسیع تر جولان گاہوں کی تلاش۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی (۲) فاصلاتی تعلیم بذریعہ اردو میڈیم۔ ڈاکٹر محمد احسن (۳) آندھرا پردیش میں اردو ڈراما اور قلم کا فروغ۔ پروفیسر مظفر شہ میری (۴) اکیسویں صدی میں ہندوستان اسٹیج اور اردو ڈرامہ

زیر نظر کتاب میں اردو زبان کو درپیش مسائل پر عمدہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور اردو زبان کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ہم اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں کوشاں رہیں اور اپنے اس قومی ورثے کی شناخت صدیوں تک قائم رکھ سکیں۔

اردو میڈیا

''اردو میڈیا' خواجہ اکرام الدین کی ایک اہم تصنیف ہے۔ جس میں انھوں نے اردو کا میڈیا کے ساتھ تعلق

(۳) تیسرا باب: اردو زبان وادب کا قومی و بین الاقوامی منظر نامہ۔

(۴) چوتھا باب: اردو صحافت اور ترجمہ۔

(۵) پانچواں باب: اردو کا تعلیمی اور انفوٹینمنٹ شعبوں میں رول وغیرہ۔

پہلا باب: اردو کا سماجی وثقافتی منظر اس میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اکیسویں صدی کے عالمی تناظر میں اردو ادب کی سماجی وتہذیبی قدروں کی ترقی کے امکانات کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) اردو کی تہذیبی معنویت اور مستقبل کے امکانات۔ پروفیسر عبدالستار دلوی۔ (۲) اردو کا لسانی، ادبی اور ثقافتی فروغ۔ پروفیسر عتیق اللہ (۳) اردو کی سماجی وثقافتی ترقی۔ امین حیدر (۴) اردو کا سماجی او ر ثقافتی ڈسکورس۔ پروفیسر قدوس جاوید (۵) اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ۔ سید فیصل علی (۶) اردو شاعری اپنے لسانی وتہذیبی تناظر میں۔ ڈاکٹر مختار شمیم (۷) سماجی وثقافتی سرگرمیاں اور خواتین۔ ڈاکٹر سیما صغیر (۸) اکیسویں صدی میں اردو کا تاریخی وتہذیبی سیاق۔ ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی وغیرہ۔

دوسرا باب اردو زبان: ماضی، حال اور مستقبل کے عنوان سے متعلق ہے۔ یہ باب بارہ مضامین پر مشتمل ہے پہلا مضمون محمد نعمان وحید بخاری کا ''اردو زبان اور نسل نو'' دیگر مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) اردو زبان کا فروغ: ماضی اور حال۔ سید اقبال حیدر (۲) بیسویں صدی میں طلوع ہونے والا اردو کا سورج مائل بہ غروب کیوں؟۔ پروفیسر خلیل طوق آر (۳) ایک غیر ملکی کی نظر میں ہندوستان میں اردو کو درپیش چیلنج۔ ڈاکٹر احمد القاضی (۴) اردو زبان کا فروغ: ماضی، حال اور مستقبل۔ ڈاکٹر محمد آصف اعوان (۵) اردو زبان حال اور مستقبل۔ علیم صبا نویدی (۶) اردو زبان کا سماجی فروغ ماضی اور حال کے آئینے میں۔ پروفیسر اعجاز علی ارشد (۷) اردو زبان حال اور مستقبل۔ پروفیسر محمد نعمان خان (۸) ریاست جموں وکشمیر میں اردو: ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک (۹) اردو زبان حال اور مستقبل۔ ڈاکٹر مشتاق احمد (۱۰) عالمی تغیرات اور تحفظ اردو۔ شاہد لطیف (۱۱) اکیسویں صدی میں اردو طنز ومزاح۔ نصرت ظہیر وغیرہ

تیسرا باب اردو زبان وادب کا قومی و بین الاقوامی منظر نامہ کے حوالے سے ہے۔ اس باب میں بھی متعدد حضرات کے مضامین شامل ہیں اور اردو زبان وادب کے حوالے سے اہمیت کے حامل بھی ہیں پہلا مضمون اردو میں لسانی تحقیق: ایک جائزہ، (پروفیسر نصیر احمد خان) دیگر مضامین درج ذیل ہیں۔

(۱) عالمی ادب کے رجحانات سے اردو ادب کی اثر پذیری۔ پروفیسر ابو الکلام قاسمی (۲) اکیسویں صدی میں اردو تنقید۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر (۳) اقبال کی اردو شاعری اکیسویں صدی کے تناظر میں۔ ڈاکٹر جمیل اصغر (۴) ایران میں اردو کے ثقافتی فروغ کی صورتحال۔ پروفیسر وفا یزدان منش (۵) اردو جاب مارکیٹ، بازار اور روزگار۔ ناظم الدین مقبول (۶) اردو زبان اور اردو شاعری کا فروغ ماضی اور حال: ایرانی ذہن وتہذیب۔ ڈاکٹر

۱۰۔ الیکٹرونک میڈیا اور اردو

۱۱۔ دیوانِ شاقی

۱۲۔ اردو غزل

۱۳۔ شعرائے عظیم آباد کا تنقیدی شعور

۱۴۔ اردو اور بنگلہ تہذیب

۱۵۔ سید عبدالحکیم ارمان کی شاعری

اس کتاب میں کئی ایسے مضامین ہیں جو بہت ہی جدید موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ خاص طور پر اردو تدریس مسائل اور طریقۂ کار اس کے علاوہ سائبر اسپس اور اردو تدریس۔ یہ بہت ہی جدید موضوع ہے اس کے متعلق مصنف لکھتے ہیں کہ یہ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم اردو کو جدید تکنیک سے جوڑیں ورنہ زبان ترقی کے دور میں پیچھے رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں شامل تمام مضامین میں مصنف کا اپنا نقطۂ نظر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جس میں روایت اور تہذیبی اقدار کی جھلک بھی نمایاں ہے۔

اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ

خواجہ اکرام الدین کی مرتب کردہ ادبی کاوش ''اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ'' ایک اہم تالیف ہے۔ جس میں انھوں نے اردو زبان وادب کے سماجی وثقافتی منظرنامے پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ موجودہ دور میں اردو زبان کا کیا نقشہ بن رہا ہے؟ کون سے مسائل درپیش ہیں ان مقاصد کے پیشِ نظر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند (جو کہ اردو زبان وادب کا سب سے بڑا ادارہ ہے) نے عالمی کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا ہے اور قومی وعالمی سطح پر اردو زبان وادب کی صورتحال کا جائزہ لیا ہے۔

کونسل میں دنیا کے مختلف براعظموں کے تیرہ ملکوں کے پچیس مندوبین نے شرکت کی اور اہم موضوعات پر اپنے مقالے پیش کئے۔ ان مقالات میں ادیبوں اور شاعروں کی مختلف کارکردگی، اردو کی ضرورت واہمیت، اردو کے تدریسی مسائل، مختلف اصناف سخن واسالیب میں اردو کی پیش رفت، جنوبی اشیا کے باہر کے ملکوں میں اردو زبان کے پھیلاؤ اور اردو بولنے والوں کے تہذیبی ولسانی رویوں اور مسئلوں کی نشاندہی اور ان سب علاقوں میں اردو کے بہتر مستقبل کے لیے کی جانے والی کوششوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلا باب: اردو کا سماجی وثقافتی منظر کے عنوان سے ہے جس میں مختلف محققین کی تنقیدی کاوشیں شامل ہیں۔

(۲) دوسرا باب: اردو زبان: ماضی، حال اور مستقبل۔

اور اپنے اسلوب میں کیا جدت پیدا کی ہے ۔اس کے علاوہ اس باب میں مرزا فرحت اللہ بیگ ،مرزا عظیم بیگ چغتائی ، پطرس بخاری ،شوکت تھانوی اور کنہیالال کپور کے اسلوب کو پیش کیا گیا ہے۔

آخری باب: ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے ہے اس باب کو خواجہ اکرام الدین نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں رشید احمد صدیقی کے اسلوب کی مجموعی خصوصیات کو ان کی تخلیقات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور دوسرے حصے میں مضامین رشید کے حوالے سے ان کے اسلوب کے تشکیلی عناصر سے بحث کرتے ہوئے صوتی ،صرفی اور نحوی سطح پر رشید احمد صدیقی کی تحریروں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ہی خواجہ اکرام الدین نے ان کی تحریروں میں جن صنعتوں کا استعمال ہوا ہے ان کی نشاندہی بھی کی ہے اور باب کے آخر میں بھی اجمالی بحث کی گئی ہے۔

تعارف وتنقید

یہ کتاب پروفیسر خواجہ اکرام کے مختلف تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۶ میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں خود مصنف لکھتے ہیں کہ:

> ''مختلف سیمناروں میں پڑھے گئے یہ مضامین قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں ۔ان میں شامل مضامین کی نوعیت تنقیدی ، تحقیقی اور تجزیاتی ہے۔ چند مضامین ایسے ہیں جو ہندو پاک کے اہم رسالوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو سیمنار کے منتظمین کے وعدوں کے ساتھ کہیں فائلوں میں دبے ہوں گے۔اس سے پہلے کہ یہ مضامین طاقِ نسیاں کے حوالے ہو جاتے ،ان میں ضروری ترمیم واضافے کے بعد شائع کیے جا رہے ہیں ۔تمام کوششوں کے باوجود عین ممکن ہے کہ ان میں تشنگی کا احساس ہو،مگر جن بنیادوں پر یہ مضامین لکھے گئے ہیں ،ان میں قطع وبرید کے امکانات کم تھے۔''(۱)

اس کتاب کے مشمولات اس طرح ہیں

۱۔پیش گفتار

۲۔اردو زبان کی تعلیم : مسائل ،طریقِ کار اور تجاویز

۳۔تذکرہ اور طرزِ آزاد

۴۔رشید احمد صدّیقی کا اسلوب

۵۔عظیم بیگ چغتائی کا اسلوب

۶۔اقبال کی شاعری میں کوہ وکہسار

۷۔اقبال کی نظم ''سیّد کی لوح تربت''-ایک مطالعہ

۸۔اقبال: ساجھی وراثت ۹۔صحافت کے ذیلی شعبے

فوزیہ نوشیر
پاکستان

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی چند تصانیف کا مختصر جائزہ

خواجہ محمد اکرام الدین، جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، دہلی میں پروفیسر ہیں۔خواجہ اکرام الدین ایک اچھے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتب کے مصنف بھی ہیں۔انھوں نے اردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے ضمن میں متعدد کتب تخلیق کیں۔جن کی اہمیت مسلم ہے۔ان کتب میں موضوعات کے اعتبار سے کافی تنوع ہے۔تحقیق، تنقید، میڈیا، جدید ٹکنالوجی کے علاوہ انھوں نے فارسی کے دو مخطوطات کی بھی تدوین کی ہے۔ان تصانیف سے ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ان کی چند اہم تصانیف کا اس مقالے میں جائزہ لیا جائے گا۔

رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ

خواجہ اکرام الدین کی تصنیف ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'' اہم تصنیف ہے، جس میں مصنف نے رشید احمد صدیقی کی مزاحیہ تحریروں کے امتیازات اور انفرادی خصوصیات کو واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔خواجہ اکرام الدین نے زیر نظر کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب: ''طنز ومزاح کا فکری وفنی جائزہ'' کے عنوان سے ہے جس میں طنز ومزاح کی ماہیت سے بحث کرتے ہوئے اس کے محرکات ہنسی کا رشتہ، طنز ومزاح میں فرق اور خالص مزاح کی نوعیت پر غور کرتے ہوئے مصنف نے مزاح کی اہمیت کو واضح کرنے کی سعی کی ہے۔

دوسرا باب: ''اردو طنز ومزاح کے اسالیب'' سے متعلق ہے جس میں رشید احمد صدیقی سے قبل طنز ومزاح کے جو پیرائے سامنے آئے تھے ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور مزاح نگاروں کے اسلوب کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ان مزاح نگاروں میں غالب، سرسید احمد خان، سرشار، منشی سجاد حسین، نواب آزاد، مرزا مچھو بیگ، احمد علی شوق، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، مہدی افادی، سجاد حیدر یلدرم، خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، سجاد انصاری، ملّا رموزی، قاضی عبد الغفار وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تیسرا باب: ''رشید احمد صدیقی کے معاصرین کے اسالیب'' کے بارے میں ہے۔زیر نظر باب میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ رشید احمد صدیقی نے اپنے ہم عصروں کے رجحان ورویے سے کس قدر انحراف کیا ہے

بزم ادب برلن کے جنرل سیکریٹری سرور غزالی کی موجودگی نے ان ملاقاتوں کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنادیا۔

پروفیسر خواجہ اکرام الدین بہت سے کتب کے مصنف ہیں اور حال ہی میں ان کی ایک نئی کتاب 'مشاہدات' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس میں ان کے مختلف ممالک کے سفرنامے شامل ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں پاکستان ترکی، جاپان، امریکہ، ایران، فن لینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ڈنمارک، اسپین، برطانیہ ماریشس فرانس، ایران، افغانستان، متحدہ عرب امارات اور ازبکستان میں اپنے دوروں کا احوال بہت خوبصورتی اور دلچسپی سے بیان کیا ہے۔ ان تمام ممالک میں ان کے سفر کا مقصد اردو ادب کی سرگرمیوں میں حصہ لینا تھا۔ اس وجہ سے ان کی یہ کتاب نہ صرف دلچسپ سفرناموں پر مشتمل ہے بلکہ وہاں کی ادبی سرگرمیوں خصوصا اردو کی صورت حال سے بھی آگاہی کا سبب ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پروفیسر خواجہ اکرام الدین کی شخصیت کا عالمی سطح پر اعتراف اور ان کی مقبولیت کا درخشاں ثبوت ہے۔ انہیں جو شخص بھی ملتا ہے، ان کے اعلی اخلاق کی بدولت ان کا مداح ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ کی صلاحیت، حالات پر گہری نظر اور اپنے سفر سے نتائج اخذ کرنے میں انہیں ملکہ حاصل ہے۔ ان کا انداز تحریر بہت دلچسپ اور شگفتہ ہے کہ قاری پڑھتے چلا جاتا ہے۔ اردو میں لاتعداد سفرنامے لکھے گئے اور مستقبل میں لکھے جائیں گے لیکن خواجہ اکرام الدین کی کتاب 'مشاہدات' انفرادیت لئے ہوئے ہیں اور اس کی یہ خوبی برقرار رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے محض سفرنامہ نہیں لکھا بلکہ اس میں میزبان ملک کے سماج، ادب، مسائل اور حالات کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ قابل عمل تجاویز بھی دی ہیں۔

''پاکستان کتنا دور کتنا پاس'' کے عنوان سے انہوں نے اپنی کتاب 'مشاہدات' میں اپنے فیصل آباد، لاہور اور پشاور کے یادگار دوروں کا تذکرہ بہت دلچسپی اور خوبصورتی سے کیا ہے۔ انہیں ہمیں بغور پڑھنا چاہیے۔ انہوں نے اپنے دورہ پاکستان میں فیصل آباد، لاہور اور پشاور کی ادبی سرگرمیوں اور اپنے وفد کی شاندار پذیرائی اور مہمان نوازی کا خوب ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لاہور کی تاریخی عمارتوں کی سیاحت کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی ان عمارتوں کی مناسب دیکھ بھال نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حکومت کو توجہ دینے کی اپیل کی ہے۔ ان کا یہ مشاہدہ بالکل درست ہے اور بحیثیت مجموعی پاکستان میں تاریخی ورثہ کی دیکھ بھال کی طرف وہ توجہ نہیں دی جاتی جس کی ضرورت ہے۔ بہرحال پروفیسر خواجہ اکرام الدین کی نئی کتاب دنیا بھر میں محبان اردو کے درمیان نہ صرف رابطہ کا باعث ہوگی بلکہ اردو ادب میں ایک منفرد اور خوبصورت اضافہ ہوگی جس کا ہر شخص کو مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس سفرنامے میں انھوں نے دو قریبی ملک میں گہرے تہذیبی روایات کے باوجود اتنی دوریاں پیدا ہوگئی ہیں یہ افسوسناک ہے۔ بالخصوص ادیبوں اور شاعروں کا بھی ملنا ہوگیا ہے۔ اس سفرنامے میں کئی ایسے حقائق ہیں جن پر غور کیا جانا چاہیے۔

○○○

ڈاکٹر عارف محمود کسانہ
سوئیڈن

پاکستان کتنا دور کتنا پاس

اگر کسی کو یہ جاننا ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اردو کی تعلیم و تدریس اور ادبی سرگرمیوں کی نوعیت کیسی ہے یا وہاں کون کون سے لوگ اور تنظیمیں اردو کے فروغ میں حصہ لے رہی ہیں تو اس کے لئے ایک ہی نام پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کا سامنے آتا ہے۔ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی اردو کی بستیوں کو منظر عام پر لانے اور انہیں متعارف کرانے کا جو عظیم کام انہوں نے شروع کیا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ واقعی محب اردو ہیں جنہیں اس زبان سے عشق ہے۔ انہوں نے اردو کوئی نئی ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس میں آنے والی مشکلات کو اس طرح سے دور کیا ہے کہ اب اردو بھی دوسری زبانوں کی طرح کمپیوٹر کے جدید تقاضوں پر پورا اتر رہی ہے۔ ان کا ایک اور کارنامہ دنیا بھر سے اردو زبان سیکھنے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے آن لائن تدریس ہے۔ اردو زبان سیکھنے کی خواہش رکھنے والے گھر بیٹھے اردو سیکھ سکتے ہیں خصوصاً برصغیر سے تعلق رکھنے والے جو اردو بولتے ہیں لیکن اب وہ دنیا کے مختلف ممالک میں مقیم ہیں اور اپنے بچوں کو اردو زبان سکھانا چاہتے ہیں، وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اس وقت جواہر لال نہرو یونیوسٹی دہلی کے شعبہ اردو میں تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ وہ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئرمین ہیں جس کے تحت دنیا بھر میں اردو زبان کے لئے ہونے والے ادبی کام اور اہل قلم کے مابین رابطہ کا بھی ذریعہ ہیں۔ مہجری ادب کی جانب انہی کی توجہ مبذول ہوئی اور اس حوالے سے وہ بہت عظیم کام کر رہے ہیں۔ خواجہ اکرام سے متعارف ہوئے تو کئی سال ہو چکے ہیں لیکن ان سے بالمشافہ ملاقات کی سعادت دو سال قبل برلن جرمنی میں ہوئی جب وہاں مقیم معروف افسانہ نگار، شاعر اور کالم نگار سرور غزالی نے ہمیں اپنی ادبی تنظیم بزم ادب برلن کے زیر اہتمام ہونے والے پرگرام میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ یہ ایک یادگار موقع تھا جس میں تفصیلی ملاقاتیں بھی ہوئیں اور ہم نے مختلف ادبی تقریبات میں اکٹھے شرکت کی۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں شعبہ عربی کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر رضوان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ فرینکفرٹ میں مقیم اردو کے ممتاز شاعر، ادیب اور صحافی سید اقبال حیدر، انجمن اردو برلن کے صدر اور معروف ادیب، شاعر اور دانشور عارف نقوی، سویڈن سے معروف شاعر جمیل احسن اور ہمارے میزبان

لائبری، آڈیو سائنٹس، اردو لرنگ سائنس وغیرہ موضوعات پر ماہرانہ جانکاری فراہم کی گئی ہے۔

کتاب کی اہمیت سے متعلق مصنف رقمطراز ہیں کہ اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات، تکنالوجی سے بھر پور الیکٹرانک میڈیا کے شعبہ میں اردو زبان کے امکانی جہتوں کی تلاش اور تعبیر وتفہیم کی ایک کوشش ہے۔

اس طرح سے پروفیسر خواجہ محمد اکرام صاحب کی علمی وادبی اور تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو جدید تکنیکی وسائل سے جوڑنے کے فکری وعملی اور لسانی وادبی کارنامے بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور انہیں ''سفیر اردو'' کے خطاب کا مستحق قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

OOO

دانشوروں، مفکروں، ادیبوں اور ناقدین نے شرکت کی تھی۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک تاریخی کانفرنس تھی کیونکہ اس میں مقالا نگاروں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اردو زبان وادب کے رول اور اہمیت پر روشنی ڈالی تھی اور اردو کے لسانی وادبی اور تہذیبی وثقافتی کردار کی مختلف جہات کو سامنے لایا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں پیش ہوئے ۵۲ مقالات بعد میں ایک مجلہ کی شکل میں ''اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ'' شائع کئے گئے۔ ان مقالات کے عنوانات سے ہی ظاہر ہوجاتا ہے کہ کانفرنس میں کس نوعیت کے اہم موضوعات پر مقالات پیش ہوئے تھے۔ چند عنوانات دیکھیں:

اکیسویں صدی کے عالمی ادب کے تناظر میں اردو ادب کی سماجی اور تہذیبی قدروں کی ترقی کے امکانات (ڈاکٹر سید تقی عابدی)، اردو کی تہذیبی معنویت اور مستقبل کے امکانات (پروفیسر عبدالستار دلوی)، اردو کا لسانی، ادبی اور ثقافتی کردار (امین حیدر)، اردو کا سماجی وثقافتی ڈسکورس (پروفیسر قدوس جاوید)، اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ (سید فیصل علی)، سماجی وثقافتی سرگرمیاں اور خواتین (ڈاکٹر سیما صغیر)، اکیسویں صدی میں اردو ادب کا تاریخی وتہذیبی سیاق (ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی)، اردو زبان اور نسل نو (محمد نعمان وحید بخاری)، اردو زبان کا فروغ: ماضی اور حال (سید محمد اقبال حیدر)، بیسویں صدی کے شروع میں طلوع ہونے والا اردو کا سورج مائل بہ غروب کیوں؟ (پروفیسر خلیل طوق آر)، اردو زبان کا فروغ: ماضی، حال اور مستقبل (ڈاکٹر محمد عاصف اعوان)، ریاست جموں وکشمیر میں اردو: ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں (پروفیسر شہاب عنایت ملک)، اکیسویں صدی میں اردو تنقید (پروفیسر ناصر عباس نیر)، اقبال کی اردو شاعری اکیسویں صدی کے تناظر میں (ڈاکٹر جمیل اصغر)، اردو جاب مارکیٹ (بازار اور روزگار) (ناظم الدین مقبول)، اردو سے فارسی ترجے کی ضرورت ایک مطالعہ (پروفیسر علی بیات)، ازبکستان میں اردو تدریسی اور تحقیقی سرگرمیاں (ڈاکٹر سراج الدین نورمتوف)، اکیسویں صدی کے افسانے میں تغیر پذیر سماجی اقدار (پروفیسر اسلم جمشید پوری)، اطلاع اساس معاشرہ کا تصور اور اردو زبان (پروفیسر شافع قدوائی)، اردو زبان اور برقی میڈیا (پروفیسر محمد زمان آزردہ)، اردو ذرائع ابلاغ (رضا علی عابدی)، اکیسویں صدی میں اردو تعلیم کی صورت حال (پروفیسر ابن کنول)۔۔۔وغیرہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا یہ اقدام قابل ستائش ہے کہ اس کے ذریعے بیشتر جگہوں پر کمپیوٹر سنٹرس کھولے گئے اور جہاں تک کشمیر کا تعلق سے یہاں پر سیکڑوں طلبہ ان سینٹروں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اردو زبان کو سائبر ورلڈ سے جوڑنے کا ایک اہم فائدہ یہ ہوگا کہ نئی نسل بھی اس کے ساتھ عملی طور پر جڑی رہے گی۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام کی عملی کاوشیں اس تعلق سے قابل داد ہیں کیونکہ ایک تو انہوں نے بحیثیت ڈائرکٹر قومی کونسل اردو کو سائبر ورلڈ سے جوڑنے کے کئی اقدامات کئے اور دوسری ایک اہم کتاب ''اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' سامنے لاکر عمدہ کام انجام دیا ہے۔ اس کتاب میں اردو اور جدید تکنالوجی، اردو میں انٹرنیٹ کا استعمال، اردو زبان کی تدریس اور سائبر اسپیس، اکیسویں صدی میں الیکٹرانک میڈیا کے تقاضے اور اردو، سائبر

ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین۔۔۔سفیر اردو

عصری منظر نامے میں جو شخصیات' اردو زبان و ادب کے فروغ کے ضمن میں تعلیمی و تدریسی' تحریری و تقریری اور ادبی و تنظیمی سطح پر فعال کردار ادا کر رہی ہیں' ان میں کئی خصوصیات کی بناء پر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نمایاں مقام رکھتے ہیں اور اس نمایاں مقام کی ایک وجہ اردو زبان کو سائبر ورلڈ سے جوڑ کر اس کو جدید تکنیکی تقاضوں کے مطابق ارتقاء کی جانب گامزن کرنا ہے۔اس کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں' بحیثیت ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے دورانیہ میں اردو زبان کو جدید تکنیکی وسائل سے جوڑنے اور بطور ڈائریکٹر ورلڈ اردو ایسوسی ایشن عالمی سطح پر اردو قارئین و ناقدین اور ادباء و شعراء کو ایک پلیٹ فارم پر لانا وغیرہ۔اس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام پچھلے چند برسوں (خصوصاً کووڈ 19 کے عرصے میں) سے کئی اہم مقامی اور بین الاقوامی سطح کے ادبی ویبینار اور آن لائن کانفرنسیں منعقد کی گئیں' جس سے اردو زبان و ادب کی گلوبل حیثیت بھی سامنے آ گئی۔علاوہ ازیں' ان کی تالیفی و تصنیفی خدمات بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔جن میں ''اردو کی شعری اصناف'' ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'' ''اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' ''سفر نامہ: امام بخاری کے ملک میں چند روز اور مشاہدات'' ''اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی و ثقافتی فروغ'' وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل اور باصلاحیت انسان کی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ جس پیشے سے منسلک ہو' وہ عملی طور پر اس پیشہ کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے کس قدر فعال اور کتنا حصہ ادا کرتا ہے۔اس تعلق سے پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا رول قابل ستائش ہے کہ وہ نہ صرف اردو کے درس و تدریس میں نمایاں مقام رکھتے ہیں بلکہ اردو زبان کے فروغ کے لئے ہمیشہ فعال کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔وہ جب قومی کونسل کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائض تھے تو اس دوران کئی اہم منصوبے تیار کئے گئے تھے اور عملی سطح پر وہ پورے بھی ہوئے۔ان کے دورانیہ میں کئی اہم مقامی' قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیمینارس منعقد کئے گئے اور اردو زبان کے مستقبل کے تعلق سے ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا۔اس ضمن میں سال ۲۰۱۳ء میں سہ روزہ کانفرنس ۴ تا ۶ ستمبر' کا انعقاد ہوا تھا۔جس میں قومی و عالمی سطح پر اردو زبان و ادب کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور ایک مربوط لائحہ عمل تیار کیا گیا تھا۔اس کے بعد ایک اور عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس کا موضوع''

اکیسویں صدی میں اردو کا سیاسی و ثقافتی فروغ'' تھا۔اس میں کئی ملکی اور دوسرے ممالک کے اساتذہ'

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر خالد محمود، اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ 1995 ص 22

2۔ مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ (جلد سوم، چہارم) لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1987، ص 213

3۔ اکرام الدین، خواجہ، ڈاکٹر، مشاہدات، نئی دہلی: براؤن پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۷

4۔ ایضاً، ص ۸

5۔ ایضاً، ص ۸

6۔ ایضاً، ص ۳۲۔۴۲

7۔ ایضاً، ص ۹۳

8۔ ایضاً، ص ۴۶۔۵۶

9۔ ایضاً، ص ۲۷

10۔ ایضاً، ص ۱۰۱

11۔ ایضاً، ص ۱۲۷

12۔ ایضاً، ص ۱۶۴

13۔ ایضاً، ص ۱۹۳

بشکریہ آن لائن ترجیحات، نئی دہلی

OOO

شناخت رکھتا ہے۔اُردو زبان کے حوالے سے بھی عظیم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ارض مصر الہامی مذاہب اور فراعین مصر کے حوالے سے اپنی ایک خاص پہچان رکھتی ہے۔اس سرزمین کے اسرار ہر سیاح کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔مصنف نے بڑی تفصیل اور خوبی سے فراعنہ مصر سے لے کر بعد از اسلام کی نامور اسلامی شخصیات کے تذکرے سے سفرنامے کو دل چسپ بنا دیا ہے۔بلاد مصر میں اُردو زبان کے حوالے سے بہت سے نمایاں کام ہو رہے ہیں مصنف لکھتے ہیں:

''عربی زبان کا ملک ہونے کے باوصف اس ملک نے بہت سی مشرقی زبانوں کے ساتھ ساتھ اُردو کی آبیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔کالج سے یونیورسٹی کی سطح تک اور اسکی تدریس اور ریسرچ کے حوالے سے مصر میں اُردو کا بڑا کام ہے۔''(12)

جامعۃ الازہر۔کلیۃ البنات جامعۃ الازہر،اسکندریہ یورنیورسٹی،طنطا یونیورسٹی اور قاہرہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ وطالبات سے ملاقات کا تفصیلی احوال رقم کیا ہے۔مصر کے تاریخی مقامات کی تفصیل ان کی تاریخی معلومات پر بھی سیر حاصل مواد موجود ہے۔

روداد یورپ میں سفر برطانیہ اور وہاں منعقد ہونے والی ادبی تقریبات کا احوال درج ہے۔برطانیہ میں اُردو بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے اور یہاں کے اہل علم واہل قلم بہت سی ادبی سرگرمیوں کو جاری وساری رکھتے ہیں۔خواجہ اکرام الدین ابتدا میں یہ بتاتے ہیں:

''میرے تمام اسفار میں یہ سفر تجربات ومشاہدات کے حوالے سے بالکل منفرد رہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ادبی قافلہ واقعی صرف ادبی ہی رہا۔اور ایسا رہا کہ ہر دن سیمینار،مذاکرہ اور مشاعرہ کی محفل میں شریک ہونے کا موقع ملا۔''(13)

''ہرات شہر اولیا'' میں افغانستان کا سفر اور اُس میں پیش آنے والے واقعات کا بیان ہے۔افغانستان کی سیاسی اور جنگی صورتحال کے تناظر میں یہ سفرنامہ ایک خاص دل چسپی کا مظہر ہے۔افغانستان اولیا کی سرزمین خصوصاً خانوادہ چشت کے بزرگان کو یہاں سے نسبت ہے۔یہ عناصر مصنف نے بڑی خوبی سے بیان کیے ہیں۔

''امام بخاری کے ملک میں چند روز'' اس مجموعے کا آخری سفرنامہ ہے۔ازبکستان کا یہ سفرنامہ اپنے اندر علمی ادبی،تہذیبی وثقافتی،عناصر رکھتا ہے۔امام بخاری کی ذات سے الفت وموانست قاری کے لیے بھی پُرکشش ہے۔ازبکستان کے خوبصورت رسوم ورواج بھی قاری کے لیے دل چسپی کا سامان ہے۔اس سفرنامہ کا ازبک زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو ڈاکٹر کیا عبدالرحمانوا نے کیا ہے۔

ان تمام سفرناموں کی نمایاں خصوصیات مصنف کا خلوص،علمی بصیرت،مشاہدے کی گہرائی ہے۔اس کے ساتھ تحریر میں سلاست وروانی،روزمرہ،محاورہ اور اشعار کا خوبصورت استعمال منظر نگاری،غیر ضروری تفاصیل سے اجتناب،حقائق تک رسائی ''مشاہدات'' کو ایک معتبر اور دلِ چسپ سفرنامہ بنا دیتی ہے۔

ذہنی برتری اور دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل اندازی کا احساس ستاتا ہے۔امریکہ کی علمی وسائنسی ترقی مرعوب کن ہے۔امریکہ کی ترقی سیاحتی مقامات کی پرکشش سہولتیں آرام دہ سفری سہولتیں سیاحوں کے لیے کشش کا باعث ہیں۔

''حافظ وسعدی کے ملک میں'' ہندوستان اور ایران کے مابین موجود تہذیبی و ثقافتی رشتے خواجہ اکرام الدین کے لیے باعث کشش ہیں۔وہ ایران کا ذکر بہت محبت سے کرتے ہیں۔ایران حافظ،سعدی،رومی وجامی کے ملک کی سرزمین ہے۔اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے ناموں کا تعلق ایران سے ہے۔یہ ملک غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی کا مولد ہے۔خواجہ اکرام الدین چشتیہ سہروردیہ خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔یہ روحانی نسبتیں اُنہیں بہت عزیز ہیں۔ایران کے لوگوں کی مہمان نوازی متاثر کن ہے۔اس مہمان نوازی کے حوالے سے خواجہ اکرام الدین لکھتے ہیں:

> ''مندنا خانم کی خوشی ان کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ہم اُن کی گاڑی میں سوار ہوئے اور مندنا خانم کے گھر پہنچ گئے۔گھر کے سارے افراد پلکیں بچھائے جیسے انتظار کر رہے ہوں۔سب کے سب سراپا منتظر تھے۔انھوں نے ہمارا استقبال کیا اور خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔انتہائی پُرتکلف عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔''(10)

ایرانی تاریخ اور تمدن کے حوالے سے بہت سی اہم تفاصیل اس سفرنامے میں موجود ہیں۔

''اگلا سفرنامہ یورپ کے اسفار کی ناقابل فراموش یادیں'' کے عنوان سے ہے اس سفرنامے میں فن لینڈ کے شہر ہیلسینکی،سوئزرلینڈ کے شہر زیورخ، جرمنی کے شہر فرینکفرٹ،ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن،اسپین کے شہر میڈرڈ اور قرطبہ،فرانس کے شہر پیرس، جرمنی کے شہر آخن، برلن، میونخ، اسٹوٹ گارڈ، ہائیڈل برگ کے سفر کا تفصیلی احوال ہے۔یورپی تہذیب کے ان بڑے مراکز کی سیر مصنف کو یورپی تہذیب کے بہت سے پہلوؤں سے روشناس کرواتی ہے۔ایک ہندوستانی مسلم اُستاد ہونے کے ناطے اور ایک مشرقیت پسند انسان کے لیے اس تہذیب میں بہت کچھ حیرت ناک اور ناگوار پہلو موجود ہیں۔جن کا تذکرہ مصنف نے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔یورپ کی ترقی،اصول پسندی، صفائی،وقت کی پابندی کی تحسین کے ساتھ ساتھ فاضل مصنف یورپ کی مادر پدر آزادی رشتوں کے تقدس سے ناواقفیت بے باکی اور بے حجابی سے نالاں نظر آتے ہیں۔اپنے ایک یورپی دوست کا احوال بیان کرتے ہیں جو بغیر شادی کے ایک خاتون دوست کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں لکھتے ہیں:

> ''اس پر مستزاد یہ کہ خود اینتی کی بہن نے بھی شادی نہیں کی ہے۔جبکہ اس کے دو بچے ہیں۔وہ بھی آپسی سمجھوتے کے تحت ساتھ ساتھ رہ رہے ہیں۔ان کے بچوں کو بھی تمام تفصیلات معلوم ہیں۔ہماری تہذیب میں یہ حیرت انگیز بھی ہے اور معیوب بھی۔''(11)

''مصر سرزمین انبیاء واولیا'' یہ سفرنامہ مصر کے عظیم شہر قاہرہ کی سیر کرواتا ہے۔قاہرہ جو مسلم دنیا میں اپنی علمی

اگلا سفرنامہ ''قسطنطنیہ کی حسین وادیاں'' ہے اس میں وہ ترکی کی عظیم الشان روایات و تاریخ بیان کرتے نظر آئے ہیں۔ حضرت ایوب انصاری، مولانا روم کا مزار اُن کے لیے خاص کشش رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید ترکی کی مغربی اور اسلامی تہذیب کی جھلکیاں بھی دکھاتے ہیں۔ ترکی میں بڑھتا ہوا مذہبی رجحان بھی اُن کے ہاں زیر بحث آتا ہے۔ ترکوں کی خوش اخلاقی کے قائل اور اُن کی صفائی پسندی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ترکی میں اُردو زبان کی تدریس کے حوالے سے بھی تفصیلات فراہم کرتے ہیں لکھتے ہیں:

> ''ترکی میں اُردو کی تدریس بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ یہاں مختلف اصنافِ نظم و نثر پر سو سے زائد پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ کچھ مقالے آہستہ آہستہ شائع بھی ہوئے ہیں۔ جن سے کم از کم ترکی جاننے والے مستفید ضرور ہوئے ہیں۔ ان تمام یونیورسٹیز سے حکومت پاکستان کے گہرے روابط ہیں۔ ہندوستان کو بھی ان سے روابط پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔''(8)

''جاپان کا یادگار سفر'' ہمیں جاپان کی تہذیب و ثقافت سے روشناس کرواتا ہے۔ جاپانی اپنی صنعتی ترقی اور مضبوط معیشت کی وجہ سے پوری دنیا کی توجہ کا مرکز ہے۔ لیکن اپنی تہذیب و ثقاتف میں شاید پوری دنیا سے مختلف اور منفرد ہے۔

خواجہ اکرام الدین کا سفر جاپان اگرچہ علمی ادبی مقاصد سے منسلک تھا۔ مگر اُن کی گہری نگاہ ہر ایک منظر سے معنی اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جاپان میں رہنے والے پاکستانی احباب کی ترقی کا ذکر بڑی محبت سے کرتے ہیں۔ جاپان میں رہنے والے پاکستانیوں کی اپنے مذہب سے لگن اور باہمی محبت کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کا فروغ اس سفرنامے کا مرکزی موضوع ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اس سفر میں جو سب سے اچھی چیز ہمیں لگی۔ وہ یہ کہ اپنے ملک سے دور پاکستانی احباب جو بڑی تعداد میں جاپانی شہریت حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اسلام اور اسلامی تہذیب سے بڑی مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں۔ جاپان میں آج کی تاریخ میں ایک سو مسجدیں اور ساٹھ مصلے موجود ہیں۔ ان تمام مساجد میں نمازی بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے حوالے سے آپس میں متحد ہیں۔''(9)

جاپانی تہذیب میں محنت، مساوات اور دیانتداری کی جو عظیم الشان روایات موجود ہیں۔ جاپان کے سفر میں قدم قدم پر اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جو مسافر کو متحیر بھی کرتی ہے اور مرعوب بھی۔

''امریکہ نامہ'' امریکہ کی سیر اور واقعاتِ سفر پر مشتمل سفرنامہ ہے۔ امریکہ اپنی سیاسی بالادستی اور ذہنی برتری کے خبط میں مبتلا ہو کر باقی ممالک کے شہریوں کے ساتھ جو ناروا سلوک رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے مصنف اور اُن کے ساتھیوں کو خائف کر رکھا تھا۔ مگر یہ سفر خوشگوار رہا لیکن قدم قدم پر مصنف کو امریکیوں کی

نہیں۔حالانکہ اُن کی خدمت ایسے ہیں کہ اُن کا اعتراف کیا جانا چاہیے۔‘‘(4)

خواجہ اکرام الدین ان اسفار کے دوران اُردو زبان سیکھنے اور سیکھانے والوں سے ملے اور اُن مما لک میں اُردو زبان و ادب سے محبت کرنے والوں کے ساتھ دوستی کے روبط استوار کیا ور ان روابط کو قائم رکھنے کے لیے ’’ورلڈ اردو ایسوسی ایشن‘‘ آن لائن ادبی فورم کی بنیاد ڈالی۔خواجہ اکرام الدین آن لائن ادبی فورم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’ان مما لک کے احباب سے مل کر اندازہ ہوا کہ کوئی ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے۔جس کے ذریعے ہم ایک دوسرے کو جان سکیں اور علمی تعاون پیش کر سکیں۔اسی مقصد سے اپنے اسکالر س کے ساتھ مل کر ورلڈ اردو ایسوی ایشن نامی تنظیم بنائی تا کہ دور دارز مما لک میں بیٹھے احباب جو اُردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ان سے باہمی تعاون ممکن ہو سکے۔‘‘(5)

مشاہدات میں کل گیارہ سفر نامے شامل ہیں۔اوّلین سفر نامہ ’’پاکستان کتنا دور کتنا پاس‘‘ ان کے دو دفعہ پاکستان آمد کا احوال ہے۔پاکستان اُن کے خوابوں کا ملک ہے۔پاکستان اور ہندوستان کے درمیان موجودہ جذباتی،ثقافتی،تہذیبی اور اقتصادی روابط کی وجہ سے ان کے دل میں پاکستان کے لیے ایک نرم گوشہ موجود ہے۔اُردو زبان اور پاکستانی اہل علم واہل قلم افراد سے اُن کا محبت کا رشتہ پاکستان کی محبت کو اور بھی مضبوط بنا تا ہے۔اگر چہ سیاسی طور پر جن مسائل کا سامنا دونوں ہمسایہ مما لک کو رہتا ہے۔ان کے نتیجے میں دونوں مما لک میں آنے جانے والے ہندوستان اور پاکستانی مسافروں کو جو مشکلات پیش آئی ہے وہ اُن پر شکوہ کناں ہیں۔

’’دنیا میں دو ہی مما لک ایسے ہیں کہ جو فطری اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب تر ہیں او رسیاسی روابط کے اعتبار سے بہت دور شاید دنیا میں یہ ایسے مما لک ہیں۔جن کا ویزا حاصل کر نا ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے لیے سب سے مشکل ہے اور اگر مل بھی گیا تو مخصوص مقامات کے لیے۔اس پر طرہ یہ کہ آپ جہاں جائیں پولیس تھانے میں رپورٹ درج کرائیں۔یہ سلوک دونوں طرف ہوتا ہے۔لیکن انہی مما لک میں اگر ہندوستانی اور پاکستانی کے علاوہ کسی اور ملک کا شہری آتا ہے۔تو نہ اسے رپورٹ کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے اور نہ کسی خاص مقام یا شہر کی پابندی اس پر عائد ہوتی ہے۔‘‘(6)

ویزا کے مسائل سے قطع نظر وہ پاکستانی احباب کی محبتوں کے انتہائی مداح پاکستانیوں کی مہمان نوازی کے معترف اور یہاں کے لوگوں کے خلوص سے متاثر نظر آتے ہیں۔احباب کی ایک پُر تکلف دعوت پر اپنے دلی جذبات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

’’اس بار بھی پُر تکلف کھانے کا اہتمام تھا۔دیکھ کر سوچنے لگا کہ ہم لوگ اتنا نہیں کر سکتے جتنا یہ پاکستانی احباب کرتے ہیں۔یہ بات صرف میں نہیں کہہ رہا ہوں۔جن لوگوں کو بھی پاکستان جانے کا موقع ملا ہے۔وہ ان کی مہان نوازی کے قائل ہو کر لوٹے ہیں۔‘‘(7)

سرگزشت کے ہیں''(2)

ایک ہی منظر، ایک ہی واقعہ، ایک ہی مقام، ہر دیکھنے والے آنکھ پر اپنے رنگوں کو مختلف انداز میں واضح کرتا ہے اسی لیے ایک ہی مقام کے ہزاروں سفرنامے لکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کی قلبی واردات، اُس کا اندازِ بیان اور اُس کے خیالات مختلف اور منفرد ہوتے ہیں۔ ایک عالم اور فاضل شخص کا سفر نامہ ایک عام سیاح اور معمولی ذہانت کے شخص مختلف ہوگا ایک سرمایہ دار اور کاروباری شخص کا احوال سفر ایک شاعر اور ادیب کے سفری معاملات سے یکسر الگ ہوگا اور یہی اندازِ بیان سفرنامے کو ایک نئی جدت اور طرز ادا بخشتا ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین کا اولین تعارف ایک اُستاد اور معلم کا ہے۔ وہ سنٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچرل اسٹڈیز جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی سے وابستہ ہیں اور شعبہ اُردو میں بطور پروفیسر تعینات ہیں۔ خواجہ محمد اکرام الدین ایک بہترین اُستاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تحقیقی اسکالر، کالم نگار، سفر نامہ نگار بہت سی کتابوں کے مصنف، مدون اور مرتب ہیں۔

مذہب سے لگاؤ، اِنسان دوستی، اُردو زبان سے محبت اور علمی جستجو ان کی شخصیت کے نمایاں اصاف ہیں۔ وہ مذہبی رجحان اور عصری شعور رکھنے والے ایک معتدل فکر مسلمان ہیں ہندوستان کی نامور درس گاہ کے اُستاد اور آزادانہ ماحول کے باسی ہونے کے باوجود اسلام سے والہانہ لگاو امت کی محبت اور قوم کے روشن مستقبل کی خواہش اُن کے دل میں فروزاں ہے۔

''مشاہدات''خواجہ اکرام الدین کے سفر ناموں کا مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں پاکستان، ایران، افغانستان، امریکہ، یورپ، جاپان، مصر، اورازبکستان کے سفرنامے شامل ہیں۔

''مشاہدات'' کے پیش لفظ میں ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین ان اسفار کی غرض وغایت اور سفر ناموں کے تحریر کے پیش پردہ مقاصد پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''میرے سفرنامے بھی ایک خاص زاویۂ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ یہ سفرنامے بعض ممالک کی تہذیبی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ تو کچھ سفرنامے دیارِ غیر میں اردو زبان وادب کی ترویج و تدریس پر روشنی ڈالتے ہیں۔''(3)

خواجہ محمد اکرام الدین اُردو کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ اسی زبان کے وسیلے سے اُنہیں ممالک کی سیر کا موقع ملا۔ اس لیے اُن کے سفر ناموں میں ان اسفار کی مقصدیت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے حوالے سے وہ جس قدر ہر عزم اور مستعد ہیں۔ ان سفر ناموں میں یہ مقصد جا بجا دکھائی دیتا ہے لکھتے ہیں۔

> ''یہ ہم اردو والوں کے لیے نیک فال ہے۔ کہ اُردو کی تعلیم و تدریس، دنیا کے کئی ممالک میں ہو رہی ہے۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں۔ وہاں کے احباب کی برصغیر میں آمد ورفت کم ہے۔ اس لیے بہت سے لوگوں کو ہم جانتے تک

ڈاکٹر رابعہ سرفراز/فریحہ انور
فیصل آباد، پاکستان

’’مشاہدات‘‘ایک تنقیدی مطالعہ

سفر روزِ ازل سے ہی انسان کی تقدیر ہے۔ دربارِ الٰہی سے جنت الفردوس اور جنت الفردوس سے کرہ ارض کے سفر نے واضح کر دیا سفر ہی زندگی ہے۔ سفر ہی وسیلہ ظفر ہے۔ سفر ہی میں رازِ حقیقت کی جھلک ہے۔ اقبال نے حرکت کو زندگی اور جمود کو موت اسی لیے قرار دیا کہ انسان سفر ہی سے ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہے۔ سفر انسانی زندگی کی بقا کا ضامن، انسانی تہذیب و معاشرت کے استحکام کا ذریعہ معاشروں کے باہم ربط کا وسیلہ ہے۔ سیاح جب نئی سرزمینوں پر قدم رکھتا ہے تو اُس پر طلسم شش جہات کے راز وا ہوتے ہیں وہ زمینوں، خطوں، ملکوں اور شہروں کے رنگا رنگ تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی منظرنامے سے آگاہ ہوتا ہے۔ نئی دنیاؤں سے آگاہی ہی اُسے اپنے سفر کی روداد سنانے پر اُکساتی ہے۔ اور یہیں سے سفرنامے کا آغاز ہوتا ہے۔

سفر کے معانی کوچ کرنا اور روانہ ہونا کے ہیں۔ نامہ تحریر شدہ عبارت، خط اور فرمان کے معنی رکھتا ہے۔ ان دونوں کو ملا کر اُردو ادب میں سفرنامہ کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ سفرنامہ اُردو ادب کی مقبول ترین اصناف میں سے ہے کیونکہ سفرنامے میں داستانوں کی جولانی فکر، اور مہم جوئی بھی ہے اور ناولوں جیسا کہانی پن بھی اس میں افسانوی سرزمینوں کے قصے بھی ہیں اور شعر جیسی دلآویزی بھی۔ ڈاکٹر خالد مقبول کے بقول:

> ’’سفرنامہ نگار دورانِ سفر یا سفر سے واپسی پر اپنے ذاتی تجربات‘مشاہدات‘ تاثرات و احساسات کو ترتیب دے کر جو تحریر رقم کرتا ہے وہ سفرنامہ ہے۔‘‘(1)

سفرنامہ نگار نئی دنیاؤں میں پرواز کرتا ہے تو تحیر اور تجسس اُس کے ہم رکاب ہوتے ہیں۔ وہ تکالیف سفر بھی سہتا ہے اور مہم جوئی کے تجربے سے بھی گزرتا ہے۔ اور جب وہ اپنے احساسات، تاثرات اور مشاہدات کو یکجا کر کے زینت قرطاس بناتا ہے تو داستانِ سفر قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ ایک کامیاب سفرنامہ نگار اپنے لفظوں سے حقیقی تصویریں تخلیق کرتا ہے۔ اور اپنے حرف حرف میں مٹی کے رنگ، گلوں کی خوشبو اور لوگوں کی شبیہیں ملا کر قاری کو گھر بیٹھے سات سمندر پار کی سیر کرا دیتا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ میں سفرنامہ کا مفہوم درج ذیل ہے:

> ’’سفرنامہ (ع+ف) اسم مذکر سیاحت نامہ، سفر کی کیفیت، روزنامچہ، سفر کے حالات و

7۔ ایضاً،ص35

8۔ ایضاً،ص37

9۔ ایضاً،ص41۔40

10۔ ایضاً،ص45

11۔ ایضاً،ص50

12۔ ایضاً،ص51

13۔ ایضاً،ص55

14۔ ایضاً،ص56

15۔ ایضاً،ص58

16۔ ایضاً،ص65

17۔ ایضاً،ص66

18۔ ایضاً،ص67

19۔ ایضاً،ص69۔68

20۔ ایضاً،ص75

21۔ ایضاً،ص89۔88

22۔ ایضاً،ص91

23۔ ایضاً،ص100

OOO

درست استعمال کا طریقہ کار واضح کیا۔ نئے سال کا جشن کیوں منائیں؟ اس حوالے سے بھی مختلف مصنّفین اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں جن میں جعفر حسین، عالم آرا، ظفر جعفری، نگہت نسیم اور ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے متعلق بہت سے لوگوں نے تبصریفر مائے اور اس موضوع کی وضاحت سے اور مختلف مقالوں سے بلاگ بنا کر بیان کیا جن کو خواجہ صاحب نے بھر پور توجہ سے پڑھا اور اہم نکات اور تبصروں پر اظہار خیال فرمایا اور تمام احباب کی قیمتی آرا کا شکریہ ادا کیا۔

الختصر پیش نظر تصانیف ''اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' جس کے مصنّف ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین ہے انھوں نے نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ اور جملوں کا استعمال فرمایا تا کہ ایک عام انسان کی سمجھ میں آسکے اس کتاب میں موجود تمام موضوع خواجہ صاحب کی محنت، توجہ اور لگن کا واضح ثبوت ہیں یہ کتاب اردو کے طالب علموں کے لیے بہت بڑی راہنمائی کا ذریعہ ہے جو جدید زمانے سے آگاہ کرنے میں مددگار ثابت ہوگی اردو زبان کے طالب علموں کے لیے ایک جدید اور نئی تکنیکی دنیا سے آگاہی کا وسیلہ بھی اس کتاب کو کہا جاسکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اردو کے طالب علموں اور اساتذہ کے لیے جدید عہد میں روشنی کی اہمیت رکھتی ہے۔

یہ کتاب خواجہ صاحب نے اس وقت لکھی جب ٹکنالوجی اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی۔ یہ ان کی دور اندیشی کا بڑا ثبوت ہے کہ انھوں نے آنے والے دنوں میں ٹکنالوجی کیسی ہوگی اس پر اپنے قیاسات کا اظہار کیا تھا جو اس سے بھی زیادہ ٹکنالوجی ہماری زندگیوں میں دخیل ہو رہی ہے۔اسی لیے زبان و تہذیب کی حفاظت کے لیے اس عصری تقاضے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ٹکنالوجی جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے کہ ہر آنے والے دن میں نئی ایجاد سامنے آجاتی ہے۔اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ممکن ہے آوٹ ڈیٹیڈ ہوگئی ہو مگر جس وقت لکھی گئی، اس وقت اپنے وقت سے آگے کی۔کتاب تھی۔

حواشی

1۔ محمد اکرام الدین، خواجہ، اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، 2012ء، ص 14

2۔ ایضاً، ص 20۔19

3۔ ایضاً، ص 21

4۔ ایضاً، ص 24

5۔ ایضاً، ص 32

6۔ ایضاً، ص 34

اہمیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابھی تو میں کوئی تکنیکی ترکیب نہیں بتا سکتا۔ لیکن انشاء اللہ غور وفکر کے بعد ضرور کسی نتیجے پر پہنچ کے ایک نئے بلاگ کے ساتھ۔

اس کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً ''اپنے دم پر رواں ہے اردو''، ''تعمیلِ حکم''، ''شاعری میں محاوروں کا استعمال'' اور ''نئے سال کا جشن کیوں منائیں'' جیسے موضوعات پر مختلف مصنفوں نے اپنی آرا کا اظہار کرتے ہوئے خواجہ صاحب کے مختلف پہلوؤں پر اتفاق فرمایا ہے۔ ''اپنے دم پر رواں ہے اردو'' کے متعلق ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

> ''ہندستان میں جہاں لسانی تعصّبات عروج پر ہے کہ اب الگ الگ صوبوں میں ہندستان کی قومی زبان پر صوبائی زبان کی برتری ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ان جارحانہ کوششوں کی سب سے قبیح مثال مہاراشٹر ہے جہاں مراٹھی تہذیب اور زبان کو آگے بڑھانے کے لیے ہر طرح کی سیاسی شعبدہ بازیاں چل رہی ہے اور حکومت خاموش ہے۔'' (۲۲)

علی گڑھ، لکھنؤ، اعظم گڑھ، سلطان پور اور مچھلی شہر وغیرہ میں اردو عام ہیں۔ اب المیہ یہ ہے کہ ان شہروں میں اردو بولنے والے تو مل جائیں گے لیکن اردو پڑھنے اور لکھنے والے بہت کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اردو رسم الخط کا چلن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خواجہ صاحب کے اس بلاگ پر منظور قاضی تبصرہ کرتے ہیں:

> ''ڈاکٹر خواجہ اکرام پر درس وتدریس کی ذمہ داریاں بہت ہیں اس لیے وہ اگر ہم سب کے لیے وقت نکال کر بلاگ نگاری کر رہے ہیں تو یہی ہمارے لیے غنیمت ہے۔ وہ پروفیسر ہیں اس لیے ہم سب کے لیے رول ماڈل ہیں۔'' (۲۳)

اسی طرح عبد المناف، منظور قاضی اور عالم آرا، ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کی بلاگ نگاری کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور بلاگ نگاری کے سلسلہ پر آرا فرماتے ہیں۔ تعلیم حکم کے حوالے سے ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین ایک بلاگ میں لکھتے ہیں:

> ''مجموعی طور پر ہندستان میں اردو کی صورتِ حال بہت اطمینان بخش نہیں ہے اردو جو پہلے سرکاری زبان تھی اب اس کا شمار علاقائی زبان میں ہونے لگا ہے۔'' (۲۴)

تعمیلِ حکم کے حوالے سے مختلف مصنّفین تبصرے کرتے ہیں جن میں عبد المناف، نگہت نسیم، شمس جیلانی اور منظور قاضی وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح شاعری میں محاوروں کا استعمال کے متعلق مندرجہ ذیل مصنّفین کے بلاگز پڑھنے کو ملے ہیں۔ آصف احمد بھٹی، جنھوں نے 10 اکتوبر 2010ء میں بلاگ لکھا۔ صفدر ہمدانی، ظفر جعفری، عبد المناف، منظور قاضی وغیرہ نے شاعری میں محاوروں کا استعمال کے حوالے سے تبصروں سے نوازا جس میں مختلف شعرا کی غزلیں اور اشعار کو استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح مصنّفین نے اشعار اور غزلوں کے ذریعے خیالات کا اظہار فرمایا اور شاعری میں محاوروں کے

وغیرہ نے اپنی زبانوں کو ٹکنالوجی سے ہم آہنگ کرلیا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کے ساتھ اپنی تہذیب کی برتری اور حفاظت کیلیے پرعزم ہیں۔ اسی طرح اردو زبان جو اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنی جگہ بنا چکی ہے بظاہر تو کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا لیکن مستقبل میں اس کی ترقی اور فروغ پر شک کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زبان کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے تا کہ اردو زبان نئی تبدیلیوں سے ہم کنار ہو سکے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ پہلی جنگِ آزادی نے اردو کے پیرایۂ اظہار کو بہت متاثر کیا۔ اگر اس دور کے اور اب کے دور کے اسالیب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ براہِ راست اندازِ بیان کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس لیے اس دور میں غالب کو بہت اہمیت دی گئی ہے کیونکہ انھوں نے اپنے خطوط میں براہِ راست اور بے تکلف انداز میں اظہار فرمایا اور انھیں مطالعہ کی شکل دے دی۔

آنے والے دِنوں میں یہ اسلوب نئے اسلوب کی شکل میں رونما ہوگا اور ادب کے ناقدین کو اپنی طرف متوجہ کرائے گا۔ المختصر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب تک اس کی جانب چند لوگوں نے توجہ دی ہے وہ بھی صرف اپنے اپنے مضامین میں ضمنی طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس حوالے سے پہلا قدم اٹھایا ہے اور بلاگ کی بعض تحریروں کو اس کتاب میں شامل کر کے نئے اسلوب کو رونما کروایا ہے۔

مراسلہ نگاری بمقابلہ بلاگ نگاری: خواجہ صاحب نے بلاگ نگاری اور مراسلہ نگاری پر وضاحت بیان کی ہے جس میں خواجہ صاحب نے مختلف لوگوں کے بلاگ پڑھ کر ان کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے جن میں ڈاکٹر نسیم کے بلاگ پڑھنے کے بعد خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''اب خطوط نگاری کی جگہ ای میل نے لے لی ہے اور بلاگ تو اس سے آگے کا ایک قدم ہے اور آنے والے دنوں میں خطوط کی اشاعت کی طرح اس کی بجائے بلاگ کے منتخب حصے ہمارے لیے دستاویزی اور ادبی اہمیت کے حامل ہونے والے ہیں۔'' (۲۱)

اسی طرح مراسلہ نگاری بمقابلہ بلاگ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے شمس جیلانی نے ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سے مخاطب ہو کر مختلف چھوٹے بلاگ کو محفوظ کرنے کا حل پوچھا ہے؟ اور خواجہ صاحب کو بلاگ نگاری کے پہلو کو اجاگر کرنے پر سراہا ہے۔ اسی طرح عالم آرا نے 10 اکتوبر 2010ء میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور خواجہ صاحب کو بلاگ اور تبصرے محفوظ کرنے پر توجہ فرمائی ہے۔

اسی طرح شعیب صفدر بھی اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔ خواجہ صاحب سے کافی متفق ہوئے اور آصف احمد بھٹی بھی خواجہ صاحب سے متفق ہوتے ہوئے خواجہ صاحب کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین ان سب لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس حوالے سے اپنی قیمتی آرا سے نوازتے ہیں۔

خواجہ صاحب محترمہ عالم آرا اور محترم شمس جیلانی کی رائے کو مناسب سمجھتے ہوئے ان کے سوال اور خیالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین مختلف آراء اور بلاگ کو محفوظ کرنے کے مناسب طریقے کو

بھیجی جاسکتی ہے۔‘‘(۱۷)

جدید دور میں برقی مکتوب کو مختلف آرائش اور خوبصورتی کے مختلف رنگوں سے سجا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں بہت سے رنگ موجود ہیں جس میں حرف، لفظ، جملہ، عبارت وغیرہ سب کے لیے سارے رنگ موجود ہوتے ہیں۔کسی اہم بات کو جلی حروف میں یا خط کشید وغیرہ کہا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین بلاگ نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

’’بلاگ نگاری برقی مکتوب نویسی کی ترقی یافتہ شکل ہے الیکٹرانک میل کے حدود متعین ہیں یہ صرف دو افراد کے مابین خط و کتابت کا میڈیم ہے۔مخصوص پاس ورڈ کی بنا پر یہ غیر شراکت دارانہ تحریر ہے۔‘‘(۱۸)

یہ مراسلاتی آرا،کمپیوٹر اسکرین پر تاریخی ترتیب سے نظر آتی ہے۔جو پوسٹ سب سے پہلے آئی ہوگی وہ آخر میں ملے گی اور جو آخری ہوگی وہ سب سے پہلے اسکرین پر ظاہر ہوگی۔2009ء تک بلاگ صرف دو افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ایک سے زائد لوگ اس میں شامل ہوتے گئے اور بیشتر ان کے موضوعات متعین ہوتے تھے۔اس حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

’’حالیہ دنوں میں اسی MABs(Multi Author Blogs) کی جانب پیش رفت کی، جس میں مصنّفین کی بڑی اکثریت نے حصہ لینا شروع کیا۔‘‘(۱۹)

90ء کی دہائی میں بلاگ کی ترقی اور اس کی مقبولیت نے Web Publishing Tools کے تصور کو بڑھا دیا اس کی بدولت وہ لوگ بھی مذاکرہ نگاری اور مباحثہ نگاری کا حصہ بنے جو کمپیوٹر سے ناواقف تھے۔

بلاگز کی اہمیت اور مقبولیت دراصل قارئین کے خیالات کی مرہونِ منت ہے۔بہت سارے بلاگز، تصاویر، ویڈیو اور موسیقی اور آڈیو پر مبنی ہوتے ہیں مائکرو بلاگز کے حوالے سے خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

’’مائیکرو بلاگنگ قدرے دوسرے نوعیت کے بلاگز ہیں جن میں مختصر ترین Posts کی ہی گنجائش ہوتی ہے بلاگ کے اسی افادی پہلو کے پیش نظر درس و تدریس کی دنیا میں اسے راہنما منابع کی حیثیت حاصل ہے اور انھیں edublogs سے موسوم کیا جاتا ہے۔‘‘(۲۰)

سروے رپورٹ کے متعلق لکھا گیا ہے جس میں پبلک بلاگ کی تعداد کے متعلق تحریر کیا ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔

انٹرنیٹ کا نیا اسلوب: موجودہ دور تبدیلیوں کا دور ہے۔اس میں ہر روز ایک نئی تبدیلی رونما ہورہی ہے۔یہ سب تبدیلیاں ٹکنالوجی کی ہی بدولت ہیں۔ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ مثبت ہو یا منفی سب ٹکنالوجی کی بدولت ہے۔اس ٹکنالوجی نے پوری دنیا کو گلوبل ولیج بنا دیا ہے۔

دنیا کے بہت سے ایسے ممالک ہیں جو ہر جگہ اپنی زبان استعمال کرتے ہیں۔جیسے فرانس، چین، جاپان

''راکیش شرما نے اسپیس شٹل سے اس وقت کے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے بات کی تو یہ کسی عجوبے سے کم نہ تھا جب اندرا گاندھی نے پوچھا کہ چاند سے ہندستان کیسا نظر آ رہا ہے تو اس نے جواب دیا۔ سارے جہاں سے اچھا ہندستان ہمارا۔'' (۱۵)

اردو زبان بولنے والوں کے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ خلا میں سب سے پہلا مکالمہ اردو میں ہوا۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ اردو زبان کو آج کے جدید اور ترقی یافتہ دور میں کس طرح خلا تک پہنچانا ہے جب کہ اردو زبان کی ہی بدولت ممکن ہو سکتا ہے صرف یہی نہیں سائنس ٹکنالوجی اور الیکٹرونک میڈیا کی بدولت ہی عراق اور افغانستان پر امریکی حملے کے وقت پل پل کی خبریں اور مناظر بھی دکھائے گئے۔ یہ سب میڈیا کے لیے ایک Turning Point تھا اسی طرح ترقی کے مراحل طے کرتے کرتے انسان ویڈیو فون سے جدید ترین کیمرے کی طرف بڑھتا گیا۔

الیکٹرونک میڈیا صرف کیمروں اور حیرت انگیز داستانوں اور ٹیلی ویژن تک محدود نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ایک اور بڑی دنیا موجود ہے۔ جہاں پر یہ سب کے ساتھ مزید ترقیات برپا ہو چکی ہیں۔ یہ ترقی معلومات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان کی وسعت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اُردو کا دائرہ بہت وسیع ہے ہندستان کے علاوہ خلیجی ممالک اور دیگر ایشیائی اور یوروپی ممالک میں اس زبان کے بولنے اور سمجھنے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لہٰذا یہ بین الاقوامی ضرورت کی زبان تو لازماً ہو گی ہی۔'' (۱۶)

کسی بھی سیریل اور پروگرام یا خبروں میں استعمال ہونے والی زبان اردو ہی ہے اس کے علاوہ ریڈیو میں ایک ایسا میڈیا جس میں سارا دارومدار زبان پر ہے۔ مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان کو میڈیا میں کافی اہمیت حاصل ہے اور اس اہمیت کی بنا پر اس زبان کو میڈیا میں عام طور پر اپنایا جا رہا ہے۔ اگر اکیسویں صدی کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اردو زبان میں چھپے وسیع امکان اور تنوع اس کی مقبولیت کے ضامن ہوں گے۔

ای میل نگاری: دوسرے حصے میں ای میل اور بلاگ نگاری پر وضاحت دی گئی ہیں۔ ای میل اور بلاگ نگاری جدید زمانے کی ایجاد ہے۔ پہلے زمانے میں ڈاکیا کا انتظار اور وہ احساس سب ای میل نے لے لیا ہے۔ یہ سب Send میں جا کر معلوم کی جا سکتی ہیں جب کہ پہلے یہ سب ہفتوں، مہینوں کا کام ہوا کرتا تھا لیکن اب جدید دور میں یہ سب منٹوں، سیکنڈوں کا کام ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے غالبؔ کے خطوط کی مثال بیان فرمائی جو انھوں نے مختلف لوگوں کے نام لکھے تھے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے سر سید احمد خان کے مکتوب کا بھی ذکر فرمایا۔ جدید زمانے کی نظام ای میل کے متعلق خواجہ صاحب رقم طراز ہیں:

''نظام ای میل میں Attechment کی سہولت نے اس کی افادیت میں ناگزیر اضافہ کیا ہے۔ برقی خط کے ساتھ کوئی الیکٹرانک فائل، فولڈر، تصور، ویڈیو، مضمون حتیٰ کہ پوری کتاب

ان ویب سائٹ نے زمانے کے مطابق خود کو تبدیل نہیں کیا تاہم جمود کا شکار ہوگی۔سائبر اسپیس کی اردو میں آمد کے بعد کے حوالے سے خواجہ صاحب رقم طراز ہیں:

''سائبر اسپیس پر اردو کی آمد کے کچھ سالوں بعد آرکائیوز ڈوٹ اوآر جی پر اردو کتابیں ڈالی گئیں۔عثمانیہ لائبریری حیدرآباد، یونیورسٹی آف ٹورنٹو کی لائبریری اور اسی طرح کے دوسرے کتب خانوں میں اسکین کی گئی ہیں اس ویب سائٹ پر اردو کی تین ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔جن میں بہت نادر کتابیں بھی ہیں جن کے کچھ ہی نسخے دنیا میں دستیاب ہیں۔''(۱۳)

بلا گینگ ایک ایسا رجحان ہے جو ادب کے لیے بے حد مفید ثابت ہو رہا ہے۔اس میں کوئی بھی شاعر، افسانہ نگار اور نقاد وغیرہ اپنا ذاتی بلاگ بنا کر اپنی تصنیف شائع کر سکتا ہے۔

ٹکنالوجی نے بہت سے لوگوں کو گھر بیٹھے کام کرنے کی سہولت فراہم کی ہے اب کسی شاعر کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ میری غزل یا شاعری کے متعلق رائے ہے بلکہ ایک شاعر اپنی شاعری بلاگ کی شکل عام کر سکتا ہے۔وقت کے ساتھ سائبر اسپیس پر بھی تنقید کی راہ ہموار ہوگی۔انٹرنیٹ مواد فراہم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں۔جس میں کوئی بھی محقق اپنی تحقیق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اس کے علاوہ مصنف کے ساتھ رابطہ کرنا بھی ایک محقق کے لیے ٹکنالوجی نے آسان کر دیا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ٹکنالوجی اردو ادب میں ترقی کی نئی راہیں ہموار کر رہی ہے۔

اُردو میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو گرافک ڈیٹا بیس کی ذمہ داری لے کر لوگوں کی مدد سے پورا کرے اس کے علاوہ ہم بھی اردو ادب میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا مکمل طریقے سے استعمال نہیں کر پا رہے اس حوالے سے بھی مدد کی ضرورت درکار ہے۔

اکیسویں صدی میں الیکٹرانک میڈیا کے تقاضے اور اردو: اکیسویں صدی ترقیات کی صدی ہے۔اس صدی کا انسان خلاو×ں کی تلاش میں مصروف ہیں اس تلاش کو مکمل کرنے کے لیے اِسے پرانے کاغذات اور لائبریروں کو چھاننے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ سب کچھ ایک Memory Disk میں موجود ہیں جس کو کوئی بھی اپنی جیب میں لے کر گھوم سکتا ہے۔یہ سب ترقیات الیکٹرونک میڈیا ہی کی بدولت ہیں الیکٹرانک میڈیا اپنے اندر سب کچھ سموئے ہوئے ہے جس کی تلاش آج کے جدید دور کے انسان کو ہے۔الیکٹرونک میڈیا کی تعریف ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

''یہ دراصل ایک انقلاب ہے انفارمیشن کا، یہ انقلاب عالمی سطح پر زمین اور خلا کے درمیان رابطے کا۔''(۱۴)

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین ہندستان کے پہلے اسٹرونوٹ کے متعلق لکھتے ہیں:

دوسرے حصے میں اُردو قواعد کے مطابق اردو کی بول چال پر روشنی ڈالی ہے یہ باب 25 اسباق پر مشتمل کیا گیا۔ تیسرا باب جس کے خواجہ صاحب نے دو حصے کیے ہیں جن میں ایک نثر اور دوسرا شاعری پر مشتمل ہے یہ باب 16 اسباق پر مشتمل کیا گیا ہے۔ باب چہارم بھی باب سوم کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس کے پہلے باب میں ہندستان میں اردو زبان و ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے جو انگریزی زبان کا عنوان A historical perspective of Urdu کے نام کا مضمون ہے دوسرے حصے میں سید احتشام کی کتاب ''اردو کی کہانی'' شامل کی گئی ہے یہ حصہ دو دیباچے اور 16 ابواب پر مکمل کیا گیا ہے۔

پانچواں باب جو ابھی زیر تعمیر ہے یہ باب خطوں کی زندگی اور دستاویزی فلموں پر مشتمل ہوگا جس میں اردو زبان استعمال کی جائے گی۔ تلفظ کے مسئلہ کے بارے میں خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

> ''اُردو رسم الخط میں z کی آواز کے لیے بالترتیب ذ، ز، ض، ظ، چار حروف ہیں۔ یہ آوازیں ان کے لیے کیونکر پریشان کن ہوتی ہیں۔''(۱۱)

اسی طرح خواجہ صاحب مختلف آوازوں کے متعلق ہونے والی پریشانی اور ان کے حل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواجہ صاحب رسم الخط کی درستگی پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مختلف آوازوں کے مختلف علامتوں کا استعمال کیا جائے جو ان کے درست ہونے کے لیے اہم ہیں۔ اس کے علاوہ جو آوازیں اردو کے لیے نہیں ہیں۔ ان کو بولتے وقت واضح فرق ہونا چاہیے۔ ایسے الفاظ پر مشتمل مختلف مشقیں تیار کی جائیں اور ان کو ذہن نشین کروایا جائے۔ ماہرین لسانیات اور ماہرین تکنیک اور دیگر کے مشوروں پر اردو کے لیے مختلف سائٹس بنانی چاہیے اس سے زیادہ بہتر نتائج ملیں گے۔

اُردو کا ادبی سائبر اسپیس: ایک جائزہ، موجودہ دور پہلے دور کی نسبت بہت جدید دور شمار ہوتا ہے اس دور کو انفارمیشن اور ٹکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے یہ زمانہ کمپیوٹر سے منسلک ہے۔ اب ادب نے بھی اس ٹکنالوجی کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ادبی مجلّوں میں بہت سے مجلّے ایسے ہیں جو روایتی شکل میں تھے لیکن اب ڈیجیٹل شکل میں شائع ہو رہے ہے۔ روایتی شکل سے ڈیجیٹل شکل میں منتقل ہونے کی ایک واضح مثال انسائیکلو پیڈیا بریٹنکا ہے اس کی بدولت جدت کو عام کیا گیا اردو ادب میں سائبر اسپیس کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''اردو ادب کی سائبر اسپیس میں شمولیت کی تاریخ بارہ سے چودہ سال کی ہے ابتدائی ایام میں اردو تصنیف کے انتخاب کے طور پر ذاتی پورٹل پر شائع کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ پھر بڑھتا رہا۔''(۱۲)

ایسی ویب سائٹس جو اخباری خصائص میں سامنے آئی جہاں اردو کا ایک صفحہ بھی موجود ہوتا تھا اس کے علاوہ ایسی ویب سائٹ موجود تھی جو اردو کی کتابیں پی۔ ڈی۔ ایف کی شکل میں قارئین کو میسر تھیں اور ابھی تک یہ ویب سائٹ میسر ہیں۔ جن میں اردو سست ڈوٹ کام کے نام کو نمایاں کیا گیا ہے۔

سے لکھے گئے جملوں پر غور فرمایا اور اس سے ہم اردو کی وسعت اور اہمیت کا مکمل اندازہ کر سکتے ہیں۔ بی بی سی کے جملوں کے مطابق دنیا سے اردو زبان ختم ہو رہی ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ خواجہ اکرام الدین سائٹس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''Google search کے ذریعے جتنے سائٹ ہمیں ملے ہیں ان کی فہرست اگرچہ طویل ہے مگر زیادہ تر سائٹس ایک جیسی ہیں یا link sites ہیں Google search میں حیرت انگیز طور پر اکتالیس لاکھ سائٹ کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن تمام سائٹس کو ایک ایک کر کے دیکھنا مشکل ہے لیکن TRP میں جو سائٹس اچھے ہیں انہی کو بنیاد بنا کر ہم نے مطالعہ کیا ہے۔''(۹)

خواجہ صاحب نے زیرِ تصنیف مختلف سائٹس کا ذکر فرمایا جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

i. bbc.co.uk/languages/other/guide/urdu
ii. userskynet.be
iii. ukindia.com
iv. pakdata.com
v. www.languageshome.com

خواجہ صاحب نے ان سائٹس کے مقاصد اور طریقہ کار کی بھی وضاحت فرمائی ہر سائٹ کے کام کرنے کے انداز اور مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو اردو زبان و ادب اور فروغ کے لیے جدید زمانے میں کارآمد ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں کچھ اسلامی سائٹ بھی ہیں جو عربی، اردو سکھانے کے لیے نہایت اہم ہیں۔

آن لائن ڈیجیٹل لرننگ پروگرام کے بارے میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''اردو کونسل کی ویب سائٹ پر موجود آن لائن ڈیجیٹل لرننگ پروگرام اردو زبان کی تدریس کا بے حد موثر پروگرام ہے۔ اس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ پروگرام self learning method کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے اور (Audio-Visual) آڈیو ویزل فورمیٹ میں ہے جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔''(۱۰)

خواجہ صاحب نے پانچوں ابواب کے نام کچھ اس طرح لکھے ہیں:

i. Scrip Lesson
ii. Structure lesson
iii. Anthology
iv. History of Literature
v. Lands and People

خواجہ صاحب نے ان سب اسباب کی تفصیلات پر گہری روشنی ڈالی ہے۔ اس کے پہلے حصے میں اُردو رسم الخط کی تدریس کے بارے میں ہے۔ یہ قاری کی مدد کرتا ہے کہ حروف اور لفظ کیسے درست طریقے سے ادا کیے جاتے ہیں۔ یہ باب 27 اسباق پر مشتمل ہے۔

تہذیب وثقافت سب پیچھے رہ جائیں گی کیونکہ موجودہ دور کی ترقی کمپیوٹر سے ہی وابستہ ہے۔کمپیوٹر نے فاصلاتی تعلیم میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ٹکنالوجی کی بدولت ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ دور بیٹھے طلبہ سے براہ راست رابطہ ہو سکے۔مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زندگی کی بہت سی خوشیاں اور مختلف شعبوں کی ترقیاں سب کی سب ٹکنالوجی کی ہی بدولت ہیں۔جدید دور میں خواجہ صاحب وکی پیڈیا کے متعلق رقم طراز ہیں:

''وکی پیڈیا جو معلومات کا اہم ذریعہ ہے یہ بھی اردو میں دستیاب ہیں وکی پیڈیا کی شروعات 2005ء میں ہوئی لیکن اردو والوں کی بے توجہی کی وجہ سے اب تک ان میں بہت سی چیزیں موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کی تخلیق اشتراک سے ہوئی ہے اور یہ ہماری توجہ کی طلب گار ہے۔''(۵)

وکی پیڈیا جس کو تمام مصنّفین اور مدیر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہے وہ ایک رضا کار کے طور پر کام کرتے ہیں۔اس سائٹ میں کوئی بھی ترمیم کرسکتا ہے لاگ ان ہونے کی بھی ضرورت نہیں بس لنک پر کلک کریں تو صفحے کو ترمیم کریں اس کے علاوہ اس کتاب میں اُردو انسٹال کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے جس میں ہر چیز کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اردو کے اہم فونٹ کے نام اور دیگر چیزوں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''ہماری ویب سائٹس سے بھی کی بورڈ اور اردو سے خوبصورت فونٹ ڈاون لوڈ کر سکتے ہیں مزید تفصیلات کے لیے ویب سائٹ www.khwajaekramonline/blog.com پر تشریف لائیں۔''(۶)

اُردو زبان کی تدریس اور سائبر اسپیس: اکیسویں صدی کی دوسری دہائی ہے جس میں ہر چیز تیزی سے بدلتی جارہی ہے اور اس کی وجہ ٹکنالوجی ہی ہے خواجہ اکرام الدین سائبر اسپیس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''سائبر اسپیس عہدِ حاضر کا وہ خزانہ ہے جہاں علم وفنون اور معلومات کا ذخیرہ پنہاں ہے۔ یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے ہم آہنگی وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔''(۷)

خواجہ صاحب ان ویب سائٹس کی بھی بات کرتے ہیں کہ جو مفت قابلِ حصول ہیں لیکن کئی سائٹس ہیں جو اس بات کی تائید کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اس دنیا میں بہت سے ادارے موجود ہیں جو اردو کے فروغ کے لیے کام کریں گے یا کر لینا چاہتے تھے مگر ان پر ایسی توقع نہیں۔خواجہ صاحب بی بی سی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بی بی سی کا خودمختار ادارہ جو خبر رسانی کے سبب پوری دنیا میں اپنی شناخت اور اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے سائٹس پر Urdu learning کی سہولت موجود ہے۔ لیکن یہاں بھی روزمرہ کی ضرورتوں کے مدنظر محدود مکالمے اور حروفِ تہجی کی شناخت کے سوا اگر کچھ ہے تو link sites ہیں۔''(۸)

خواجہ صاحب نے ان سائٹس پر تجزیاتی مطالعہ پیش کیا اور بی بی سی کے home page پر اردو کے حوالے

ڈیٹا جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے۔کمپیوٹر ہی ایک ایسی اکائی ہے جو ایک یا ایک سے زیادہ ان پٹ اور آوٹ پٹ اور ایک پراسیسنگ اکائی پر مشتمل ہے۔خواجہ صاحب کمپیوٹر کی بنیادی خصوصیات کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''کمپیوٹر کی تین بنیادی خصوصیات ہیں۔ تیز رفتاری، درستگی اور مستعدی، کمپیوٹر بہت ہی مستعدی سے ہمیشہ بلا کسی رکاوٹ سے کام کرتا ہے اور عام انسانوں کی طرح اکتاتا اور تھکتا نہیں کمپیوٹر کے ارتقائی مراحل کو کمپیوٹر جنریشن سے تعبیر کیا گیا ہے۔''(۲)

الیکٹرانک میڈیا میں ایک بڑا میڈیم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ہے۔اس میڈیا نے گلوبل ویلیج کے تصور کو بدل کر اسکرین کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔یہ سب انفارمیشن ٹکنالوجی کی ترقی کی بدولت ہی ہے۔IT کی وجہ سے مشکل ترین کام اور ایسے کام جو لمبے عرصے کے متقاضی ہوتے تھے اب انسان کی معمولی سی کوششوں سے خودکار ہو رہے ہیں۔موبائل کی ایجاد نے بھی ایک بڑا انقلاب برپا کیا لیکن شروع میں یہ معلوم نہیں تھا کہ موبائل تمام سریع تر امکانات کے ساتھ ساتھ کئی انقلاب بھی اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ابتدا میں یہ صرف وائرلیس ٹکنالوجی سے بات چیت کو آسان بنا رہا تھا مگر اب موبائل فون کمپیوٹر ٹکنالوجی کے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔آئی فون یا سمارٹ فون، ٹیبلٹ وغیرہ اس پر ٹیگ سسٹم سے چلتے ہیں۔

اُردو میں انٹرنیٹ کا استعمال: انٹرنیٹ آج کے دور کی ایک عظیم اور کارآمد ایجاد ہے جس نے فاصلوں کو مٹا دیا ہے۔اس میں دنیا بھر کے اخبارات ورسائل، ویب سائٹس، ڈیجیٹل لائبریریز وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔گویا انٹرنیٹ ہی ہے جس کی مدد سے کمپیوٹر موجودہ دور کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے۔خواجہ صاحب انٹرنیٹ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

''لفظ انٹرنیٹ دولفظوں کا مجموعہ ہے انٹر اور نیٹ ورکنگ جس کا مطلب ہے متعدد نیٹ ورک کا ایک ساتھ جڑا ہوا ہونا اس لیے انٹرنیٹ کئی نیٹ ورکوں کے نیٹ ورک کو کہا جاتا ہے۔''(۳)

سب سے پہلے 1960ء سے 1970ء کی دہائیوں کے دوسری نصف میں امریکہ کے دفاعی شعبے نے کمپیوٹر نیٹ ورکس پر ایک پروجیکٹ شروع کیا جسے ارپانیٹ کا نام دیا گیا آہستہ آہستہ 1970ء میں یونیورسٹیوں اور حکومتی اداروں نے بھی نیٹ ورک کا استعمال شروع کر دیا۔ 1993 تک اس کی بتدریج ترقی نے انٹرنیٹ کا تصور بالکل بدل دیا ہے۔خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''انٹرنیٹ کی مقبولیت میں سوشل نیٹ ورکنگ میڈیا کا بڑا اہم رول ہے۔فیس بک، ٹیوٹر، یوٹیوب جیسے پلیٹ فارم نے دنیا کو اپنی طرف کھینچا ہے۔جس نے بیک وقت دنیا کے طول و عرض میں موجود افراد کو ایک معلومات اور اطلاعاتی پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا ہے۔''(۴)

جدید دور میں اگر ہم نے اپنے ادب اور اپنی زبان کو ٹکنالوجی سے ہم کنارہ نہیں کیا تو ہماری زبان وادب اور

ماریہ اسلم
ایم فل سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر صدف نقوی
صدرِ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

خواجہ محمد اکرام الدین کی کتاب ''اُردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' ایک جائزہ

خواجہ محمد اکرام الدین کی پیش نظر تصنیف ''اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' جو دسمبر 2012ء میں شائع ہوئی یہ تصنیف خواجہ اکرام الدین نے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے حوالے سے لکھی اس کتاب کو خواجہ صاحب نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا حصہ جو نئے تکنیکی وسائل، دوسرا حصہ انٹرنیٹ اور نیا اسلوب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اردو اور جدید ٹکنالوجی، اردو میں انٹرنیٹ کا استعمال، اردو زبان کی تدریس اور سائبر اسپیس: ایک تحقیقی جائزہ، اردو کا ادبی سائبر اسپیس: ایک جائزہ، اکیسویں صدی میں الیکٹرانک میڈیا کے تقاضے اور اردو کے موضوعات کو بیان کیا گیا ہے جب کہ دوسرے حصے میں ای میل اور بلاگ نگاری، انٹرنیٹ کا نیا اسلوب، مراسلہ نگاری بمقابلہ بلاگ نگاری، اپنے دم پر رواں ہے اردو، تعمیل حکم، شاعری میں محاوروں کا استعمال، نئے سال کا جشن کیوں منائیں کے موضوعات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ضمیمہ میں اردو اخبارات، اردو رسائل، سائبر لائبریری، آڈیو سائٹس، اردو لرننگ سائٹس اور متفرقات (عام معاون ویب سائٹس) شامل ہیں

اردو اور جدید ٹکنالوجی: اس تصنیف کا پہلا موضوع ہے جس میں خواجہ صاحب نے زمانے کی ترقی پر بات کی ہے۔ آج کے کمپیوٹر کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''حیرت انگیز کرشمے آج کے کمپیوٹر میں موجود ہیں اور ذخائر کو چھوٹی جگہ اور ڈیوائس مثلاً کمپیوٹر کے ہارڈ ڈسک، سی ڈی، ڈی وی ڈی اور پین ڈرائیو میں محفوظ کرنے کی صلاحیت عمرو عیار کی زنبیل سے کم نہیں ہے۔'' (۱)

آج کے دور کی ترقیوں نے دنیا کے حجم کو سمٹ کر گلوبل ویلیج بنا دیا ہے یہ تمام ترقیات کمپیوٹر کے دوش پر سوار ہو کر آ رہی ہیں۔ کمپیوٹر ہی ایک ایسا آلہ ہے جو تمام ڈیٹا اِنپٹ کرنے اور جلدی درست طریقے سے ڈیٹا نکالنے اور

تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ خواجہ صاحب کے پرانے سٹوڈنٹس میں سے تھے اور اب وہ افغانستان کے شہر ہرات میں بھارتی کونسل جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔ اب جوان ملاقاتوں میں کچھ وقفہ ہوا تو خواجہ صاحب کو کھانا نصیب ہوا۔ خواجہ صاحب نے بھی جلدی میں جو کھایا سو کھایا اور ہر ایک سے پوچھا کہ وہ ''سویٹ ڈش'' کے طور پر کیا لینا پسند کریں گے۔ کسی نے گلاب جامن کی فرمائش کی تو کسی نے گاجر کا حلوہ یا ریسٹورنٹ کی اپنی مخصوص کلفی منگوائی۔ پھر چائے کا دور چلا اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ اب چلنے کی تیاری ہوئی تو خواجہ صاحب کے ا سٹوڈنٹس نے ہر ایک کو اس کی منزل تک پہنچانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ سب ایک دوسرے کے گلے ملے اور خواجہ صاحب کے دسترخوان پر ان کی صحبت میں گزرے ان یادگاری لمحوں کو سمیٹے ہوئے اپنے اپنے ''ٹھکانے'' کو روانہ ہوئے۔ اب رات کافی گزر چکی تھی۔ مجھے اگلی صبح دس بجے ایئر پورٹ پہنچنا تھا، ہوٹل آتے ہی میں نے کپڑے بدلے اور اس نیت سے لیٹ گیا کہ کچھ سوالوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے محسوس ہوا کہ خواجہ صاحب میرے شانے پر ہاتھ رکھے پوچھ رہے تھے، ''نصر دوبارہ کب آؤ گے؟'' ایکدم میری آنکھ کھل گئی، نیند غائب اور میرا خواب ٹوٹ گیا۔ اپنے تصور کی آنکھوں سے مجھے خواجہ صاحب کا مسکراتا ہوا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شریف النفس، پیکر محبت وخلوص، انسان دوست، انسان کا چہرہ! یہ سطور لکھتے ہوئے آج میں اپنے محسن جناب خواجہ محمد اکرام الدین سے یہ پوچھنے کی جسارت کر رہا ہوں، ''خواجہ صاحب آپ ہمارے ہاں کب تشریف لائیں گے؟

○○○

کے اپنے دفتر میں میں بھی کچھ یہی حال ہو، قرآنی آیات پر مبنی طغرے، دیواروں پر سجے ہوں، برآمدوں میں ہندستانی ثقافت کی نمائندگی کرنے والے تصویری پوسٹر ہوں گے، مجسمے ہوں گے۔غرضیکہ ذہن میں مختلف خاکے ابھر رہے تھے لیکن جب میں امتیاز رومی اور ثناء اللہ کی ہمراہی میں وہاں پہنچا تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے سامنے یونیورسٹی کے مین گیٹ سے لے کر دیواروں تک اور پھر اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر'' کے برآمدوں اور راہداریوں کی دیواروں پر گرافٹی، سکیچز اور ہاتھ سے بنے ہوئے پوسٹروں کی صورت میں، جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے تھا اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں نہیں بلکہ کیوبا، پیراگ، وارسا یا سبق مشرقی جرمنی کے کسی ایسے کمیونسٹ، سوشلسٹ انقلابی انسٹی ٹیوٹ میں جہاں کی دیواریں ''انقلاب، انقلاب'' کے نعرے بلند کر رہی ہوں۔ طلبہ کی متحارب تنظیموں کے مطالبات پر مبنی بڑے بڑے پوسٹر اور بینرز یونیورسٹی کے ماحول میں سیاسی تحاریک اور دھڑے بندیوں کی عکاسی کر رہے تھے، یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن، یہی تو وہ حسن تھا جس کی بنیاد پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ علم و دانش کا یہ گہوارہ، یہ یونیورسٹی ''کثرت میں وحدت'' کی علمبردار ہے۔

جب ہم خواجہ صاحب کے دفتر پہنچے تو انہوں نے کمال محبت سے مجھے یوں گلے لگایا کہ بس ایک پیکر محبت کی ساری چاہت، انس و اخوت میرے سینے میں جذب ہوگئی۔ انہوں نے وہاں پہلے سے موجود ادبی شخصیتوں سے متعارف کرایا۔ یہ سبھی اسی یونیورسٹی سے منسلک احباب تھے۔ اپنی اپنی شخصیت میں علم و دانش کے پیکر، اردو زبان وادب کے ریسرچ اسکالر، پروفیسر، ادیب و محقق، ادب و فنون لطیفہ کی کہکشاں! اسی موقع پر خواجہ صاحب نے مجھے ایک گرانقدر تحفے سے نوازا اور اپنی دو تصانیف بعنوان ''اردو کا عالمی تناظر'' اور ''تقدیر'' عطا کیں۔ اسی دوران چائے اور کافی کا دور چلا اور اردو زبان وادب کے حوالے سے گفتگو کا جو سلسلہ چلا تو مشرق و مغرب، اسکینڈے نیویا، امریکہ، کینیڈا و آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں مقیم اردو کی کئی شخصیات کا ذکر بھی ہوا۔ پاک و ہندستان کے عصری ادیبوں اور خواجہ صاحب کی ''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' کی متنوع ادبی کاوشیں بھی زیر موضوع رہیں۔ اور پھر شام گئے محفل برخاست ہونے سے قبل خواجہ صاحب نے ہم سب کو ڈنر پر مدعو کرتے ہوئے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

ریسٹورنٹ کی اس ضیافت میں، کلکتہ سے شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ ''فکر و تحریر'' کے مدیر ڈاکٹر نعیم انیس بھی شامل ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے ہر ایک سے فرداً فرداً استفسار کرنے کے بعد اس کی پسند کے کھانوں کا آرڈر دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے میز مختلف انواع و اقسام کے کھانوں سے بھر گئی، خوشبوئیں پھیلنے لگیں، بس پھر کیا تھا بس نے مل جل کر کھانا تناول کیا لیکن خواجہ صاحب کی قسمت، اِدھر وہ لقمہ اٹھاتے اُدھر ریسٹورنٹ میں موجود کوئی نا کوئی انہیں ملنے آن حاضر ہوتا۔۔۔۔ خواجہ صاحب بڑے انکسار سے ہر ایک سے ملتے، کھڑے کھڑے ہمارا سب کا تعارف کراتے، ان ملنے والوں میں اکثر خواجہ صاحب کے پرانے سٹوڈنٹ تھے جو اب بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ایک صاحب آئے اور خواجہ صاحب سے یوں بغلگیر ہو گئے جیسے مدتوں بعد مل رہے ہوں۔

ساری محبتیں مجھے اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔ مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے حال احوال پوچھا۔ ڈنمارک، ناروے، سویڈن اور جرمنی میں رہنے والے مشترکہ دوستوں کا ذکر اور بیاں خواجہ صاحب کا، یوں لگ رہا تھا جیسے سبھی دوست اکٹھے تھے۔ خواجہ صاحب ایک ایک دوست کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تخلیقی کاوشوں کو سراہتے ہوئے انہیں اجنبی ملکوں میں ''سفیران اردو زبان وادب'' کے لقب سے یاد کر رہے تھے اور میں ہندستان سے دور یورپی ملکوں میں بسنے والے اردو کے محسنوں کے متعلق خواجہ صاحب کی معلومات اور ان کے تاثرات پر حیران تھا کہ انہوں نے کس طرح خود کو ہم سب کو متعلق باخبر رکھا ہوا ہے۔ یقیناً اس دور پر آشوب میں وہی شخص ایسا کر سکتا ہے جو خود اردو زبان وادب کی آبیاری پر مامور ہو اور ہر قسم کے تعصب، بغض، حرص ولالچ سے پاک ہو۔ خواجہ صاحب کی شخصیت ان سب سے مبرّا، بس محبت ہی محبت ہے۔

میں اور خواجہ صاحب ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کی کانفرنس کے لیے مختص ہال کے باہر کھڑے تھے۔ مندوبین کی آمد جاری تھی۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ اور دلچسپی رکھنے والے لوگوں کی ٹولیاں وہاں پہنچ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کی کئی مندوب، طلبا و طالبات اور دیگر افراد خواجہ صاحب کے پاس رکتے، ادب سے سلام وآداب کرتے، کئی ایک تو معانقہ بھی کرتے، حال احوال پوچھتے ہال کی جانب چل دیتے۔ خواجہ صاحب بڑے پرخلوص انداز میں مسکراہٹیں بکھیرتے اپنے ان مداحوں سے میرا مختصراً تعارف بھی کراتے رہے۔ یہ سب ان کے علمی وادبی حلقے سے تعلق رکھنے والے تھے اور ان میں سے بیشتر اُن کے زیر سایہ تعلیم حاصل کر چکے تھے اور کئی ایک ابھی تک ان کے سٹوڈنٹ تھے۔ اب کانفرس کا آغاز ہونے کو تھا، خواجہ صاحب کہیں اور مدعو تھے، میں نے اُن سے اجازت چاہی اور انہوں نے دوسرے روز پھر ملنے کا وعدہ کیا۔

دوسرے روز خواجہ صاحب پروگرام کے مطابق شام گئے ہمارے ہوٹل تشریف لائے، انہیں کئی دوسرے مندوبین نے بھی ملاقات کے لیے یہیں وقت دے رکھا تھا۔ اب خواجہ صاحب کی خواہش تھی کہ میں ان کی یونیورسٹی ××× ہندستانی زبانوں کا مرکز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی آؤں۔ خود میری بھی تمنا تھی کہ میں اس یونیورسٹی میں جاؤں اور اس ماحول کو خود دیکھوں اور محسوس کروں جس کا ذکر ایک مدت سے سنتا آ رہا تھا۔ تو طے پایا کہ کل کانفرنس کے اختتامی اجلاس کے بعد خواجہ صاحب کے دو بڑے ہی عقیدت مند شاگرد امتیاز رومی اور ثناء اللہ مجھے ساتھ لے کر جواہر لعل یونیورسٹی کے ''ہندستانی زبانوں کا مرکز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز'' پہنچا دیں گے اور ان دونوں عزیزوں نے واقعی ایسا کر دکھایا، وقت پر پہنچے اور ہم خواجہ صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔

یونیورسٹی جاتے ہوئے، راستے میں میرے تصور میں عجیب منظر آ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز'' کے دالان اور اندرونی راہداریوں کی دیواریں شمس العلما کی تصویریں اور اردو کے شعر وادب کی عبارات سے مزین فریموں میں سجے ادبی شاہکار اقوال ہوں گے۔ ہوسکتا ہے خواجہ صاحب

کو ان کی تخلیقات و ادبی شخصیت کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے انہیں ''اردو کے مرکزی دھارے'' میں شامل ہونے کی راہیں کھولیں اور یوں آسٹریلیا سے امریکہ، بنگلہ دیش و ہندستان سے مشرق وسطیٰ اور متحدہ عرب امارات، اور مشرق بعید کے ساتھ ساتھ وسطی ایشیا کی سابق سوویٹ ریاستوں، شمال مغربی یورپ کے دور افتادہ برف پوش ملکوں، ڈنمارک، ناروے، سویڈن، اور فن لینڈ اور افریقہ کے کئی ممالک میں موجود اردو کے ادیبوں کا پہلی بار ایک دوسرے سے نہ صرف تعارف ہوا بلکہ انہیں ایک دوسرے کو جاننے اور اپنے تخلیقی تجربات شیئر کرنے کا موقع ملا۔ اور برصغیر پاک و ہند کے ادیبوں کو بھی ادب کے ان ''مہجور'' تخلیق کاروں سے شناسائی حاصل ہوئی اور ان کے درمیان نئے روابط پیدا ہوئے اور عالمی سطح پر انہیں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے پلیٹ فورم سے جس طرح پذیرائی حاصل ہوئی اس نے ''کثرت میں وحدت'' کی مثال قائم کردی ہے۔ جو اپنے آپ میں خواجہ محمد اکرام الدین کا ایک قابل تحسین کارنامہ ہے۔

''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' کی مذکورہ بالا ''ویب سائٹ'' کے اجراء کے ساتھ ہی خواجہ محمد اکرام الدین نے عالمی سطح پر اردو زبان و ادب کی ترویج کے لیے، اسی سلسلے میں آگے بڑھاتے ہوئے ایک ڈیجیٹل اردو جریدے ''ترجیحات'' کا اجرا کیا۔ اور اردو زبان و ادب کو جدید عصری تکنیکی تقاضوں کے عین مطابق ڈھالنے کے لیے اپنی بصیرت و بصارت سے عالمی سطح پر پھیلے ہوئے محبان اردو کو متوجہ کیا کہ وہ اس جریدے ''ترجیحات'' کے لیے اپنی اپنی نگارشات بھیجیں تاکہ انہیں شایع کیا جائے۔ خواجہ صاحب کی اس خواہش پر عمل کرتے ہوئے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق و تنقید اور اردو ادب کی مختلف اصناف پر مشتمل جو تخلیقات اس جریدے میں شائع ہوتی ہیں وہ محققین بطور حوالہ جات استعمال کرتے ہیں۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عالمی سطح پر اردو زبان و ادب کو عصری تقاضوں کے عین مطابق رفعت و سرفرازی سے ہمکنار کرنے کے لیے خواجہ صاحب کی کاوشیں، تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں، جن کا ذکر مستقبل کا مورخ کئے بغیر رہ ہی نہیں سکے گا۔

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا کہ خواجہ محمد اکرام الدین سے پہلے تو میری صرف غائبانی شناسائی و تعلق داری تھی لیکن مارچ 2019 میں خدا نے مجھے موقع دیا کہ میں اُن کے ساتھ ملاقات کرسکوں۔ میں ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کی عالمی اردو کانفرنس میں شمولیت کے لیے دہلی میں تھا اور اپنے وہاں جانے سے پہلے خواجہ صاحب کو اطلاع دے چکا تھا۔ جب میں دہلی ایئرپورٹ سے اپنے ہوٹل پہنچا تو استقبالیہ ڈیسک سے معلوم ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب مجھ سے ملاقات کے لیے آئے تھے، میں موجود نہیں تھا، کافی دیر انتظار کے بعد، چلے گئے۔ دراصل میری فلائٹ بہت لیٹ ہوگئی تھی اور میں اپنے پروگرام کے مطابق وقت پر ہوٹل نہیں پہنچ سکا تھا جس کی وجہ سے خواجہ صاحب کو اِس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال، خواجہ صاحب کا فون آیا۔ وہی محبت بھری مہربانہ آواز، نہ شکوہ نہ کوئی شکایت، دلی آنے پر مجھے خوش آمدید کہا اور اگلے دن ملنے کا وعدہ کیا۔ دوسرے روز خواجہ صاحب سے روبرو پہلی ملاقات جو ہوئی تو بڑی گرمجوشی سے یوں گلے لگے ان کی

ہوتی رہتی تھی کہ کس طرح یہ کونسل اردو زبان و ادب کے فروغ اور اردو زبان کو سائنسی اور تکنیکی شعبوں سے جوڑنے کے لیے کردار ادا کر رہی ہے۔ خواجہ محمد اکرام الدین نے کونسل کے ڈائریکٹر ہونے کی حیثیت میں اپنی فعالیت کا لوہا یوں منوایا کہ انہوں نے زبان و ادب کی اشاعت و تشہیر کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے ذخیرے میں اضافے کے لیے مختلف ہندستانی زبانوں کے ادب کے تراجم اور علام کی تکنیکی اصطلاحات کو جمع کرنے اور مختلف ریاستی تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم تدریس کے جامع منصوبے تیار کیے اور بیشک اب خواجہ اکرام الدین ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کے ساتھ منسلک نہیں رہے لیکن اپنے بعد آنے والوں کے لئے وہ ایسی راہیں ہموار کر گئے کہ جن پر وہ عمل کرتے ہوئے خواجہ صاحب ہی کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں، اور اس سلسلے میں خواجہ صاحب سے مشاورت کرتے رہتے ہیں۔ ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے خواجہ محمد اکرام الدین اگرچہ اندرون ہند ریاستی سطحوں پر اردو علمی و ادبی کانفرنسیں تو کراتے ہی رہتے تھے لیکن انہوں نے اسی پلیٹ فورم سے ''عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد بھی ڈالی۔ ان کے دور میں منعقدہ عالمی کانفرنس میں مشرق و مغرب کے اردو ادیب و شاعر، دانشور، محقق و نقاد مدعو کئے گئے اور انہوں نے ''اردو، اور عصری تقاضے'' اور ''اردو کی نئی بستیاں''، کے عنوانات کے تحت عصر حاضر میں اردو ادب کی عالمی سطح پر اشاعت و تشہیر کے لیے کئے جانے والی کوششوں کا جائزہ پیش کیا اور اس سلسلے میں مزید اقدامات کے لیے لائحہ عمل تیار کیا۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اپنی ڈائریکٹر شپ کے دوران انہوں نے قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ کے ذریعہ قابل قدر اضافہ کیا۔ انہی کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور ''عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد پڑی۔ علاوہ ازیں انہوں نے اردو کو ئی ٹکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا۔ کئی اردو سافٹ وئیر کا اجرا کیا، نیز ٹکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنے کی سمت میں متعدد اہم اقدامات بھی کیے یہ خواجہ صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے دنیا کے کونے کونے سے اردو زبان وادب کے عاشقوں کو ایک پلیٹ فورم پر لا کر جمع کیا اور انہیں ایک نئے ولولے سے سرشار کیا۔

اردو زبان وادب کی ترویج و تشہیر کے لیے، خواجہ اکرام الدین کا جنون کبھی خاموش نہیں رہا۔ '''' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کے ساتھ اپنی مدت کار کے بعد انہوں نے اردو کو عالمی سطح پر لے جانے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو ادیبوں، شاعروں، دانشوروں، محققین و ناقدین کو ایک پلیٹ فورم پر جمع کرنے اور ان ''مہجوروں'' کو ''اردو کے مرکزی دھارنے'' میں لانے کے لیے ''ورلڈ اردو اسوسی ایشن'' نے نام سے ایک خودمختار تنظیم قائم کر کے اسی نام سے ایک ''ویب سائٹ'' کا بندوبست کیا۔ بس پھر کیا تھا، ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے پلیٹ فورم سے خواجہ صاحب نے آن لائن سیمناروں اور مباحثوں اک ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس میں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو ایک جگہ جمع کر دیا، ان ہفتہ وار سیمناروں میں ایسے ایسے احباب

نصر ملک
ڈنمارک
سابق ایڈیٹر، اردو سروس، ریڈیو ڈنمارک
لینگویج کنسلٹنٹ، اسٹیٹ لائبریری، ڈنمارک

سرحدوں سے مُبّرا، عالمی سفیرِ اُردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

عصرِ حاضر میں یوں تو کئی ایک اردو ادبی سرکاری اداروں، انجمنوں اور شخصیات نے اردو زبان و ادب کے لیے اپنے تیئں کوششیں کی ہیں لیکن ان سب میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین وہ نمایاں شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے علمی و ادبی کارناموں کی بدولت اپنی ایک ایسی مستحکم شناخت قائم کی ہے، جس کا سارا عالم معترف ہے، اور جس کی وجہ سے آج اردو زبان و ادب کو عالمگیر سطح پر ایک نئی جہت عطا ہوئی ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین ہندستان کی تاریخی دانشگاہ، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے ''ہندستانی زبانوں کا مرکز'' سے تعلق رکھتے ہیں اور اس تعلقداری کی وجہ سے یہ ادارہ بین الاقوامی سطح پر زبانوں کی درس و تدریس کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ خواجہ اکرام الدین کو اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی، عربی اور فارسی زبان میں دسترس ہے۔ انہیں اردو تنقید، اردو ٹکنالوجی اور جدید ٹکنالوجی میں خاصی دلچسپی ہے اور اسی دلچسپی کی بنا پر انہوں نے اردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے کے لیے نمایاں اقدامات کیے ہیں۔ خواجہ محمد اکرام الدین کی تعمیری و توسیع پسند سوچ و فکر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس ادارے میں نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے طلبہ و طالبات علم کے لیے آتے ہیں بلکہ مشرق وسطیٰ، افریقہ، وسطی ایشیا، یورپ اور امریکہ سے طلبہ یہاں آتے اور علم حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک، بلکہ میں تو کہوں گا کہ کوئی ایسا شہر ہو، جہاں خواجہ محمد اکرام الدین کے شاگرد موجود نہ ہوں۔

خواجہ محمد اکرام الدین سے یوں تو میرا غائبانہ تعلق تب سے ہے جب وہ، ہندستان کی وزارت ''ترقی و انسانی وسائل'' کے زیر نگرانی خود مختار ادارہ ''قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان'' کے ڈائریکٹر کے طور پر خدمات بجالا رہے تھے۔ اُن دونوں اِس متذکرہ کونسل کے ساتھ رابطے میں رہنے کی وجہ سے مجھے کونسل کے جاری کردہ علمی و ادبی اور تحقیقی جرائد مسلسل ملتے رہتے تھے اور کبھی کبھار کوئی اردو کتاب بھی بذریعہ ڈاک موصول ہو جاتی تھی۔ اِن رسائل اور دیگر ذرائع سے ملنے والی معلومات سے ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کی کارکردگی سے آگاہی

کرنے کی کوششوں میں شب و روز مصروف ہیں۔

اُن تمام خوبیوں کے ساتھ خواجہ اکرام الدین، عاجزی، انکساری اور خلوص کے ایک ایسے پیکر کا نام ہے جسے نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ۔ بے شک ایسی شخصیات کے لیے ہی واحد اعجاز میر نے لکھا تھا۔

اتنی حیرت تمھیں مجھ پر نہیں ہونی تھی، اگر
تم نے کچھ روز، مری طرح گزارے ہوتے
یہ جو ہم لوگ ہیں، احساس میں جلتے ہُوئے لوگ
ہم زمیں زاد نہ ہوتے، تو سِتارے ہوتے

اپنے شخصی اوصاف، اخلاص اور جہدِ مسلسل کی بنا پر پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین علمی و ادبی سطح پر نئی سمت بتانے والا اردو ادب کے اُفق کا روشن ترین ستارہ ہیں۔ جس کی تب و تاب میں مزید اضافے کے لیے ہم سب دعا گو ہیں۔

OOO

اُن کا چھٹا وصف نئے پن کی تلاش ہے۔ وہ ہمہ وقت کسی نئے کام میں مشغول رہتے ہیں لیکن محو نہیں ہوتے۔ وہ حقیقی معنوں میں علمی وادبی سرمائے کو نئی نسل میں منتقل کرنے اور اُن کے ذریعے سے اردو زبان وادب میں تازگی پیدا کرنے کے متمنی ہیں۔ حتیٰ کہ مختلف پروگراموں کے انعقاد اور شمولیت کے حوالے سے جب بھی خواجہ صاحب سے بات ہوئی اُنہوں نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں اور نئے محققین کو سراہا، اُن کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں آگے لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

اُن کی شخصیت کی ساتویں خوبی متوازن شخصیت کا حامل ہونا ہے وہ معتدل مزاج کے حامل ہیں، اُنہوں نے ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے ذریعے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں بلا امتیاز جغرافیائی حدود وقیود اردو زبان وادب کے سب روشن ستاروں جمع کر کے نئے اسکالرز کے لیے ادب کی تفہیم کے نئے در وا کیے۔ خواجہ صاحب کی ان کاوشوں سے مستفید ہونے والوں میں مجھ سمیت ملکی و بین الاقوامی جامعات سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور اسکالرز بھی شامل ہیں۔ اسم بامسمی، خواجہ اکرام الدین کرم نوازی کے وصف کو اپنی ذات تک محدود ومقید رکھنے کے قائل نہیں بلکہ دوسروں کو فیض یاب کرنے کی تگ ودو میں رہتے ہیں، اُن کی انہی مخلصانہ کاوشوں کی بدولت مہجری ادیبوں پر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی کام کیا جا رہا ہے۔ اس سے موضوعاتی دائروں میں تنوع کے ساتھ ساتھ علاقائی تعاون، معاونت، اور زبان کی ادائیگی کے مختلف لہجوں کے لیے قبولیت کے در کھلنے کے امکانات پیدا ہوئے ہیں۔ یہ سب خواجہ اکرام الدین کی متحرک شخصیت کا کمال ہے کہ انہوں نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں بہت مثبت کردار ادا کیا۔ جس سے اردو زبان کے علمی وادبی خزانے کو محفوظ بنانے کی صورت نکلی ہے۔

معاصر ادبی منظرنامے پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے اردو سے محبت کرنے والوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش بھی اُن ہی کا کمال ہے۔ وہ دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے ادیبوں کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ وہ اپنی کاوشوں کو محض ورلڈ اردو ایسوسی ایشن یا ملک کے طول وعرض میں ہونے والی کانفرنسوں اور پروگراموں تک محدود نہیں رکھتے بلکہ، امریکہ، کینیڈا، اٹلی، جرمنی، برطانیہ، فرانس ڈنمارک اور سویڈن میں ہونے والے مذاکروں۔ مشاعروں، کانفرنس، ادبی وثقافتی انجمنوں کے پروگراموں میں شرکت کے لیے ہمیشہ پا در رکاب رہتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں اپنی محبت اور اخلاص سے لوگوں کے دل موہ لیتے ہیں اور ان سب محبتوں کو اپنی محبوب زبان اُردو کی ترویج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ خواجہ صاحب کے اس کام نے نہ صرف اردو زبان وادب کو حقیقی معنوں میں دنیا کے کونے کونے میں جہاں بلا امتیاز مذہب، رنگ ونسل متعارف کرانے کی بہترین کوشش کی ہے، اس پلیٹ فارم پر اردو زبان وادب میں تخلیقی کام کرنے والوں کے علاقائی لب ولہجے کو قبول کرنے کی بات بھی کی جاتی ہے، خواتین کے ادب کو منظر عام پر لانے کی کوششوں کے ساتھ ادبیات عالم میں مشترک تصورات کو بھی زیر بحث لا کر اردو زبان وادب کے اثرات کو ڈیجیٹل میڈیا کے ذریعے بیک وقت پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یوں خواجہ صاحب عہد حاضر کے تقاضوں کے حوالے سے آگہی کی نئی شمعیں فروزاں

کرونا کے دنوں میں ۷-۸ اگست ۲۰۲۰ء میں جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ پاکستان کے پلیٹ فارم سے منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں دس ممالک کے محققین اور سکالرز نے شرکت کی۔ اُن سب بین الاقوامی ادبا، شعرا اور محققین کے ساتھ خواجہ اکرام الدین کو خصوصی محبت اور شفقت قابل ستائش تھی۔ اُنہوں نے انفرادی و اجتماعی طور پر تمام مقالہ نگاروں خاص طور پر نئے اسکالرز کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ خواجہ صاحب کی اردو زبان وادب سے محبت تھی کہ ان دو دنوں میں اُنہوں نے اپنی تمام مصروفیات کو ترک کر کے کانفرنس کے ہر ایک مقالہ نگار کو سنا اور اس کے بارے میں اپنی رائے دی۔ اس کانفرنس کے شرکاء میں پاکستان کے علاوہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبا بھی تھے، جس سے یگانگت کی ایک فضا نے جنم لیا۔ دوسرے دن کانفرنس کے اختتامی سیشن میں مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ ہم سب ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہیں۔ لیکن اس تعارف اور اُنسیت میں مرکزی کردار خواجہ بھائی کا تھا کیوں کہ تمام بین الاقوامی مہمانوں سے وہ بذاتِ خود رابطے میں تھے اور اس کانفرنس میں برابر کے معاون بھی۔ کسی دوسرے کی خاطر اپنا قیمتی وقت اور توانائی صرف کرنے کے ساتھ ساتھ اور اپنے تعلقات کو استعمال کرنے کا ظرف ہر کسی میں نہیں ہوتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ سب کاموں کا کریڈٹ دوسروں کو دینے کا فن بھی ہر کسی کو نہیں آتا، لیکن یہ سب خوبیاں خواجہ بھائی میں موجود ہیں۔ وہ دوسروں کو اکرام سے نوازنے کے فن سے خوب آشنا ہیں۔ گویا اس صدی میں ابھی درویش صفت لوگ باقی ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

اناؤں نفرتوں خود غرضیوں کے ٹھہرے پانی میں
محبت گھولنے والے بڑے درویش ہوتے ہیں

لیکن کیا درویشی کی یہ منزل اتنی ہی سہل ہے جتنی نظر آتی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں اس تک پہنچنے سے پہلے اپنے لہجے اور رویے میں توازن قائم رکھنے کے لیے بہت سی صعوبتوں کج رویوں، منافقتوں، مخالفتوں اور زیادتیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر اپنے پرائے کے احساس سے ماورا ہوا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے مضبوط اعصاب اور حد درجہ قوتِ برداشت کی ضرورت پڑتی ہے، خواجہ صاحب کی پانچویں خوبی خندہ پیشانی سے تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونا ہے۔ وہ کبھی باور کرانے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ کسی کے غلط رویے نے اُنہیں اذیت دی۔

اُن کی پانچویں خوبی اپنے کام سے حد درجہ کی کمٹمنٹ ہے۔ ۱۲ اپریل ۲۰۲۱ کو جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ میں بین الاقوامی اقبال کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں خواجہ صاحب سے بات ہوئی وہ اُس وقت کرونا کی وجہ سے بہت علیل تھے لیکن اُنہوں نے اپنی شدید بیماری کو پسِ پشت ڈال کر کہا کہ میں کانفرنس میں موجود رہوں گا، لیکن شاید بات نہ کر سکوں، لیکن کانفرنس میں وہ نہ صرف شریک ہوئے بلکہ گلے میں شدید تکلیف کے باوجود اُنہوں نے بہت عمدہ گفتگو بھی کی۔ یہ اُن کی اپنے کام سے کمٹمنٹ کی انتہا تھی جس پر میں حیران اور بھائی کی صحت کے بارے میں پریشان بھی ہوئی۔

ممالک کی یونیورسٹیوں میں اردو زبان وادب کی تدریس کے لیے لائحہ عمل کی تیاریوں اور اساتذہ کے لیے تدریس اردو کے تربیتی وتدریسی پروگرام کروا چکے ہیں۔ اردو ادب کی افادیت اور فروغ کے جہاں اُن کی بے مثال کوششیں ہیں، وہیں اُنہوں نے اُردو زبان کو جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنے کے متعدد آن لائن اردو لرننگ پروگرام ترتیب دیئے۔ مہجری ادبا کو دنیائے اردو سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ مختلف اداروں اور تنظیموں کو فروغ اردو کے لیے باہمی اشتراک وتعاون پر آمادہ کیا، ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے تحت کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔ جس سے دنیا بھر میں پھیلے اردو کی خدمت کرنے والی شخصیات منظر عام پر آئیں اور نئی نسل اُن کے تخلیقی کارناموں سے متعارف ہوئی۔ ان تمام کارناموں کی دنیا معترف ہے۔ لیکن ان سب کاموں کے پیچھے دراصل اُن کے کچھ شخصی اوصاف کارفرما ہیں جو انہیں بہت سے عام لوگوں کی صف سے نکال کر بڑے لوگوں میں لا کھڑا کرتے ہیں۔

میں خود کو اُن خوش نصیب انسانوں میں سے ایک سمجھتی ہوں جنہیں والدین کی دعاؤں کی بدولت اچھے لوگوں کی صحبت اور رہنمائی میسر آئی، اور جہاں کہیں گرم مزاج یا غصے والی شخصیت سے ملاقات ہو تو میں دور ہی سے سلام کر کے راستہ بدل لیتی ہوں۔ کیوں کہ نرمی کا پہلو جس چیز سے نکال دیا جائے وہ خیر سے محروم ہو جاتی ہے۔ خواجہ اکرام الدین کو اگرچہ مجھے براہ راست جاننے کا موقع تین سال قبل ملا لیکن مجھے یہ لگتا ہے کہ میں خواجہ بھائی کو برسوں سے جانتی ہوں جیسے وہ ہمیشہ سے میرے گھر کے فرد ہوں۔ لیکن ایسا کیوں ہے؟ کیا ہر کسی کو یہ مقام ومرتبہ حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یقیناً، انکار کی صورت میں ہوگا۔ آخر وہ کون سا وصف ہے جو اجنبیت کو اپنائیت میں بدلتا ہے، اور خواجہ اکرام الدین کو علمی، ادبی اور تنظیمی اعتبار سے دیگر اشخاص سے ممیز وممتاز بنا دیتا ہے۔ میرے نزدیک خواجہ بھائی کی شخصیت میں موجود حد درجہ اخلاص کی خو اُنہیں سب کے قریب کرتی ہے۔ میں نے اُنہیں نرم گفتار، مخلص اور سراپا خیر پایا۔ میرے لیے وہ بہت محترم بڑے بھائی کی مانند ہیں جن سے کسی بھی موضوع پر کبھی بھی بات کی جا سکتی ہے، نہ انہوں نے کبھی اپنی مصروفیت کا ذکر کیا اور نہ کبھی یہ ظاہر کیا کہ میرے پاس ابھی وقت نہیں۔ جب بھی کسی حوالے سے اُن سے مشورہ کیا بہترین جواب ملا۔ اگر کبھی کسی بہت ضروری کام کے لیے کہا تو سفر وحضر کی پروا کیے بنا کام مکمل کر دیا۔ کبھی کسی حوالے سے یاددہانی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اُن کی شخصیت کا دوسرا بڑا وصف عاجزی ہے کہ اُن کی مجلس میں شریک ہونے والا ہر شخص اُن کی پذیرائی کی وجہ سے خود کو بڑا محسوس کرتا ہے۔

تیسرا بڑا وصف بے لوث کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ مجھے دوروزہ بین الاقوامی اردو کانفرنس کے دوران اُنہیں جاننے کا موقع میسر آیا۔ وہ مہمان اعزاز تھے اور مجھے اس کانفرنس میں نظامت کے فرائض ملے۔ اُن کا صدارتی خطبے سے لے کر ہر مقالہ نگار کی کوششوں کو سراہنے کا انداز بہت دلچسپ تھا اور اس دلچسپی میں اُس وقت حیرت کا عنصر بڑھ جاتا جب ڈنمارک سے جناب نصر ملک صاحب ہر وہ موضوع جس پر مقالہ پڑھا جاتا تھا، اپنی لائبریری سے جادوئی انداز میں اُس موضوع سے متعلق کتاب نکال لاتے اور اُس کا تاریخی پس منظر پیش کرتے۔

ڈاکٹر شگفتہ فردوس
جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ پاکستان

خواجہ اکرام الدین زمیں زاد ستارہ

احساس کی لو میں جلنے اور دوسروں کو نور عطا کرنے کی صلاحیت رکھنے والے اس دنیا میں نایاب نہ سہی کم یاب ضرور ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین دنیائے اُردو کا ایسا ہی ایک معتبر حوالہ ہیں۔ظاہری نمود و نمائش سے مبرّا، اخلاص اور ملنساری کے حامل ایسی ہستی، جس سے دیس پردیس بسنے والے سبھی یکساں محبت رکھتے ہیں۔ وہ اُردو زبان وادب سے محبت کرنے والوں کو خلوص کے روشن دائرے میں جمع کرنے اور جمع رکھنے کا ہنر جانتے ہیں۔

اردو زبان وادب کی خوش قسمتی ہے کہ اس کی قدر دانی کرنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کی تہذیبی وثقافتی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ اس کو جدید دور سے ہم آہنگ کرنے اور نئے خطوط پر استوار کرکے اس کے دائرہ اثر کو مزید وسعت دینے کے متمنی ہیں۔اس حوالے سے اردو زبان کو ڈیجیٹل ورلڈ کے ساتھ جوڑ کر اس کی اہمیت اور صارفیت میں اضافے کی کوششوں میں ہندوستان میں سب سے نمایاں نام پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین کا ہے۔۔وہ، ادیب، سفرنامہ نگار، نقاد، محقق ومدون ہونے کے ساتھ جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں میں سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز میں پروفیسر ہیں۔اُنہیں تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہ کر متعدد نئے پروجیکٹ متعارف کرانے کے ساتھ ادب اطفال کے فروغ کا موقع بھی ملا۔ اُنھوں نے ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' جاری کیا اور عالمی اردو کانفرنس کا آغاز کرکے فروغ اردو کی نئی راہیں روشن کیں۔ اردو کی ترویج میں وہ انفرادی اور اجتماعی ہر دو صورتوں میں وہ سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔اُن کی خدمات کے اعتراف میں اُنہیں قومی و بین الاقوامی سطح پر اعزازات کے ساتھ ''سفیرِ اُردو'' کا خطاب بھی دیا گیا۔حال ہی میں اُنہیں اردو اکادمی دہلی کی جانب سے ۲۰۲۲-۲۱ کا تحقیقی وتنقیدی خدمات کا ایوارڈ دیا گیا۔اُن کے اسفار نے تحقیقی، تخلیقی سرمائے میں تنقیدی بصیرتوں کا اضافہ کیا۔اُن کی کُتب مختلف بین الاقوامی جامعات میں مستند حوالے کے طور پر شامل کیا گیا۔وہ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیرمین کی حیثیت سے متعدد علمی وادبی، سیمیناز، انٹرنیشنل کانفرنسیں، انٹرویوز، مذاکرے، کتب کے تعارفی، تہنیتی، اور تعزیتی پروگرام منعقد کرا چکے ہیں۔حتیٰ کہ بین الاقوامی سطح پر مختلف

کے اہم ادیبوں، شاعروں اور محققین کے تعارف اور ان سے مکالمے کے آن لائن سلسلے کو نہایت مستعدی سے جاری رکھے ہوئے ہیں جو فروغِ اردو کے ضمن میں نہایت مثبت اور خوش آئند پیش رفت ہے۔اس سلسلے سے پوری اردو دنیا لیپ ٹاپ اور موبائل کی سکرین پر جلوہ گر ہو رہی ہے اور نوجوان نسل کو کتابوں کے ساتھ ساتھ اپنی محبوب شخصیات کی گفتگو اور ان سے مکالمے کے ذریعے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع بہم ہو رہے ہیں۔ بلاشبہ ان تمام سنجیدہ علمی و ادبی کاوشوں کے ذریعے اردو کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی اردو کی مقبولیت اور پسندیدگی میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اردو زبان و ادب کا بیش قیمت اثاثہ ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ ایسی ہمہ جہت اور سنجیدہ فکر شخصیات روز روز دنیا میں نہیں آتیں۔

خواجہ اکرام الدین صاحب نے قومی کونسل برائے فروغ اردو کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اُردو کی بہبود کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔آپ نے آن لائن اردو ڈیجیٹل لائبریری کے اجرا کے ذریعے اردو ان طبقے خصوصا نوجوانوں کو کتب بینی کی طرف راغب کیا اور اہم اور نادر کتب تک ان کی رسائی ممکن بنائی۔اس کے علاوہ مختلف ممالک میں اردو سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے آن لائن اردو کورس پروگرام بھی خواجہ اکرام الدین کا اہم کارنامہ ہے۔ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثت سے دنیا بھر میں اردو کے اساتذہ، شاعروں، ادیبوں، نقادوں اور محققین کے خیالات، نظریات اور تجربات کو آن لائن مذاکروں، سیمیناروں اور خصوصی نشستوں کے ذریعے طالب علموں اور ریسرچ سکالرز تک پہنچانا ایک وقیع علمی و ادبی خدمت ہے۔دنیا بھر میں جہاں بھی اردو کی بستیاں آباد ہیں خواجہ صاحب نے ان ممالک کا سفر کیا اور اردو کے مہجری ادب کے حوالے سے خصوصی کام کیا۔آپ تحقیق و تدریس میں ایک بے لوث اور مشفق رہنما کی حیثیت سے نمایاں مقام کے حامل ہیں۔اردو کے نئے امکانات اور روشن مستقبل کی تلاش میں مستقل سرگرداں ہیں۔ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اپنی روشن خیالی، جدت فکر اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے سبب اردو کے افق پر ایک تابندہ ستارے کی صورت جگمگا رہے ہیں جن کی روشنی اردو دنیا میں تازگی، تابندگی اور مثبت اندازِ فکر و بیان کی ضامن ہے۔خواجہ صاحب نا صرف اپنے ہم عصروں بلکہ مستقبل کے اردو اساتذہ میں بھی انفرادی حیثت کے مالک ہیں۔آپ اردو کا ایسا اثاثہ ہیں جس پر بلاشبہ تمام اردو دنیا کو فخر ہے۔اللہ کریم خواجہ صاحب کی علمی و ادبی توفیقات میں مزید اضافہ فرما۔مَیں ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ وہ فروغِ اردو کے حوالے سے مزید موثر عملی اقدامات کرنے میں کامیاب ہوں کہ ہماری بقا اور ترقی، اردو کی بقا اور ترقی سے مشروط ہے۔

○○○

پروفیسر رابعہ سرفراز
شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین: ہمہ جہت علمی وادبی شخصیت

فروغِ اردو زبان و ادب میں کوشاں شخصیات میں ایک فعال اور نہایت اہم نام خواجہ محمد اکرام الدین کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جواہر لعل نہرو یونیورسٹی ‘نئی دہلی، انڈیا میں پروفیسر ہیں اور درس و تدریس کے عمل کو تیزی سے تبدیل ہوتی دنیا کے نت نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے جدید ٹیکنالوجی کے بھرپور استعمال میں مہارت رکھتے ہیں۔ میرا ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین سے باقاعدہ تعارف ۲۰۰۶ء میں اس وقت ہوا جب وہ شعبہ اردو کی دعوت پر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کے زیرِ اہتمام منعقد کی جانے والی پہلی تین روزہ بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے لیے فیصل آباد تشریف لائے۔ یہ کانفرنس تنقید و تحقیق کے موضوع پر تھی۔ مَیں اس وقت بطور لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی میں فرائض انجام دے رہی تھی۔ کانفرنس کی نظامت اور مہمان مقالہ نگاروں کی میزبانی کے فرائض بھی میری ذمہ داریوں میں شامل تھے۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر صاحب نے اردو تحقیق کے سلسلے میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے حوالے سے نہایت عمدہ مقالہ پیش کیا تھا۔ اس کے بعد متعدد کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کے لیے ہندوستان جانے کا موقع ملتا رہا جہاں مَیں نے ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کو فروغِ اردو کے سلسلے میں نہایت سنجیدہ عملی اقدامات کرتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے شاگردوں میں بے حد مقبول ہیں اور اس مقبولیت کی ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ اردو تدریس و تحقیق کو فرسودہ طور طریقوں سے نکال کر اس میں جدت اور تازگی پیدا کر چکے ہیں جس کے سبب اندرون اور بیرون ملک کے ریسرچ سکالرز اردو کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سمجھتے ہوئے اپنی تخلیقات و تحقیقات میں مشغول ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی، ہندوستان کے ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں اور اس عرصے کے دوران میں انھوں نے پاکستانی اور ہندوستانی ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور محققین کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور نوجوان نسل سے ان کے مکالمے کو ممکن بنانے کے لیے موثر عملی اقدامات کیے۔ ڈاکٹر صاحب اردو کے اچھے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ تنقید، تحقیق اور سفرناموں کے حوالے سے درجن بھر کتب کے مصنف بھی ہیں۔ اردو کی چند ہمہ جہت شخصیات میں ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کا نام سرِ فہرست ہے۔ آپ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، نئی دہلی، انڈیا کے سرگرم سرپرست ہیں اور کرونا کے سبب محدود ہوتی علمی و ادبی سرگرمیوں کے باوجود اردو

حصہ ایشیا میں ہے۔ میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک بھی اسی شہر میں ہے۔ حرمین شریفین کے بعد ترکی میں یہ مقام سب سے اہم اور متبرک سمجھا جاتا ہے'' ۔8

خواجہ محمد اکرام الدین کے سفرناموں میں بہترین اسلوب اور بیانیہ کے باہم دلکش فضا، موسم، ماحول اخلاق آداب، اور دوران سفر مختلف ملکوں میں رہنے بسنے والے عاشقان اردو کی زندہ جاوید شبیہ کو تراشنے کا عمل جاری وساری رہتا ہے۔ ان کے سفرنامے ملکوں یا شہروں کی روداد نہیں بلکہ ان کے سیاسی سماجی نظام طرز زندگی، طرز فکر کے متعلق معلومات کا تصدیق شدہ اہم ذریعہ ہیں۔ قارئین کے علم و آگہی میں خاطر خواہ اضافہ کرنے والی یہ تحریری حُزنیہ و طربیہ، دونوں ہی مزاج کی رنگارنگی کو پیش کرتی ہیں۔ ان سفرناموں کی فضا بوجھل نہیں ہے بلکہ دلچسپی اور جستجو بڑھانے والی ہے۔ اور حقیقت سے روبرو کرواتی ہوئی باطن سے خارج کی طرف قارئین کے تاثر میں شدت پیدا کرتی ہے۔

خواجہ اکرام اپنے سفرناموں میں مناظر و مقاصد کا بھرپور خیال رکھتے ہوئے ذات سے کم اور کائنات سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں۔ جس سے ایک طرح کی بصیرت و مسرت حاصل ہوتی ہے کہیں تو تحریر احساس جمال اور عرفان جمال کی حدوں کو چھو لیتی ہے۔ تب ایسا لگتا ہے جیسے شعور کائنات، شعور ذات میں تبدیل و تحلیل ہو رہی ہو۔ اور تحلیل کا یہی عمل سفرناموں کے تاثر کو دیر تک قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔۔۔ یہ تمام عمل بڑی خاموشی سے اپنا کام کرتا ہے، جسے ادب کا حسن کہتے ہیں اور جسے فن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بہرحال ایک خاص زاویہ نگاہ سے لکھے جانے والے خواجہ اکرام الدین صاحب کے یہ سفرنامے اردو ادب کی ترقی و ترویج پر روشنی ڈالتے ہوئے فنی خوبیوں کو اپنے اوراق میں چھپائے اردو سفرنامہ نگاری میں مخصوص انفرادیت کے حامل ہیں۔ اور اپنی اہمیت کو منوانے میں کامیاب ہیں۔

حوالے:۔

۱۔ مشاہدات: خواجہ محمد اکرام الدین (مختلف ممالک کے سفرنامے) زیر اہتمام ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔ ناشر براؤن پبلی کیشنز، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، صفحہ ۳۴۔۳۳

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۱

۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۵

۴۔ ایضاً۔ صفحہ ۹۵

۵۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۱۱۔۱۱۰

۶۔ ایضاً۔ صفحہ پیش لفظ

۷۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۔۵۱

۸۔ ایضاً۔ صفحہ ۴۲۔۴۱

OOO

سے قدر خاطر رابطہ قائم کر کے طلباء وطالبات کے تعلیمی تقاضوں کے معاملات میں اضافہ کریں اور تحقیق کے تئیں در وا کریں۔ایک جگہ خواجہ اکرام مہجری ادب کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''سچائی یہ ہے کہ موجودہ عہد میں کسی بھی زبان کے ثروت مند ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں مہجری ادب کا معیار ومنہاج کیا ہے۔ہمیں ان مہجری ادیبوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جو دیار غیر میں رہ کر اپنی تہذیب اور زبان سے وابستہ اور منسلک ہیں اور اردو ادب کے سرمائے میں بیش قیمتی اضافہ کر رہے ہیں۔'' 6ے

نہایت صاف وشستہ زبان میں سفرنامہ نگار نے بہت باریک بینی سے اپنے مشاہدات وواقعات، تجربات اور قلبی تاثرات کو پیش کیا ہے۔جس مقام کی آب وہوا، افضا، تاریخ، رہن سہن، بودوباش، رسم ورواج غرض مکمل انسانی معاشرہ اور اس معاشرے کے بطن سے جنم لیتی ہوئی انسانی نفسیات کی شبنمی پھنوار سے قارئین کو شرابور کر دینے کی قوت کا عنصر ان کے قلم میں موجود ہے۔جنہیں پڑھ کر قاری کے ارادوں میں رختِ سفر پر آمادہ ہو جانے کا جذبہ جاری وساری ہو جاتا ہے۔دیکھئے موریشس کی خوبصورتی کا بیان:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ موریشس کا چھوٹا جزیرہ اپنی خوبصورتی میں بے نظیر ہے۔ہر چہار جانب سے سمندر کے ساحل الگ الگ نظارہ پیش کرتے ہیں۔پانی کا رنگ بھی کہیں گہر نیلا، تو کہیں بالکل سبز، کہیں پتھریلے ساحلی کنارے ہیں تو کہیں ساحل پر ریت کی خوبصورت چادر بچھی ہوئی ہیں۔گھنے جنگلات بھی ہیں لیکن خاص بات یہ ہے کہ یہاں سانپ بچھو بالکل نہیں اور نہ کوئی درندہ جانور ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچاتے ہوں۔یہاں کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔۔۔۔موریشس گنّے کی کاشت کی وجہ سے مشہور ہے۔گنے کی مٹھاس کی طرح یہاں کے لوگوں کے اخلاق میں بھی مٹھاس پائی جاتی ہے'' 7ے

اسی طرح قسطنطنیہ کا مشاہدہ بڑا دلفریب ہے۔وہاں کی صنعت وحرفت کا بیان فدا کی اداکاری کی حد تک تاثر پیدا کرتا ہے:

''قسطنطنیہ، جسے استنبول کے نام سے جانا جاتا ہے، دنیا کے چند بڑے شہروں میں اس کا شمار ہے۔اسے مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ہر جگہ کچھ فاصلے پر شاندار مسجدیں ہیں۔مسجدوں کی اتنی تعداد کے بعد بھی کوئی مسجد نمازیوں سے خالی نہیں رہتی۔ان مساجد کا طرز تعمیر بھی مختلف ہے۔۔۔ان مساجد کا آرکیٹکٹ ایک جیسا ہے۔ایک بڑا گنبد اور اس کے ارد گرد متعدد چھوٹے گنبد۔یہ عثمانیہ دور کے مشہور آرکٹیکٹ ''سنان'' کی ایجاد ہے۔اس طرز تعمیر کا سیدھا مقصد اذان کی آواز گنبدوں سے ٹکرا کر لوگوں تک پہنچے۔۔۔یہ شہر سات پہاڑوں کے حلقے میں واقع ہے بحر اسود، مرمرا اور آبنائے باسفورس، یہ تین سمندر اس کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔۔۔یہ دنیا کا واحد شہر ہے جس کا نصف حصہ یورپ اور نصف

زیورات، نوادرات، برتن وغیرہ کھدائی کے دوران میں برآمد ہوئے ہیں۔تخت جمشید 25 صدی سے پہلے ایرانی بادشاہ داریوش کبیر کے دور میں میترا نامی پہاڑ کے مغربی کنارے میں تعمیر کیا گیا جس کی ساخت میں بڑی تعداد میں آرٹسٹ، فنکاروں، دستکاری کرنے والے، کارکنوں، مردوں اور خواتین نے شرکت کی۔ 120 سال عرصے گزر جانے کے بعد تخت جمشید کی ساخت مکمل ہوئی۔تخت جمشید کے محلوں کا کل رقبہ 125 ہزار میٹر کیوبک ہے جو رسمی اور سرکاری محل، خصوصی چھوٹے محل، بادشاہ کا خزانہ، حفاظتی قلعہ، پلیٹ فارم کے داخلہ سیڑھی اور خشایار شاہ کے دروازے کے مختلف حصوں پر شامل ہے۔خشایار شاہ کے شاندار محلات کے جو کھنڈرات تخت جمشید میں ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان محلوں میں وسیع دربار ہال تھے جن میں عظیم اور بلند ستون استعمال کیے جاتے تھے اور ہال کے سامنے بارہ دریاں ہوتی تھیں جن میں چوکور ستون ہوتے تھے۔محلوں تک پہنچنے کے لیے زینوں کے دوہرے سلسلے ہوتے تھے۔آپادانا نامی محل تخت جمشید کے سب سے پرانے محلوں میں سے ہے جو داریوش کبیر کے حکم کے تحت بنایا گیا ہے جس سے نوروز کی تقریبات اور غیر ملکی مہمانوں کے استقبال کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔۔۔۔سکندر اعظم نے 330 سال سے پہلے دارا سوم کو شکست دے کر اس شہر کو آگ لگا دی اور ویران کر دیا۔عالمی ثقافتی ادارہ یونسکو نے 1979 میں تخت جمشید کو عالمی تاریخی ورثہ قرار دیا ہے'' ۔5

یہ سفرنامے محض اطلاع نہیں دیتے بلکہ قاری کے علم میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ان اسفار کے اسباب اردو زبان وادب کے سیمیناروں و کانفرنسوں اور توسیعی خطبات میں خواجہ اکرام کی شرکت کی بنا پر ہیں۔ان کے متعدد ملکوں کے سفرناموں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان وادب کی تعلیم کے سلسلے اسکول سے لے کر ریسرچ تک ہیں۔اور یہ زبان لامحدودیت کا درجہ رکھتی ہے۔خواجہ اکرام ان اسفار کے ذریعہ دنیا میں اردو زبان وادب کی نئی نئی بستیوں سے متعارف کرواتے ہیں۔عربی کے بعد اردو دنیا کی دوسری بڑی زبان ہے جس نے بقول خواجہ اکرام دنیا کا دور دراز کا سفر کیا ہے۔ چاہے جاپان ہو، ترکی ہو، امریکہ ہو، ایران عراق ہو، موریشس ہو، مصر سرزمین انبیاء واولیاء، ہرات شہر اولیاء ہو، امام بخاری کا ملک ہو، قمر رئیس کا میدان عمل ازبکستان ہو، یا فن لینڈ ہو، خواجہ اکرام نے ہر ملک کے تہذیب وتمدن، اخلاق فاضلہ، معاشرت، معیشت اور تدبیر مملکت کو بڑے نظم وضبط سے سفرنامہ نگاری کا حصہ بنایا ہے۔

ان ممالک کی یونیورسٹیوں میں طلبہ وطالبات اور اساتذہ کرام کی انسان دوستی، اردو دوستی کا ذکر اور حال کی تصویریں خواجہ اکرام کے قلم کی نظر سے پڑھتے ہیں تو اردو کی مقبولیت کا راز سمجھ میں آتا ہے، دل عش عش کرنے لگتا ہے اور اردو زبان کی موت کا فرمان جاری کرنے کا اعلان کر کے ماتم کرنے والے ''ہم لوگ'' کس قدر محدود معلومات رکھتے ہیں اس کا انکشاف ہو جاتا ہے۔بلاشبہ ان سفرناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک میں اردو کے مہجری ادب کی سمت ورفتار کس قدر اطمینان بخش ہے۔بلاشبہ ہماری یونیورسٹیوں کو چاہیے کہ ان ممالک

ملال آج تک ہے۔ چائے اور قہوہ کے بعد انہوں نے بڑی ہے حسرت اور محبت سے رخصت کیا اور دوبارہ پشاور آنے کی دعوت دی'' ۔3

پاکستان اور ہندوستان کے باہمی سیاسی رشتوں کی نزاکتیں جیسی بھی ہیں سب جانتے ہیں لیکن عام انسان کا حال بہ قول خواجہ اکرام الدین ''اب تک مجھے کوئی ایسا پاکستانی نہیں ملا جو ہندوستان آنے کی تمنا نہ رکھتا ہو یا کوئی ایسا ہندوستانی نہیں ملا جو پاکستان جانے کی خواہش نہ رکھتا ہو'' ۔۔۔تحریر میں ذرا ذرا سی افسانویت، مصوری اور فوٹوگرافی کا سرور دینے والے ان کے سفرناموں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ اکرام کے پاس چشم بینا کے ساتھ ساتھ مشاہدہ اور تجربہ بھی ہے اور تفریح و تفنن کے باہم بیدار ذہن اور کشادہ دلی بھی ہے۔ اسی کے ساتھ انسانی اور اخلاقی تصور کی وسعتیں بھی ہیں اور علمی ادبی اور فکری عناصر بھی سفرناموں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ اخلاقی حس عقل و تمیز اور افکار سے اثر پذیری کی ادائیگی کا ہنر بھی خواجہ اکرام کو آتا ہے۔ چند اقتباسات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ملاحظہ فرمایئے :۔

> ''ایران اور ہندوستان کے درمیان قدیم رشتے ہیں۔ ہندوستان نے ہمیشہ ایران کو دوست رکھا۔ ایران سے تہذیبی وثقافتی رشتے بہت مضبوط ہیں۔ کئی طرح کے نشیب وفراز کے بعد بھی دونوں ممالک آپس میں دوست ہیں اور جغرافیائی اعتبار سے بھی ان کا آپس میں مل کر رہنا زیادہ مناسب ہے۔ ایرانی ہندوستان سے بڑی انسیت رکھتے ہیں۔ ہر شخص ایک بار ضرور ہندوستان دیکھنے کی تمنا بھی رکھتا ہے۔ میں نے کئی لوگوں سے یہ دریافت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے تئیں انسیت کی وجہ کیا ہے؟ ۔۔۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں چونکہ ان کے آباء واجداد نے حکومت کی تھی اور ہندوستان سے خود ایران نے برسوں سے اقتصادی اور سماجی سطح پر استفادہ کیا ہے اور آج بھی ایران کے اقتصادی اور سماجی روابط ہندوستان سے ہیں۔ وہ ہندوستانی لوگوں سے خلوص سے ملتے ہیں ۔۔۔ایرانی تہذیب کو دیکھ کر اسی لئے اپنائیت محسوس ہوتی ہے کہ وہاں کی طرز زندگی اور خورد ونوش ہمارے لئے نئے نہیں لگتے، کیونکہ ہماری تہذیب میں ایرانی تہذیب کے عناصر موجود ہیں۔ ۔4

خواجہ اکرام اپنے سفرناموں میں وکی پیڈیا وغیرہ سے بھی معلومات فراہم کرواتے ہیں۔ جس سے تحریر میں علمی و معلوماتی فضا ہموار ہو جاتی ہے۔ ایران کے شہر پرسپولیس کی تاریخ کا مآخذ ''ارنا'' ہے۔ یعنی (مقام/https://ur.irna.ir/news/3645705) جیسی ویب سائٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس شہر کا تاریخی پس منظر ارنا سے لیا ہے جو بہت دلچسپ ہے :

> ''ایران کی ہخامنشی سلطنت کے حکمرانوں کا عظیم الشان دارالسلطنت تخت جمشید، جو صوبائی دارالحکومت شیراز سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ شاہی محلات کے کھنڈرات بھی قدیم فن تعمیر کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں یہاں سے متعدد قدیم پتھروں کے مجسمے،

روبرو کروتے ہیں کہ:

''پشاور میں یہ ضرب المثل بہت مشہور ہے کہ جب لوگ کسی کو خوش مذاقی میں بددعا دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''خدا تمہیں کسی پٹھان کا مہمان بنا دے''۔

پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عظمت حیات خان نے یہ بات بتائی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ:

''قبائلی علاقوں میں پہلے یہ دستور تھا کہ لوگ اکثر ایک دوسرے کے خلاف سخت جنگ بھی کر رہے ہوتے اور درمیان اگر کوئی مہمان آجاتا تو مہمان کی آمد کے اعلان کے ساتھ جنگ بندی شروع ہو جاتی اور دونوں فریق ملکر مہمان کی خاطر تواضع کرتے۔ اب یہ ہماری خوش بختی بھی تھی اور حیرانی کا سبب بھی کہ ہم لوگ پٹھان کے مہمان تھے''۔ 2

اس تحریر میں ذرا ذرا سا مزاحیہ انداز بھی جھلک رہا ہے اور تاریخ و تہذیب کی عجیب روایتوں کی معلومات بھی ہو رہی ہے۔ لیکن جب وائس چانسلر عظمت حیات خاں کی دعوت شروع ہوئی تو، مہمانوں کی جو حالت خواجہ صاحب نے اپنے شگفتہ اسلوب سے بیان کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے جس میں حظ و انبساط کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے:

''شاندار روایتی طرز کی کوٹھی، وسیع دالان اور درون خانہ باغ، جو مختلف طرح کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ گھر کے مین دروازے پر دستک دیتے ہی خادم دوڑے ہوئے آئے اور دروازہ بڑے احترام سے کھولا۔ روایتی انداز میں ہمارا استقبال ہوا۔ شام سہانی تھی اسی لیے ہمارے بیٹھنے کے لئے سلیقے سے میز کرسیاں لگائی گئیں تھیں''۔

ملاقتوں کا سلسلہ چلتا رہا، باتیں ہوئیں، اب مدارات کا سلسلہ شروع ہوا جسے شگفتہ انداز میں پیش کیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کا بیانیہ بھی ہے کہ احباب بھوک کی شدت سے بے حال تھے:

''خادم طشت پر کئی اقسام کے شربت لے کے آئے۔ ہم نے شربت سے خود کو تر و تازہ کیا۔ اتنے میں دسترخوان لپیٹ دیا گیا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی لیکن فوراً بعد دوسرا دسترخوان لگا اور اب کئی طرح کے تازہ پھل ہمارے لئے پیش کئے گئے۔ پھل واقعی میٹھے تھے اور ہمیں بھوک بھی لگی تھی اس لئے خوب سیر ہو کر ہم نے کھائے۔ خیر صاحب ہم لوگوں کو کسی نے وہاں کی روایت کے بارے میں نہیں بتایا تھا اس لئے لاعلمی میں اپنا پیٹ بھر چکے تھے۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ خادم کئی اقسام کے کباب دسترخوان پر سجا رہے تھے۔ خوشبو اس کے ذائقے کی گواہی دے رہی تھی۔ اور ہم نادانی کر چکے تھے۔ کھانے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ مگر صاحب جس اخلاص اور اصرار سے عظمت صاحب پیش آئے کہ کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑا۔ پہلی دفعہ ''چپلی کباب'' کا نام سنا۔ حیرت ہوئی کہ کباب کو چپل سے کیا نسبت لیکن جب اس کا سائز دیکھا تو اس کے نام کی مناسبت سمجھ میں آئی۔ مگر کبابوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کا

پروفیسر ثروت خان
ادے پور، راجستھان

خواجہ محمد اکرام الدین کے سفرناموں کی ادبی اہمیت وافادیت

جس تخلیقی اسلوب کو پڑھ کر قاری کے فضائے دماغی میں ذوق وشوق، جستجو وآرزو کی ایک لہر پیدا ہوجائے اوراسی کے ساتھ انسانی تہذیب وثقافت، سوانح، تنقید، تحقیق، علم ومعلومات، تاریخ معاشرت اور جغرافیہ وغیرہ سے آشنائی بھی ہوجائے تو ایسی تخلیق فنی طور پر سفرنامہ کہلاتی ہے۔

عہد حاضر میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کے سفرناموں میں یہ عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جو ''مشاہدات'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مشاہدات مختلف ممالک کے سفرناموں کا مجموعہ ہے۔ ہر سفرنامے کے آخری حصے میں تاریخ بھی درج ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے یہ کس دور کی باتیں کی جارہی ہیں۔ اس سفرنامے میں اردو کی بستیوں کا حال اور اردو زبان وادب کی موجودہ صورتحال سے آشنائی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان ممالک کی تہذیبی وثقافتی زندگی کا علم بھی ہوتا ہے۔ خواجہ اکرام نے اس سفرنامے میں اردو زبان وادب کی صورتحال کو مرکز میں رکھا ہے مگر ساتھ ہی رسوم ورواج کو بھی بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پشاور (پر پاکستان) میں منعقدہ کانفرنس کی روداد لکھتے ہوئے وہاں اعلیٰ تعلیم کی صورتحال کو پیش کر کے اہم معلومات بہم پہنچائی ہے۔ ''اعلیٰ تعلیم: رجحانات وامکانات'' کے موضوع پر پشاور میں سیمینار ہو رہا ہے اور خواجہ صاحب کی نظر کیا دیکھ رہی ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

> ''ہمارے غیر مسلم دوستوں کے لیے انتہائی حیرت کی بات تھی کہ کرتا پائجامہ اور ٹوپی پہنے لوگ انگریزی زبان میں ملٹی میڈیا پروجیکٹر کے ذریعے اپنا پیپر پیش کر رہے تھے۔ نقاب پوش خواتین نے بھی بہترین انگلش لب ولہجے میں اپنے اپنے پیپر پیش کئے۔ تب انہیں اس غلط فہمی کا اندازہ ہوا کہ پاکستان میں خواتین ان پڑھ نہیں جتنا کہ ان کے حوالے سے میڈیا میں خبریں آتی ہیں۔۔۔۔۔ جو خاصیت اس سیمینار کی تھی وہ یہ کہ اس میں شریک تمام طلبہ وطالبات اور اساتذہ بخوبی تمام حالات سے آگاہ تھے اور مستقبل کے امکانات پر گہری نظر تھی''۔ ۱

پٹھان قبائلی علاقوں کی ثقافت اور معاشرے سے منسلک کئی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس مثل سے قاری کو

اُردو ڈپلوما کورسز کی طرف خصوصی طور پر توجہ دی۔اس کے علاوہ اُردو شاعروں، قلمکاروں، صحافیوں اور دانشوروں کو این سی پی یو ایل سے جوڑا۔ وہ جدید ٹیکنالوجی کو بھی فروغ دینے اہم کارنامے انجام دیے۔

ملک اور بیرون ملک کے احباب نے ان کی خدمات پر کئی مضامین لکھے اور پاکستان کی تین یونیورسٹیوں میں ان پر تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں۔ جموں یونیورسٹی سے بھی ان کی خدمات پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جارہا ہے۔میں دل کی گہرائیوں سے اس خصوصی نمبر کی اشاعت کے لیے جناب دانش الہ آبادی کو مبارکباد دیتا ہوں اور خواجہ اکرام کے روشن مستقبل کے لیے دعائیں کرتا ہوں۔

ООО

ماہر لسانیات پروفیسر نصیر احمد خان کی زیر نگرانی ہوا۔ پی، ایچ، ڈی میں آپ کے مقالے کا موضوع ''اُنیسویں صدی کے تذکروں کا تنقیدی معیار'' طے پایا جس پر آپ نے 1996ء میں مربوط مقالہ تحریر کر کے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ماس میڈیا کے علاوہ آپ نے ٹرانسلیشن میں بھی Diploma حاصل کیا ہے۔ خواجہ اکرام ایک بہترین منتظم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اب تک آپ کی جو کتابیں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں ان میں ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ''، ''نوائے آزاد''، ''اُردو کی شعری اصناف''، ''دیوان شانی''، ''اردو میڈیا''، ''تعارف وتنقید''، ''اکیسویں صدی کا نسائی ادب''، ''اردو عربی فارسی میں رزمیہ ادب'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ خواجہ اکرام کے جو مضامین اب تک ملکی اور عالمی سطح کے اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں اُن عالمی امن کا ٹھیکیدار کون؟ اور کیوں؟، دہلی بم دھماکہ: سانحہ، خود ساختہ یا منصوبہ بند، پاک امریکہ تعلقات کی تلخ وترش حقیقتیں، ہندوستانی پارلیمنٹ، مسلم مسائل پر خاموش کیوں، دہشت گردوں کے نئے اہداف بچے بھی محفوظ نہیں، عالم اسلام کی خوشیاں اوران کے ناگفتہ بہ حالات، آزادی کی نصف صدی۔ ہندو پاک نے کیا پایا کیا کھویا، ڈالر اور ڈرون کا ڈرامہ ابھی جاری ہے، اکیسویں صدی، ہند۔چین تعلقات، انسانی حقوق کا سوال۔ مذاہب اور حکومتیں، ہندو پاک رشتے کھیل سے سیاست تک، اکیسویں صدی اور دہشت گردی کے مضمرات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے تقریباً ۲۵ تحقیقی نوعیت کے پرچے بھی ملکی اور غیر ملکی رسائل میں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ یہ تمام مقالات ومضامین کسی سرمائے سے کم نہیں ہیں۔

خواجہ اکرام کی اُردو خدمات کے تئیں انہیں بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری انجمنوں نے انہیں اعزازات اور انعامات سے بھی نوازا ہے۔ جس میں اردو نیٹ جاپان کا Excellency ایوارڈ، دہلی اُردو اکیڈمی کا بہترین کتاب کا ایوارڈ، ایم اے میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر دہلی، اُردو اکیڈمی کا ایوارڈ اور فخر الدین احمد کمیٹی لکھنو کی مالی معاونت کے علاوہ مضمون نگاری کا ایوارڈ بھی انہیں مل چکے ہیں۔ بہار اردو اکیڈمی، اتر پردیش اردو اکادمی اور دہلی اردو اکادمی سے تحقیق وتنقید ایوراڈ کے علاوہ جرمنی، ڈنمارک، مصر اور ترکی سے اعزازات مل چکے ہیں جو دراصل ان کی خدمات کا اعتراف ہیں۔

جیسے کہ میں پہلے ہی تحریر کر چکا ہوں کہ بحیثیت اُستاد خواجہ اکرام طلباء میں بہت مقبول ہیں۔ جے این یو (جواہر لال نہرو یونیورسٹی) میں اب تک تقریباً ۴۰ طلباء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے نگرانی کی جبکہ ان کی زیر نگرانی اب تک ۴۸ طالب علم ایم فل کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے ہی رہے تھے کہ حکومت ہند نے انہیں قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان کا ڈائریکٹر مقرر کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت ہند کا صحیح فیصلہ تھا کیوں کہ کونسل کو خواجہ اکرام جیسے متحرک شخص کی بے حد ضرورت تھی۔ اپنے وسیع تنظیمی صلاحیتوں کی وجہ سے خواجہ اکرام کونسل کو یقیناً ایک نیا معیار اور نئی بلندی عطا کی۔ ان کے پاس وہ ذہین ہے کہ جسے ہم Vision کہتے ہیں۔ اُردو کمپیوٹر کورس، آن لائین کورسز،

ذمے ہی ہوتے ہیں اوراس طرح اگر میں یہ کہوں کہ خواجہ اکرام ایک بہترین مہمان نواز بھی ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔
مجھے وہ دِن اچھی طرح یاد ہے جب مجھے ایک کام کے سلسلے میں دہلی جانا تھا۔ میں نے اپنے بڑے بڑے نام نہاد خیر خواہوں کو دہلی میں رہنے کے انتظام کے لئے درخواست کی لیکن سب کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے آخری لمحے خواجہ صاحب کو یہ اطلاع دی کہ شاید میں اس بار دہلی نہ آسکوں کیوں کہ رہنے کا کوئی انتظام نہیں ہو پا رہا ہے۔ خواجہ صاحب تھوڑے مسکرائے پھر بولے کہ میرے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ دہلی نہ آسکیں۔ چند لمحوں کے بعد اُن کا دوبارہ فون آیا کہ آپ آیئے انتظام جے این یو کے گیسٹ ہاؤس میں ہوگیا ہے۔ اس کے بعد میں متعدد دفعہ خواجہ اکرام کے طلباء کا زبانی امتحان لینے کے لیے جے این یو گیا۔ خواجہ کی طرح ان کے ریسرچ اسکالرز بھی نہایت ہی محنتی اور ملنسار ہیں ۔ گویا اپنے استاد کی سب اچھی خوبیوں کو انہوں نے اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔ ان طلباء کے تحریر کردہ مقالہ جات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وہ خواجہ اکرام کی طرح کام کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔

خواجہ اکرام نہایت ہی متحرک شخص ہیں وہ اُردو زبان وادب سے بے انتہا محبت کرتے ہیں اور اسے فروغ دینے کے بے حد متمنی ہیں۔ دُنیا کے اکثر ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں ۔ اُردو کی شمع کو غیر ممالک میں روشن رکھنے میں خواجہ ایک پل کا کام انجام دے رہے ہیں ۔ جرمنی ہو یا جاپان، کینڈا ہو یا پاکستان ، امریکہ ہو یا کوئی اور ملک ۔ خواجہ اُردو زبان کے فروغ کے لئے ہمیشہ کوشاں نظر آتے ہیں۔ مغربی ممالک کے اکثر طلباء خواجہ کی کوششوں کی وجہ سے اُردو زبان وادب کے اور زیادہ قریب آرہے ہیں ۔ خواجہ اکرام کا ایک بڑا کارنامہ وہ عالمی سیمینار ہے جو انہوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں منعقد کروایا اور جس میں دُنیا کے بڑے دانشوروں نے شرکت کرکے اپنے پرمغز مقالات پیش کیے ۔ سیمینار کا موضوع بھی بالکل نیا تھا یعنی ''سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت کی عکاسی'' اس کامیاب عالمی سیمینار میں پڑھے گئے پرمغز مقالات پر مبنی کتاب کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اُردو زبان وادب میں اپنے موضوع اور انفرادیت کی وجہ سے نہایت ہی اہم کتاب ہے۔ ملک کے مختلف ادبی جرائد میں خواجہ اکرام کے مضامین برابر شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ خواجہ اخبارات کے ذریعے بھی اُردو زبان وادب سے متعلق مختلف مسائل کو وقتاً فوقتاً اُبھارتے رہتے ہیں۔

خواجہ اکرام 1964ء میں صوبہ بہار کے گری ڈی ڈسٹرکٹ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی شروعات مدرسے سے ہوئی ۔ مدرسے کے بعد پٹنہ ہائی اسکول سے دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد پٹنہ یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن کے امتحانات بھی اچھے نمبرات میں پاس کیے۔ ایم اے کرنے کے لئے آپ نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی میں داخلہ لیا۔ 1990ء میں آپ نے ایم اے اُردو فرسٹ کلاس میں پاس کیا جبکہ 1992ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'' موضوع پر مقالہ تحریر کرکے ،ایم فل کی ڈگری حاصل کی ۔ اسی یونیورسٹی میں آپ کا رجسٹریشن پی ایچ ڈی کے لیے معروف

پروفیسر شہاب عنایت ملک
سابق صدر شعبۂ اردو، سابق ڈین، جموں یونیورسٹی، جموں کشمیر

خواجہ اکرام ایک دوست۔ایک ادیب

پروفیسر خواجہ اکرام (سابق ڈائریکٹراین ،سی، پی، یو،ایل (قومی کونسل برائے فروغ اُردوزبان) کا شمار میرے ان چند قریبی دوستوں میں ہوتا ہے جو دوستی کے متبرک رشتے کو بخوبی نبھانا جانتے ہیں اور اس رشتے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی دیواروں کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے ہنر سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ ہمارا دوستانہ تقریباً ۲۰ سال کے عرصے پر محیط ہے۔ ہمارے ان سے گھریلو تعلقات ہیں۔اس دوران ہم دونوں نے کئی ملکی، غیر ملکی سیمناروں میں متعدد بار حصہ لیا۔کہا جاتا ہے کہ کسی کو آزمانا ہو تو اس کے ساتھ سفر کرنا چاہیے کیونکہ میں کئی ایسے مراحل آتے ہیں جن سے انسان کی شناخت ہوتی ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام کے ساتھ کئی بیرونی ممالک کے اسفار ہوئے۔ ہر جگہ وہ ایک مخلص دوست، نیک انسان نظر آئے۔ میں نے بیرونی ممالک میں ان کی مقبولیت بھی دیکھی ہے اور اردو کے فروغ کے لیے ان کی کوششیں کا عینی شاہد ہوں۔ہم نے مشترکہ طور پر اس مشن کو آگے بڑھانے میں حتی المقدور کوششیں کی ہیں۔

جموں یونیورسٹی میں اردو کے حوالے سے میں نے بیشمار تقریبات کا اہتمام کیا۔ان تقریبات کے لیے اُنہیں جب بھی میں شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی میں مدعو کرتا ہوں وہ فوراً چلے آتے ہیں اور شعبہ اُردو کو اپنے نیک مشوروں سے نوازتے ہیں۔مخطوطات پر ریاست جموں و کشمیر میں پہلی دفعہ جو ورکشاپ شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی میں منعقد ہوئی اُس کے انعقاد میں خواجہ اکرام نے جو رول ادا کیا وہ قابل تعریف ہے۔اس سلسلے میں وہ خود جموں دو دفعہ تشریف لائے اور اپنی حلیمی، انکساری اور شرافت سے ورکشاپ کے شرکا کو اپنا گرویدہ بنا گئے۔اس کے علاوہ کئی بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد میں ان کو تعاون مجھے حاصل رہا۔جموں میں بھی ان کے مداحوں کی طویل فہرست ہے یہی وجہ ہے کہ ۲۰۱۲ میں جب آپ کا تقرر این سی پی یو ایل کے ڈائریکٹر کے طور پر ہوا تو شعبہ اُردو کے طلباء نے اُس دن خوب جشن منایا۔منٹو سیمینار، فیض سیمینار، تین روزہ اُردو اساتذہ کی کانفرنس میں شرکت کر کے اور اپنے پُر مغز مقالات پیش کر کے انہوں نے جموں کے سامعین سے بے حد داد وصول کی ہے۔ان کے پُر مغز مقالات شعبہ اُردو کے ششماہی مجلہ ''تسلسل'' میں شائع ہو کر قارئین سے بھی دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ میرا جب بھی دہلی جانا ہوتا ہے۔ایئر پورٹ سے لیکر دلی میں قیام کے دوران سارے انتظامات خواجہ اکرام کے

کہ ہر رکن اپنے بارے میں خود فیصلہ کر رہا ہے اور خواجہ صاحب اس کی مدد کر رہے ہیں۔ میر انیس خاطر احباب کے قائل تھے اور آبگینوں کو ٹھیس سے بچاتے تھے، ان کی کوشش شعوری تھی اور کبھی بھی لاشعور کی زد میں آسکتی تھی لیکن ہمارے خواجہ صاحب نے خیالِ خاطرِ احباب کو اپنے مزاجی خمیر میں گوندھ کر لاشعور کی جاگیر بنا دیا ہے۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ زمانے تین ہوتے ہیں، ماضی، حال اور مستقبل۔ ابھی جو ہیں، کل جو تھے اور کل جو ہوں گے یہ تینوں حالتیں زمانے کے حساس سے انسان میں اپنی معنویتیں پیدا کرتی ہیں۔ کوئی اپنی پروا نہیں کرتا ہے تو حال اس کا ابتر ہے، ماضی سے آنکھیں چار نہیں کرتا تو بے چارہ ہے اور آئندہ کی تصویر نہیں بناتا تو اندھا مصور ہے۔ خواجہ صاحب کا حال دیکھیے، ماشاء اللہ فقط پروفیسر ہی نہیں، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر ذمہ داریاں اٹھا چکے ہیں، اٹھا رہے ہیں اور اٹھانے کی لئے پُرعزم ہیں۔ ماضی کی روشنی میں دیکھیے ،تاریخ سے روشناس، کلاسکی زبانوں سے واقف، اردو کے قدیم اثاثوں سے بہرہ مند، فارسی زبان کے کلاسکی نسخوں کے مدون اور ہندستانی قدیم تہذیب وروایت کے شارح اور مروج۔ مستقبل کی نظر سے نگاہ کیجئے، عالمی برادری اور عالمی ادب سے روشناس، نئی ٹکنالوجی سے ہم آہنگ، جدید سائنسی تحقیقات سے باخبر، کمپیوٹر انٹرنیٹ کی دنیا میں عملی لیاقت سے سرفراز، کاغذ وقرطاس کی مانند ویب پیج پر بھی قادر، گلوبل ویلج کے تصور کے حامل، اکیسویں صدی کے لئے متفکر اور نئی نسل کے لئے نظریہ ساز یعنی تینوں زمانے ان کی متوازن شخصیت میں اپنے اپنے تناسب کے ساتھ شیر وشکر ہیں۔

ان کی قلمی کاوشیں تنقید، تحقیق، تدوین، ترتیب، ترجمہ، انتخاب، مکتوب، سفرنامے وغیرہ میدانوں میں اپنے نقوش ثبت کر چکی ہیں، ۲۸ کتابیں ان کے قلم سے عالم وجود میں آچکی ہیں اور یہ سفر ابھی جاری ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

خواجہ صاحب اُن خوش قسمت لوگوں میں ہیں جو اپنی زندگی میں تحقیق کا موضوع بن گئے ہیں، اپنی سرزمین اور اپنے ملک میں ان پر تحقیقی کام ہوتا تو کوئی بھی الزام تراش سکتا تھا لیکن جب دوسرے ممالک اور بیرونی دانش گاہوں میں کام ہو تو کون زبان کھول سکتا ہے۔

خواجہ صاحب سے میرا رشتہ اردو زبان وادب کے سبب قائم ہوا، مادری زبان وادب کی محبت اس میں گھلی ہوئی ہے، زبان وادب کی ترویج، فروغ اور اشاعت میرے اور ان کے درمیان ایک مشترک چیز ہے۔ انھوں نے ہمیشہ میری آواز پر لبیک کہا ہے اور میں نے بھی ہمنوائی میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

مبالغہ آرائی کے الزام کے خوف سے بڑے احتیاط سے قلم چلایا ہے، دل کو مارا ہے اور اختصار سے کام لیا ہے، ورنہ دل اور جذبہ تو اور بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ تعلقات کی نوعیت، ملاقاتوں کا حال، معاملات اور واقعات کی کہانیاں میں نے اس مختصر سے تاثراتی مضمون میں بیان نہیں کی ہیں۔ ان کا حال کبھی اور..... نیک تمنائیں۔

ООО

پروفیسر سید شفیق احمد اشرفی
سابق صدر شعبۂ اردو۔
خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونیورسٹی، لکھنؤ

خواجہ محمد اکرام الدین ایک متوازن شخصیت

قدرت کا عجب کرشمہ ہے کہ آنکھیں بغیر آئینے کے خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ شاید اس میں یہ اشارہ نہاں ہے کہ قریب ترین اور دل میں بسنے والی چیزیں خارجی نہیں باطنی آنکھوں کا تقاضا رکھتی ہیں۔ اگر یہ قربت اپنی معراج پر ہو تو ہر مادے سے پاک ہو کر حبل الورید اور شہ رگ سے قریب کے احاطے میں آجاتی ہے۔ خواجہ اکرام الدین صاحب ظاہر ہے قربت کے مادی پیکر میں ہیں، ان کا تصور اپنی تصویروں کے ساتھ میرے ذہن و دل کا ایک اثاثہ ہے۔

خواجہ صاحب ہندستان کی معروف دانش گاہ جواہر لعل نہرو کے سینٹر فار انڈین لینگویجز کے تحت اردو زبان و ادب کے تدریسی امور میں مشغول ہیں۔ دانشگاہی مدرسی کے تمام عہدے اور مناصب ان کے نام کی زینت بن چکے ہیں، بس ایک وائس چانسلری رہ گئی ہے، یہ مرحلہ سیاسی دخل رکھتا ہے، امید ہے کہ ان کی بلند اقبالی ایک دن اس کو بھی چھو لے گی۔ اس سے اوپر کے خواب نہ میں بُن سکتا ہوں اور نہ ان کی آنکھوں کو دکھا سکتا ہوں۔ اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ عطائے الٰہی پر ایمان کمزور ہے۔

یہ تو ہوئیں اپنے دوست پروفیسر خواجہ اکرام صاحب کے لئے نیک خواہشات، اب خواجہ صاحب کی ہر دل عزیزی پر کچھ عرض کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر خوشبودار پھولوں کے ہمراہ کانٹے ہوتے ہیں، یہ حقیقت گلشنوں تک محدود ہے، انسانی چمن زاروں کا یہ لازمی جز نہیں۔ مجھے رشک ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کیسے ہر دل میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور کیسے ان کے لغاتِ حیات میں دشمن تو دور مخالف قسم کے الفاظ بھی ندارد ہیں۔ آپ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہر دل عزیزی کے استحکام کی خاطر وہ اپنی شخصیت سے کسی قسم کا سمجھوتا کرتے ہوں گے، نہیں نہیں، ہرگز نہیں، بالکل نہیں۔ مجھے اس کرشمے کے پیچھے جو راز معلوم ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ انا ان کے اندر سر نہیں اٹھاتی، لچک ان کے یہاں صبر و ضبط سے ہر وقت معانقے میں رہتی ہے، انسانی اقدار کی پاسداری ان کی شریانوں میں لہو کے ساتھ ہر دم دم بھرتی ہے۔ ان اوصاف کے شانہ بہ شانہ ان کی منصف مزاجی بھی خوب ہے، عام طور پر فیصلہ کرنے والے سے کم از کم ایک رکن یا ایک خیمہ ناراض ہی ہو جاتا ہے، لیکن ان کے یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے

زمان ومکان اور تاریخ وجغرافیہ سے ہی کلچر وجود میں آتا ہے۔ اور کلچر سے ہی قومیں کلچرڈ ہوتی ہیں۔ سفر نامہ ان سب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

اکثر یہ ہوتا آیا ہے کہ سفر نامہ لکھنے والوں نے دیارِ غیر میں مہینوں برسوں قیام کر کے لمبے لمبے سفر نامے لکھے ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں خواجہ اکرام کے یہ سفر نامے چھوٹے محسوس کیے جاسکتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان میں تشنگی کا احساس بھی رہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بعض قانونی اور دفتری مجبوریوں کی وجہ سے خواجہ کا قیام اکثر مختصر سا ہی رہا اور قیام مختصر ہو تو سفر نامہ لکھنا ایک بڑا امتحان تو ہوتا ہی ہے۔ قلیل مدت میں طویل سفر نامے کس طرح لکھے جاسکتے ہیں۔ اس لیے ان میں ایک تعارف بھی ہوگا۔ ایک ایسی جھلک جو دجلہ کو قطرہ میں پیش کر سکے۔ یہی تو فن ہے شاعری کا اور سفر نامہ کا بھی جس سے خواجہ اکرام کامیابی سے گزر گئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے یہ سفر نامے قابلِ تحسین ہیں اور لائق مطالعہ بھی ہیں۔

چلتے چلتے ایک اور بات مطالعہ میں آئی ہے وہ یہ کہ اردو زبان وادب کا یہ لائق فرزند اور مخلص سفیر جہاں بھی سفر کرتا ہے، جس ملک میں جاتا ہے اپنی مادری زبان اور تہذیب و تجسیم، تعلیم و تدریس سے کبھی الگ نہیں ہوتا۔ اکثر ان کی نظریں اپنی مادری زبان اور تہذیب کو ہی تلاش کرتی ہیں نیز یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ترقی اور تیزی سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں اردو زبان کس ملک میں کہاں اور کیسے ہم آہنگ ہو کر اپنا نیا کینڈا تیار کر رہی ہے۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ قدیم اردو کو جدید ٹیکنالوجی سے رشتہ جوڑ کر جس قدر خواجہ اکرام نے دیکھا اور سمجھا ہے شاید کسی دیگر اردو والے نے نہیں، تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اس کے باوجود ان کی تحریر و تخلیق میں اور ان کی شخصیت میں مشرقی بو باس رچی بسی ہے جس سے ان کے سفر ناموں میں ایک عجب مانوس رنگ اور بے تکلف سا نکھار آ گیا ہے جسے بس محسوس ہی کیا جاسکتا ہے اور شعر و ادب تو محسوسات کا ہی ایک غیر شعوری عمل ہوتا ہے۔ ان سفر ناموں میں یہ اوصاف نظر آئے۔ جس کی بنیاد پر میں انھیں پڑھے جانے کی سفارش کرتا ہوں۔

میں اس کتاب کا، ان سفر ناموں کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان کا زاویۂ نگاہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

OOO

''مشاہدات'' کے عنوان سے جو کتاب پیش نظر ہے اس میں گیارہ سفر نامے شامل ہیں۔امریکہ، جاپان سے متعلق تو سفر نامے بہت ملتے ہیں اور اس کتاب میں بھی شامل ہیں لیکن مصر، ہرات، قسطنطنیہ، موریشس وغیرہ کے اسفار پر کم کم لکھا گیا ہے۔ چناچہ اس زاویے سے یہ سفرنامے متوجہ کرتے ہیں۔ان سفرناموں کی دو تین خوبیاں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔اول یہ کہ سارے اسفار محض سیاحت یا سیر و تفریح کا حصہ نہیں تھے بلکہ ایک خاص مقصد اور نظریہ کے تحت کیے گئے۔دوم یہ کہ خواجہ اکرام الدین چونکہ عام سیاح یا مسافر نہیں بلکہ پروفیسر، ادیب و دانشور ہیں اور سفر نامہ کے فکر و فن پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اس لیے ان کے تخلیقی عمل میں بے لگامی کم اور ثابت قدمی زیادہ ہے۔تیسرے یہ کہ ان سفرناموں کا اختصار و ایجاز اظہار کا پختہ و بالیدہ وسیلہ بن جاتا ہے۔''مشاہدات'' کے پیش لفظ میں وہ صاف طور پر کہتے ہیں:

> ''سفر ایک مشاہدہ ہے لیکن مشاہدہ کرنے والوں کا زاویہ نگاہ ہمیشہ جداگانہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ میرے سفرنامے بھی ایک خاص زاویہ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔ یہ سفرنامے بعض ممالک کی تہذیبی زندگی کو پیش کرتے ہیں تو کچھ سفرنامے دیارِ غیر میں اردو زبان و ادب کی ترویج و تدریس پر روشنی ڈالتے ہیں۔''

راقم الحروف نے بھی خواجہ اکرام الدین کے ساتھ کئی سفر کیے ہیں خاص طور پر موریشس کے دو سفر۔ میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ خواجہ پردیس میں گلی کوچے کی آوارگی و نظارگی سے زیادہ کتب خانے، ادارے، تاریخی عمارتیں وغیرہ دیکھنے اور سمجھنے میں زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ یہاں ان کی زاویہ نگاہ والی بات سچی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں وہ اپنے ہم عصر سفرنامہ لکھنے والوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔اس نقطۂ نظر سے ان کے سفرنامے قدمی سے زیادہ قلمی اور علمی زیادہ ہو جاتے ہیں۔تاہم وہ کچھ اس طرح ملے جلے انداز سے لکھتے ہیں کہ معیشت اور ثقافت باہم مدغم ہو کر ایک نئی وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔موریشس کے متعلق ان کی یہ تحریر ملاحظہ کیجئے:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ موریشس کا چھوٹا جزیرہ اپنی خوبصورتی میں بے نظیر ہے۔ ہر چہار جانب سے سمندر کے ساحل الگ الگ نظارے پیش کرتے ہیں۔ پانی کا رنگ بھی کہیں گہرا نیلا تو کہیں بالکل سبز، کہیں پتھریلے ساحلی کنارے ہیں تو کہیں ساحل پر ریت کی خوبصورت چادریں بچھی ہوئی ہیں۔موریشس میں گھنے جنگلات بھی ہیں لیکن خاص بات یہ ہے کہ یہاں سانپ، بچھو بالکل نہیں اور نہ کوئی درندہ جانور ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچاتے ہوں۔ یہاں کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔۔۔۔۔۔موریشس گنّے کی کاشت کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ گنے کی میٹھاس کی طرح یہاں کے لوگوں کے اخلاق میں بھی میٹھاس پائی جاتی ہے۔''

اسی طرح سے جب مصر، ہرات وغیرہ کا تعارف کراتے ہیں تو زمین کا کم زمان و مکان کا تعارف زیادہ ہوتا ہے۔زمین تو ساری دنیا کی ایک جیسی ہوتی ہے۔تہذیبی شناخت تو زمان و مکان سے ہی ہوا کرتی ہے۔کیونکہ یہی

یہ سب باتیں اپنی جگہ درست لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ سفر نامہ دائرۂ ادب میں کس طرح داخل ہوتا ہے۔یعنی اسے ادبی مرتبہ کس طرح دیا جائے اور صنفی طور پر ادب کے کس خانے میں رکھا جائے؟ ان سوالوں کے جوابات تفصیلی ہو سکتے ہیں اور بحث طلب بھی جس کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔بس دو جملوں میں یہ عرض کرنا ہے کہ جب کوئی تحریر و تخلیق انسانی تہذیب و ثقافت اور معاشرت وغیرہ کو تخلیقی اسلوب میں کچھ اس طرح پیش کرے کہ خارجی مشاہدات داخلی محسوسات کا بھی حصہ بنتا ہے اور چشمۂ ذات سے سرچشمۂ کائنات کو کچھ اس فکری و فطری انداز سے پیش کرے کہ ذات اور کائنات باہم شیر و شکر ہو جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر نامہ فلسفہ ہو جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلوب و منظر کے پس پردہ تاریخ، تہذیب، معاشرت، ثقافت کے جلوے اور نظارے ہوں اور ایک مخصوص و دلکش اسلوب کے ساتھ پیش کش ہو تو وہ بہر حال ایک ادبی روپ اختیار کر لیتا ہے۔ممتاز افسانہ نگار مرزا حامد بیگ نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''سیاحت کے اثرات اور تجربات اپنا انعام آپ ہیں۔اس لیے سفر ناموں کا بیان بھی منھ بسورنے اور آہ وزاری کا متحمل نہیں ہو سکتا۔تخلیقی سفر ناموں کی شگفتہ بیانی راضی بہ رضا ہونے کی علامت ہے۔''

پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے ایک جگہ معنی خیز بات لکھی ہے:

> ''انسان اپنی امنگوں، آرزوؤں اور کشاکشوں کا مطالعہ اپنی تہذیب و ثقافت میں ہی کرتا ہے اور وقت اور حالات کے تحت اپنا لائحۂ عمل تیار کرتا ہے اور پھر ایک جہانِ نو کی جانب قدم آگے بڑھاتا ہے۔اس لائحۂ عمل کے تیار کرنے اور جہانِ نو کی جانب قدم بڑھانے میں اس کی دور اندیشی کے لیے سیر و سیاحت شرط ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیاحت کا شوق اور نئی دنیاؤں کی سیر انسانی تہذیب کی ابتدا سے ہی اس کی فطرت کا ایک حصہ رہا ہے۔''

باتیں اور بھی ہو سکتی ہیں اور بحثیں بھی لیکن تازہ ترین صورت یہ ہے کہ اب ساری دنیا کے ادب میں سفر نامہ غیر افسانوی نثر (prose fictional Non) کی شکل میں اپنی اہمیت تسلیم کروا چکا ہے۔دنیا کے تمام زبان و ادب میں اس کا دلچسپ اور کرشماتی سرمایہ ہے جنہیں قارئین پورے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ایسا اس لیے کہ ان میں تجسس و تحیر، مشاہدات و تجربات کی ایک رومان انگیز اور نغمہ ریز اور چشم کشا اور حیرت زا دنیا آباد رہتی ہے اور یہی وہ بنیادی عناصر ہیں جس نے نہ صرف کائناتِ شاعری بلکہ کائناتِ انسانی کی تشکیل کی اور انسان کے تہذیبی ارتقا کی تاریخ مرتب کی۔یہی وجہ ہے کہ اب سفر نامے حدودِ قارئین سے نکل کر وجودِ ناقدین تک پہنچ چکے ہیں اور ان پر تحقیقی و تنقیدی کام انجام پا رہے ہیں۔اردو زبان و ادب میں بھی اچھے کام ہوئے ہیں۔خود خواجہ اکرام الدین کی مرتب کردہ کتاب ''اردو سفر ناموں میں ہندستانی تہذیب و ثقافت'' ایک اہم اور بڑا کام ہے۔جس میں مختلف زاویوں اور حوالوں سے سفر ناموں کی تاریخ کا تفصیلی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

پروفیسر علی احمد فاطمی
سابق صدر شعبۂ اردو، الہٰ آباد یونیورسٹی

دو باتیں

ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانا، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا محض سفر کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے مشاہدہ و تجربہ کی ایک دنیا سامنے آتی ہے اور اگر مسافر کے پاس چشمِ بینا ہے تو وہ قطرہ میں دجلہ دیکھ لیتا ہے، ذہن بیدار ہوتا ہے، کشادگی اور وسعت آتی ہے۔ غالب نے کہا تھا:

حسد سے دل اگر افسردہ ہے، گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

اقبال نے بھی کہا تھا:

سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز
سفر زندگی کے لیے سوز و ساز

یہ تو اشعار ہیں، اب اوراق الٹیے تاریخ کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ مکہ سے مدینہ کا سفر کیا اور تاریخ اسلام میں ہجرت اور وسعت کا ایک انسانی تصور پیش کیا۔ ناخدائے سخن میر تقی میر نے سفر کیا۔ آبروئے غزل غالب نے کلکتہ کا سفر کیا تو ترقی و تبدیلی دیکھ کر قلب ماہیئت ہوگئی۔ اقبال نے مشرق سے مغرب کا سفر کیا۔ مغرب کو دیکھ کر مشرق کا عرفان حاصل کیا۔ سرسید نے سفر کیا لندن گئے۔ اخبار دیکھا، تعلیمی نظام دیکھا واپس آکر ایک تحریک اور تاریخ رقم کر دی۔ عبدالحلیم شرر نے انگلستان کا سفر کیا تو انگریزی طرز پر ناول اور تاریخی ناول کے انبار لگا دیے۔ سجاد ظہیر نے سفر کیا۔ لندن و پیرس گئے واپس آکر زبان و ادب کی دنیا بدل دی۔ افریقہ میں گاندھی ریل کے ڈبے سے کیا نکالے گئے بعد میں گاندھی نے انگریزوں کو ہندستان سے نکال کر پھینک دیا۔ ابوالکلام آزاد نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''میں نے آدھا علم سفر سے حاصل کیا۔ مطالعہ کی تنہائیوں نے مجھے ذہنی بالیدگی بخشی لیکن سفر کے مشاہدوں نے میری نگاہ کو وسعت دی۔ جو لوگ سفر نہیں کرتے وہ بسم اللہ کے گنبد میں قید رہتے ہیں۔ سفر انسان کو قوموں کی سرگزشت اور ملکوں کی تاریخ کا بالواسطہ علم بخشتا ہے۔''

اسی لیے سفر کو وسیلۂ ظفر کہا گیا ہے اور کسی نے زندگی کا استعارہ بھی کہا ہے۔

درمیان ہوتے ہیں تو وہ ایک استاد کے پیرائے میں دکھائی دیتے ہیں، طلبا کے درمیان شفقتیں بکھیرنے کا انداز ہی مختلف ہوتا ہے۔ وہ جاپان میں ہوں کہ پاکستان میں، یورپ میں ہوں کہ امریکہ میں ہندستان اور اردو زبان و ادب کا حوالہ وہ کسی گفتگو اور کسی موقعے پر نہیں بھولتے۔ وہ صرف ان ممالک میں نہیں پہنچے جہاں کئی دہوں سے اردو زبان وادب کی تعلیم وتدریس کا نظام قایم ہے اور جہاں کے طلبا اور اردو اساتذہ، یہاں کی ادبی تقریبات میں شرکت کر چکے ہیں بلکہ ان ملکوں کا بھی انھوں نے ذکر کیا ہے جہاں اردو تعلیمات کا انتظام ہے لیکن برصغیر ہندو پاک کا اردو معاشرہ ان سے ناواقف ہے۔ خواجہ صاحب نے جاپان، ترکی، مصر، ایران، پاکستان، موریشس وغیرہ کے نظام تعلیم کا بہت باریکی سے مطالعہ ومشاہدہ کیا اور کچھ نتائج بھی اخذ کیے۔ اطمینان کی سانسیں بھی لیں، فخر وانبساط کے تجربے سے بھی گزرے۔ انھیں بخوبی احساس ہے کہ ہندستان میں کس طرح ایک دوررس منصوبے کے تحت اردو کو حاشیے میں دھکیل دیا گیا ہے۔ لیکن انھوں نے کہیں بھی اپنے زخموں کو کھلنے نہیں دیا کہ زخموں کے کھلنے کی آواز سماعتوں کے پردے چاک کر دیتی ہے۔ انھوں نے ان ممالک میں کسی دوسرے ملک کے تعلیمی نظام سے تقابل بھی نہیں کیا، کیونکہ تقابل سے ایک راہ درجہ بندی کی طرف بھی جاتی ہے۔ خواجہ صاحب کے مختصر ترین سازِ سفر میں ان کی صوفیانہ طبعیت اور دلِ دردمند تھا۔ ان کی وسیع المشربی بس یہ شعر ادا کرتی رہی:

زمیں کے اتنے سے ٹکڑے پہ اتنی دیواریں
کہ ایک شخص اِدھر سے اُدھر نہیں جاتا

○○○

ایک ڈائری لکھی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہر سفرنامہ نگار کا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے نہیں نکلتا، اس کا مقصد اس کے ہر سنگ میل پر مہمیز کرتا اور پھر جہاں اتنے بہت سے مشعل بردار مل جائیں جنھیں دیکھ کر بے ساختہ آتش کا یہ شعر آجائے کہ:

سفر ہے شرط ، مسافر نواز بہترے
ہزرہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

تو یہی تجربہ قمر رئیس کا تھا اور یہی خواجہ اکرام کا، میں نے دیکھا کہ وقت بھی کیا کیا صورتیں دکھاتا ہے۔ قمر رئیس کا حلقۂ یاراں بدل گیا۔ ان وقتوں کے دو ایک اساتذہ کے علاوہ ایک نئی بستی آباد ہوگئی۔ نئی نسل ہی مشعل بردار بھی تھی۔ لیکن مسافر نوازی میں شمہ برابر کمی نہیں آئی۔ قمر رئیس سویت یونین مرحوم سے تقابل کرتے رہے۔ بین السطور میں کہیں تاسف کی رمق بھی محسوس کی جاسکتی ہے اور کہیں اس نئے منظرنامے میں حوصلوں کی آبیاری دیکھ کر ان کے اسلوب میں بھی چٹک سی آجاتی ہے۔ خواجہ اکرام کے لیے تقابل سے زیادہ حالِ موجود کی اہمیت تھی۔ ان کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے ہے، لیکن یہ سرزمین تو مختلف مسالک کا مرکز ہی نہیں ہیں۔ محدثوں، فقیہوں، ولی اولیاؤں اور مبلغین اسلام سے نور آگیں بھی ہیں۔ خواجہ صاحب ہر جگہ اس نور سے سیراب ہوتے رہے، اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہے، اپنی برسوں کی پیاس کو بجھاتے رہے۔ جس مزار پر پہنچتے پھر وہ پہلے سے خواجہ نہیں رہتے، جیسے اپنے آپ کے لیے اجنبی بن گئے ہوں۔ وہ پھر اپنے شعور کی طرف لوٹتے اور ان اکابرین کی تاریخ کے اوراق پلٹنے لگتے جن سے اردو کا قاری بڑی حد تک ناواقف ہے۔ بہت کم کو یہ علم ہے کہ سمرقند و بخارا اور ان کے گردو پیش کے مقامات کتنے عظیم و فقید المثال ہستیوں سے آباد ہیں اور جن سے یہاں کی مٹی بھی چمکیلی اور خوشبودار ہوگئی ہے۔ خواجہ اکرام نے ان بزرگان دین کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے ان کے مرتبے اور عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ اہل اسلام ان سے کس قدر لاعلم ہیں۔

خواجہ صاحب کو اپنی گفتگو کو قرات نواز بنانا بھی خوب آتا ہے۔ وہ جب کسی خانقاہ یا مسجد یا مزار پر ہوتے ہیں تو ان میں ایک والہانہ پن عود کرآتا ہے۔ ماحول اور فضا کی پاکیزگی اور سرّیت کو لفظوں میں کسب کرنے کے دوران روحانی یگانگت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ فطرت کے مظاہر سے لطف اندوزی کے دوران وہ مصور بن جاتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ رنگوں کو چھو رہے ہیں اور خشبوؤں کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ خوبصورتی محض فطرت تک ہی محدود نہیں ہے وہ ان رہائش گاہوں میں بھی دیکھتے ہیں جہاں آمدنی کے ذرائع محدود ہیں مگر خوش سلیقگی، مہمان نوازی اور سجع کاری کا کلچر من وعن برقرار ہے۔ یہ اسلوب ان مواقع پر قائم نہیں رہتا جہاں وہ اپنے قاری کو چشم تصور سے دیکھنے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ایسے لمحوں میں ڈرامائی تکنیک بہت کام آتی ہے۔ دعوتوں کا اہتمام ہو کہ شادی بیاہ کی رسمیں، ہم انھیں پڑھتے ہی نہیں دیکھتے بھی جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب سلسلہ گفتگو میں ارتکاز کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ان کا ذہن بہت مرتب ہے۔ چیزوں کو بکھرنے نہیں دیتا۔ جب وہ اساتذہ کے

عرب گوریلا مجاہدین کی مسلح جدوجہد میں ساتھ بھی دیا جوترکوں کے خلاف نبردآزما تھے۔ ڈوٹی کا یہ سفرنامہ فراموش گاری کی دُھند میں اَٹا رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ٹی۔ ای۔ لارنس نے جب اپنے تعارفی نوٹ کے ساتھ اسے شائع کیا تب دنیا کو یہ پتہ چلا کہ یہ سفرنامہ ریگستانی قبائلی زندگی کے علم ومعلومات کا ایک نادر مخزن ہے اور ڈوٹی کا ادبی طرز اظہار منفرد ترین ہے۔ لارنس نے ڈوٹی کے اسلوب کو نہ صرف ممتاز بتایا ہے بلکہ اس کی پیروی بھی مشکل ہے۔ غالباً اسی باعث عرصۂ دراز تک اس کی طرف توجہ مبذول نہیں ہوئی۔

ہمارے دور میں جو سفرنامے لکھے گئے ہیں، ان میں محض وہ سفرنامے میری دلچسپی کا موضوع ہیں۔ جن کا رُخ ان قدیم علاقوں سے ہے جو اپنی ایک مخصوص تاریخ وتہذیب کی شناخت رکھتے ہیں۔ موجودہ سائنس وتکنالوجی کی ترقیات اور رسل ورسائل میں تیز رفتاری کے ساتھ جو آسانیاں پیدا ہوئی ہیں، اس کے اثرات سے تو یہ محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن باقیات کی شکل میں عبادت گاہیں، خانقاہیں، مقابر ومحلات، رسومات، آداب زندگی، اخلاقی اور جذباتی نظام اقدار وعادات کا شمار بھی آثارِ قدیمہ کے طور پر کرنا چاہیے۔ یہ لوگ آج بھی مغرب سے بہت کچھ اخذ کرنے کے باوجود مشرق کی ان روایتوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں جن سے ان کی شناخت قائم ہے۔

پروفیسر خواجہ اکرام الدین کے سفرناموں میں میری دلچسپی کا سامان اسی لیے وافر ہے کہ ان کی سیاحت کا رُخ مشرق وسطیٰ، وسط ایشیا اور ایران ومصر کی طرف بھی رہا ہے۔ ان کی ایک حیثیت اردو ادب کے استاد کی ہے اور دوسری ایک تشنہ کام طالب علم کی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہر سیاحت اپنا ایک واضح مقصد رکھتی ہے۔ یہ غالب کا دور تو ہے نہیں کہ دہلی سے کلکتہ سات سمندر پار کے سفر سے کم نہیں تھا۔ خچر، گھوڑا، گدھا، کشتی جو مل گیا اسی پر قناعت کرنی پڑی۔ کیا گرمی کیا سردی، کیا بارش، کیا آندھی طوفان 'لاد چلا جب بنجارہ'۔ محمد حسین آزاد نے ایران میں جو صعوبتیں اٹھائیں وہ بھی کم افسانوی نہیں۔ ہمارا آج کا سیاح بڑا خوش قسمت ہے کہ اسے 'رُکاوٹ کے لیے کہیں کھید' جیسے لفظ سے سابقہ نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں جاتا ہے، وہاں کی زمین اس کے لیے پہلے سے آنکھیں بچھائے رہتی ہے اور پھر محبت کرنے والے اتنے مل جاتے ہیں کہ اپنا دامن ہی تنگ پڑ جاتا ہے۔ یہ ہے مشرق۔ عزیزی خواجہ اکرام جس کے مشتاق ہیں۔ میں نے اس سے قبل یہ اشارہ کیا تھا کہ وہ اردو زبان وادب کے استاد ہیں۔ تنقید بھی ان کا میدان ہے اور بالخصوص جدید تر ذرائع ابلاغ اور انفرموتکنالوجی ان کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس میدان میں اردو میں آتھیرٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کئی مضامین اور کتابوں کے مؤلف ومصنف ہیں۔ اردو کو انٹرنیٹ سے جوڑنے کی جو کوششیں عمل آور ہیں خواجہ اکرام اس میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کے سفرنامے محض تہذیبی مقصد سے عبارت نہیں ہیں، اردو کا کاز بھی اس میں مضمر ہے۔ میں اسی لیے انھیں 'اردو کا سفیر' کہتا ہوں۔

خواجہ اکرام کی ذہنی وجذباتی آسودگی کا سامان جو حافظ وسعدی اور امام بخاری کے ملک میں، مصر وہرات میں ملا، اس کی گنجائش یورپ، امریکہ اور جاپان میں کہاں۔ ازبکستان میں قیام کے دوران قمر رئیس مرحوم نے بھی

پروفیسر عتیق اللہ
سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

زمیں کے اتنے سے ٹکڑے پہ۔۔۔۔

اردو میں سفر نامہ نگاری کا شمار میں ان مظلوم اصناف میں کرتا ہوں، جنہیں ہماری ادبی تواریخ حاشیے میں بھی شمار نہیں کرتیں۔ سفر نامہ اپنی ہیئتی ترکیب میں مخلوط صنف کلام ہے۔ وہ ایک ایسی بیانیہ صنف ہے جس میں تاریخ، جغرافیہ، تہذیب، سوانح، تنقید، تحقیق، علم و معلومات، شخصی تجربات و تاثرات، افسانویت، مصوری، فوٹو گرافی، مشاہدات چشم تصور سے دکھانے کا عمل اور سفر نامہ نگار کا اپنا اسلوب اور آئیڈیالوجی میں سے کوئی بھی زاویہ اور پہلو ممنوعہ فہرست میں شامل نہیں ہے۔ حتی کہ جن اسفار کو روحانی سیاحت کا نام دیا جاتا ہے جیسے ابوالعلاء معرّی کی ''رسالۃ الغفران'' دانتے کی 'ڈیوائن کامیڈی' یا اقبال کی 'جاوید نامہ'۔ ان کی بنیادیں بھی آئیڈیالوجی پر استوار ہیں۔ بعض اہم ترین سفر نامے جتنے تحقیقی ہیں اتنے ہی مہماتی اور خطرات سے معمور ہیں۔ کمبل پوش سے مستنصر حسین تارڑ تک جو سفر نامے لکھے گئے ان میں لکھنے والے کے نقطہ نظر اور مقصد کے علاوہ اس کے طریق اظہار اور مشاہدات و تجربات کو ادبی سطح پر یکجا کرنے کے عمل میں افتراق ایک مشترک قدر ہے۔ اسی لیے ان میں تنوع بھی ہے۔ مغرب میں بعض سفر نامے محض تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ یہ سفر نامے اُن زمانوں کے ہیں جب رسل و رسائل کے ذرائع مشکل تر تھے۔ سفر کیا تھے مہمات سر کرنی تھیں۔ ہر ملک و قوم کی تہذیب، زبان، مذہب، رسومات وغیرہ اتنے نامانوس اور خوابناک تھے جیسے وہ کوئی سیارہ ہو اور اس کی مخلوق Alien ہو۔ زبانی روایتیں اور مفروضے ایک جگہ سے دوسری جگہ گشت کرتے رہتے تھے۔ انہیں یہ سراغ بھی ملتا ہے کہ کس دیس کی طرف کوچ کرنا چاہیے اور کیوں؟ فاہیان، میگستھنیز، البیرونی، شیخ ابن بطوطہ وغیرہ کے سفر نامے اسی لیے جادو نگریوں کے سفر نامے ہیں اور اُن زمانوں کے ہیں جب اِن مسافران کا اول و آخر مقصد اپنے تھیلوں کو ہیرے جواہرات سے بھر کر لے جانا نہیں تھا۔ نئی کائناتوں کی دریافت اور تحصیل علم و معلومات کی تڑپ ہی ان کی مہمیز تھی۔

یوں تو ایک ساتھ بہت سے سفر نامے یاد آ گئے لیکن ایک ایسے سفر نامے کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جس سے اردو کا قاری ناواقف ہے۔ یہ سفر نامہ چارلس مانٹیگ ڈوٹی (Charls MontagueDouhty (1843-1926) نے Deserts Traders in Arabian کے عنوان سے 1888 میں لکھا تھا۔ ڈوٹی خطروں کا کھلاڑی تھا اس نے 1875 تا 1877 عرب ریگستانوں کے سخت کوش روز و شب گزارے۔ اس نے ان

جدید ذہن نئے انقلاب لاتے ہیں
وہی تو چڑیوں کو شاہین سے لڑاتے ہیں

فروغ اردو زباں پر یہ جاں لٹاتے ہیں
نئی صدی کی نئی لئے پہ گیت گاتے ہیں

○○○

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کے نام

خان مقیم، اورنگ آباد

(2014 اورنگ آباد کتاب میلے میں رسالہ ''بچوں کی دنیا'' کے حوالے سے یہ نظم پڑھی گئی۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اس رسالے کے بانی مدیر رہے ہیں)

یہی تو خضر ہیں بچو تمہاری دنیا کے

نئی صدی کا اے بچو! نیا دماغ ہیں یہ
اب ان سے ملیے اللہ دین کا چراغ ہیں یہ

تمہاری فکر کو آواز دینے آئے ہیں
طویل خواب سے تم کو جگانے آئے ہیں

نئی صدی کی کہانی سنانے آئے ہیں
یہ زندگی کی کہانی سنانے آئے ہیں

نہ دیوزاد نہ پریاں نہ بوڑھی نانی ہے
نہ ان کی جھولی میں خرگوش کی کہانی ہے

وہ کہہ رہے ہیں یہ تک نِک کا دور ہے بچو!
مزاج دہر سنو، آج اور ہے بچو!

عزم رکھتے ہیں کہ صحرا کو بنادیں گلستاں
بر کفِ میخوار ہو، جامِ سرورِ جاوداں
خواب کچھ پورے ہوئے ہیں باقی ہوں گے جلد ہی
اہلِ گلشن، فصلِ گل سے ہوں گے لطف اندوز بھی
بے نیازِ رنگ و بو وجلوۂ بالائے بام
ہم پہ واجب ہے کریں اُس خواجگی کا احترام

ماخوذ از: دیدہ وران بہار۔شائع شدہ ۲۰۱۴

OOO

حسبِ سابق ان کا حصّہ فرسٹ کلاس اس میں رہا
مسئلہ اک اور بھی ڈی۔ یو سے ان کا حل ہوا
ماس اردو ترجمہ میں پی۔ جی ڈپلوما کیا
علم افزا آپ دس رکھتے ہیں تصنیفات بھی
شارحِ انوار ہیں جو، دافعِ ظلمات بھی
اپنی دانائی سے ذرّوں کو ہیں گوہر کر گئے
بیش قیمت علمی دولت سے ہیں دامن بھر گئے
آنے والی چند تصنیفیں ہیں ان کی اور بھی
کاٹتے رہتے ہیں فصلیں، یہ وفورِ شوق کی
اردو ٹیکنیکی وسائل اور امکانات ہی
امتیاز اک کشورِ دانش میں اِن کو دے گئی
ایسا کچھ دکھلایا اس میں اجتہادانہ مقام
اردو میں موبائل پر محبوب کو بھیجیں پیام
رکھتے اپنی قوتِ ایمان سے روشن جبیں
''آتی ہے اللہ کے شیروں کو روباہی نہیں''
اپنی خوبی کی بنا پر پا گئے ایسا مقام
ہیں کتابِ زندگی میں ایک نقشِ ذوالکرام
علمی، تحقیقی، مقالے ملک میں تو ہیں چھپے
عالمی، علمی جریدوں میں جگہ پاتے رہے
ہیں معزّز مختلف اعزاز و انعامات سے
وَتُعِزُّ من تَشاء کے آپ مظہر بن گئے
آبروئے ذات کا ہر حال میں رکھتے خیال
اپنی خودداری کا ان کو کب گوارا ہے زوال
طے فروغِ اردو کی ہیں ایسی منزل کر گئے
موج سے دریا کی پیدا جیسے ساحل کر گئے
سر میں سودائے فروغِ اردو ہیں ہر دم لئے
خواجۂ اکرام کا یہ وصف ہیں سب جانتے

مستند شد خواجلگیش ہم زخدماتِ عظیم
گو نہ دارد خرقہ و دستار بر دوشے گلیم
چشمِ بینا، قلبِ روشن ہے متاعِ معتبر
اس یقیں سے خوب ہی اکرامِ دیں ہیں باخبر
وہ فروغِ علم کو بھی ہیں عبادت جانتے
کر گئے ہیں وقف اپنی زندگی اس کے لئے
دولتِ دانش لُٹا کر ان کو ہوتی ہے خوشی
کرتے ہیں اقرار اس کا آپ کے شاگرد بھی
این سی پی یو ایل میں کوئی آتے ہیں جو کام سے
بارِ خاطر وہ کبھی بنتے نہیں ان کے لئے
دیکھی وہ تہذیب اور شائستگی وقتِ کلام
جیسے گلشن میں صبا ہو صبح دم محوِ خرام
ہیں رفیقِ کار بھی مدّاح ان کے بے گماں
آپ کی طبعی شرافت کے ہیں سارے قدرداں
ایم۔اے۔اردو فارسی فضلِ خدا سے جب ہوئے
پیشۂ تدریس کو ترجیح بخشی آپ نے
بارہ خوش بختوں کو آئی کام اِن کی رہبری
یعنی پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ان سبھوں کو مل گئی
بیس ایم۔فل۔ان کی نگرانی میں ہیں اب تک ہوئے
درس، جہدِ للبقا کا لے کے یہ سارے چلے
بات کرتے ہیں سبک لہجے میں ایسی دلنشیں
بھول جائے جس ادا پر اپنے شکوے نازنیں
جامعہ پٹنہ سے اردو میں کیا آنرز بھی
فرسٹ کلاس ان کا رہا، وہ تھی چھیاسی عیسوی
عیسوی انیس سو نو ے ہی کا وہ سال تھا
ایم۔اے۔اردو لنگویج میں فرسٹ کلاس ان کو ملا
ماس مڈیا میں بھی جے۔این۔یو سے ڈپلوما کیا

پروفیسر عبدالمنان طرزی
دربھنگہ، بہار

منظوم کوائف خواجہ اکرام

خواجۂ اکرامِ دیں ہے نام نامی آپ کا
جن کا امرِ دیں کی ہے پابندیوں سے واسطہ
آپ کے والد تھے شمس الدیں سہروردی جناب
جس نگاہِ حق رسا سے یہ ہوئے کچھ فیضیاب
عیسوی چوسٹھ، دسمبر ماہ، دن پچّیسواں
ان کی تاریخِ ولادت مانئے بھی بے گماں
جائے پیدائش گریڈیہہ آپ ان کی مانئے
اور جو کچھ ہے کتابِ زندگی میں جانئے
اس کو بھی فضلِ خدائے پاک میں کیجیے شمار
رشتہ بندوں کا اگر ہے اپنے رب سے اُستوار
تھا سوائے علم ودانش، آگہی کے اور کیا
جس نے انساں کو ملائک سے بھی افضل کر دیا
عَلّمَ الآدم سے ہوتا آشکارا کچھ یہی
بر بنائے علم آدم نے فضیلت پائی بھی
ہے اگر انساں کوئی جو صالحیّت آشنا
وہ محافظ ہے یقیناً غایتِ تخلیق کا
بگزار دز ندگی اکرام باطورِ چنیں
بر کفے دنیا بدارد، بر کفے اعمالِ دیں
سر، فروغِ علم کا سہرا بندھا اکرام کے
زندگی کی کامرانی کے ہیں در اُن پر کھلے

رہے ہیں۔فکر خواجہ نے چپکے سے کہا۔ کچھ کام لیتے جائیں جدھر جا رہے ہیں۔مسکرانا پنج وقتہ،قہقہہ جمعہ کی نماز کے مانند۔خالی باتیں، یار باشی،سودا اور بیاض کے مانند۔ ہوئی ہوں گی صحبت شہاب میں گلفام کی باتیں۔ہم نے تو سنی ہیں بس کام کی باتیں۔ کچھ کام لئے دین کا اک رکن بیٹھا ہے۔لیاقت سے لبریز ایک ابھی اک فرد اٹھا ہے۔کوئی حسنین کر رہا کسی امتیاز کی باتیں۔کسی خاکی نے چھیڑ دی شہباز کی باتیں۔مہوشوں میں بھی علم کی اک جوت جگا رکھی ہے۔ثنا اللہ کی جو کرے ایسی اک ٹیم بنا رکھی ہے۔

حقدار ہر گلشنِ توقیر ہیں خواجہ۔وقت جلال ہو تو نعرۂ تکبیر ہیں خواجہ۔ ہر دشمنِ اردو کے لئے اک تیر ہیں خواجہ۔ بزم میں گل تو رزم میں شمشیر ہیں خواجہ۔ بزم ادب میں اک نعرۂ دل گیر ہیں خواجہ۔اردو کے عالمی سفیر ہیں خواجہ۔محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے۔ اپنے ہاتھوں میں اردو کا لئے جام پھرے۔کوہ میں، دشت میں امن کا لئے پیغام پھرے۔ملکوں ملکوں بس یہی خواجہ اکرام پھرے۔کون کہہ سکتا ہے کبھی ناکام پھرے۔

یہیں موجود تھے کتنے استاد بھی، استانی بھی۔سراپا نور بھی تھے،اور نورانی بھی۔اسی معمورے میں آباد تھے کچھ حکیم خاندانی بھی۔ کتنے سلطان اردو بھی تھے،اوران کی سلطانی بھی۔نام پہ اردو کے آواز اٹھائی کس نے؟ بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟ دشمنان اردو کے لئے کون تلوار بے نیام تھا بھائی؟ وہ اک نوجوان خواجہ اکرام تھا بھائی۔طبیعتِ خلوت پسند کی قسمت میں بزم لکھی تھی۔سنا ہے نجمہ کے لئے اک نظم لکھی تھی۔مگر اس نظم کو محفل سے بچا کر رکھا۔ جو دل کی بات تھی، وہ دل میں چھپا کر رکھا۔سات جنموں کے سفر کو تقدس کے اک سائبان میں رکھا۔ رشتوں کو محبت کے مرتبان میں رکھا۔مقدس رشتوں کے طفیل خدا نے کچھ نشانی دے دی۔شادان و ثنا و سارہ جیسی دولت لاثانی دے دی۔ نجمہ و اکرام کے لخت جگر کو خدا آباد رکھے۔ نجمہ و اکرام کے نور نظر کو خدا آباد رکھے۔ باغ نجمہ کے ثمر ہیں سارہ و ثنا۔باغ نجمہ کے ثمر کو خدا آباد رکھے۔(آمین)

○○○

اِدھر سے آئے، اُدھر جا رہے ہیں۔ پوچھا تو حید خاں نے کدھر جا رہے ہیں۔فکر خواجہ نے چپکے سے کہا۔ کچھ کام لیتے جائیں جدھر جا رہے ہیں۔ مسکرانا پنج وقتہ، قہقہہ جمعہ کی نماز کے مانند۔خالی باتیں، یار باشی، سود اور بیاض کے مانند۔ ہوئی ہوں گی صحبت شہاب میں گلفام کی باتیں۔ ہم نے تو سنی ہیں بس کام کی باتیں۔ کچھ کام لئے دین کا اک رکن بیٹھا ہے۔ لیاقت سے لبریز ابھی اک فرد اٹھا ہے۔ کوئی حسنین کر رہا کسی امتیاز کی باتیں۔ کسی خاکی نے چھیڑ دی شہباز کی باتیں۔ مہوشوں میں بھی علم کی اک جوت جگا رکھی ہے۔ ثنا اللہ کی جو کرے ایسی اک ٹیم بنا رکھی ہے۔

بزم یاراں میں دلدار کی باتیں۔ ہمیں بھی یاد ہیں وہ توحید و ابرار کی باتیں۔ شکیل خاں اور جرأت اظہار کی باتیں۔ کبھی مظہر و انوار کی باتیں۔ بزم میں احسن طرحدار کی باتیں۔ سب مل کے کرتے ہیں حنان پُراسرار کی باتیں۔ شمس اقبال جیسے یار بے نظیر کی باتیں۔ ایوانِ بالا میں بیٹھے کسی نصیر کی باتیں۔ جو سید بھی ہو، اشرف بھی ہو، ایسے شفیق کی باتیں۔ ہیں شہر آرزو میں اک رفیق کی باتیں۔ جو ملک ہو، اس شہاب کی عنایات کی باتیں۔ کچھ شبِ تنہائی میں نغمات کی باتیں۔ محبت میں نہ منطق، نہ دلیل کی باتیں۔ زباں پہ لاتے نہیں کسی ذلیل کی باتیں۔ عزیز ہیں بہت اک وکیل کی باتیں۔ دل کو بھاتی ہیں رضوان و خلیل کی باتیں۔ عزیزانِ گرامی کو دل سے یاد کب نہیں کرتے۔ ہاں، مگر کسی کی یاد میں اختر شماری اب نہیں کرتے۔

ماہ طلعت ہیں، ماہ تمام ہیں یہ بھی۔ یاران نکتہ داں کے لئے اک پیام ہیں یہ بھی۔ جو سمجھتے ہیں کہ فقط گلفام ہیں یہ بھی۔ انھیں خبر ہو کہ تلوار بے نیام ہیں یہ بھی۔ کہا توحید خاں نے، ''خواجہ اکرام ہیں یہ بھی''۔ یوں تو بہت سہل ہیں، بہت عام ہیں۔ ہر تشنہ لب کے لئے چھلکتا جام ہیں۔ صلح کل اور امن کا پیغام ہیں۔ لیکن رہے یہ یاد کہ خواجہ اکرام ہیں۔ مہجری ادب کو قریب لے آئے۔ غضنفر کی زبانی بابائے زوم کہلائے۔ دنیا بھر کے ادیبوں کو اک مقام پر لائے۔ ایک ایک آذر کو اصنام تک لائے۔

قہقہہ کم لگاتے ہیں مگر تصویر الم بن کے نہیں رہتے۔ ہر کسی کے دل کے مندر میں صنم بن کے نہیں رہتے۔ اکثر کچھ اپنی پسند خاص رکھتے ہیں۔ کچھ ہنر والوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اکثر کھلا رکھتے ہیں دل کے دروازے۔ جسے ہو ذوق ادھر صدا دے۔ نادان سمجھتے ہیں، اکہرے ہیں خواجہ اکرام۔ جی نہیں، بہت گہرے ہیں خواجہ اکرام۔ ہر کسی پہ وا دل کا حال نہیں کرتے۔ ہر ایرے غیرے سے سوال نہیں کرتے۔ ناشاد بہت کم ہیں، شاد ہیں نہ جانے کتنے۔ دل کی دنیا میں آباد ہیں، نہ جانے کتنے۔ کبھی لگتا ہے کہ ہیں بہت دور کے مسافر۔ کبھی یوں بیٹھے ہیں کہ قربان ہر صابر و شاکر۔ کسی فکر میں رہتے ہیں، سفر ہو کہ حضر ہو۔ کچھ کرنا ہے، جنگل ہو کہ گھر ہو۔ کوئی ساعت نہیں جو راحت میں بسر ہو۔ فکر ملت میں شب ہو تو فکر اردو میں سحر ہو۔

کچھ عاشقان خواجہ انھیں مہاتما کہتے ہیں۔ ویسے کہنے والے بے چین آتما کہتے ہیں۔ نہ جانے کس ادھیڑ بُن میں رہتے ہیں۔ ہر گھڑی اک دُھن میں رہتے ہیں۔ نظر صاف ہے، لگن کے سچے ہیں۔ رنگ پکا ہے، دُھن کے پکے ہیں۔ کہاں، کب، کسے، کیسے فیض پہنچائیں۔ اِدھر سے آئے، اُدھر جا رہے ہیں۔ پوچھا توحید خاں نے کدھر جا

ڈاکٹر شفیع ایوب

قلمی چہرہ پروفیسر خواجہ اکرام

جو لٹاتا ہو سدا محبت کا جام، جو سناتا ہو فقط انسانیت کا پیام، اس شخص کا نام؟ لکھ دیجئے خواجہ اکرام۔ خیالات تازہ ترین۔ بُردبار، سنجیدہ و متین۔ سلیم الطبع و ذہین۔ آپ ہیں خواجہ اکرام الدین۔ گفتگو میں فکرانگیزی، چال میں قیامت کی تیزی، ذرا نکلتا ہوا قد، مناسب خدوخال، فکر ملّت میں اب سر پہ کم بچے ہیں بال۔ ابتدا سے باریش ہیں آپ۔ عہدِ حاضر کے درویش ہیں آپ۔ ہم اِنھیں اردو کا عالمی سفیر کہتے ہیں۔ کہنے والے انھیں بے نظیر کہتے ہیں۔۔ ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں۔ دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں۔ فکر ملّت میں یوں بٹ گئے ایاّم کہیں۔ پروفیسر کہیں، خواجہ کہیں، اکرام کہیں۔

کبھی فکرِ اردو، کبھی مسائلِ ملّی۔ گریڈیہہ، گھوسی، پٹنہ و دلّی۔ بچپن، لڑکپن، جوانی، نوخیزی۔ زمانہ طالب علمی سے ہی رہی ہنگامہ خیزی۔ اساتذہ کچھ جلالی ملے، کچھ جمالی ملے۔ استاد مشفق علامہ شبنم کمالی ملے۔ دین کامل کا عرفاں ملا۔ محبت کا ایک جہاں ملا۔ دین و دنیا کی عظمت سمیٹے ہوئے۔ تن پہ اقدار کی چادر لپیٹے ہوئے۔ اپنے اسلاف کے نقش پا چومتے۔ تشنگی علم کی مٹانے، ادھر سے اُدھر گھومتے۔ حصول علم دیں کی رہی جستجو۔ علم دنیا پہ کرتے سدا گفتگو۔ خوب واقف تھے سیاست کی اداکاری سے۔ مگر دل کی دنیا آباد تھی عشق محمد کی سرشاری سے۔

یاد یثرب کا خزانہ لندن کے سفر میں رکھتے ہیں۔ در محبوب الٰہی پہ نظر رکھتے ہیں۔ یورپ کی وادیوں پر بھی ہیں شیدا۔ مگر دل میں کبھی بطحا کبھی طیبہ۔ ولیوں کے مزاروں پر انھیں گھومتے دیکھا۔ محفل نعت نبی میں ان کو اکثر جھومتے دیکھا۔ ہم نے سنی ہیں ان سے سرورِ کونین کی باتیں۔ روضہ اقدس، کالی کملی اور نعلین کی باتیں۔

صوفیوں کا مزاج رکھتے ہیں۔ مگر جمال و جلال کا امتزاج رکھتے ہیں۔ دین کا ہر رکن ہے عزیز، اور اس میں بھی اک امتیاز رکھتے ہیں۔ حمد و ثنا بھی عزیز ہے، اپنے طلبہ کی لیاقت پر نظر رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب خوب رکھتے ہیں ذلیل و جلیل میں امتیاز کا پہلو۔ جیسے اقبال کی نظر میں شہباز کا پہلو۔ سماعت سے نہ ہو محروم اک ایسا سمیع درکار ہے۔ اگانے کو محبت کے پھول اک زمیں درکار ہے۔ کچھ عاشقان خواجہ انھیں مہاتما کہتے ہیں۔ ویسے کہنے والے بے چین آتما کہتے ہیں۔ نہ جانے کس ادھیڑ بُن میں رہتے ہیں۔ ہر گھڑی اک دھُن میں رہتے ہیں۔

نظر صاف ہے، لگن کے سچے ہیں۔ رنگ پکا ہے، دھُن کے پکے ہیں۔ کہاں، کب، کسے، کیسے فیض پہنچائیں۔

گے۔خواجہ اکرام کا یہ مشن مصر، ایران اور ترکی میں بخوبی انجام پا رہا ہے۔

خواجہ اکرام کی عادات واطوار اور اعمال دیکھ کر ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی ان کا بازار ہمیشہ پر رونق رہے گا۔ ابھی جزو وقتی صوفی ہیں، سبکدوشی کے بعد کل وقتی ہونے کے امکانات ہیں۔ ان کے مریدین کی تو ملک اور بیرون ملک کی نہیں ہے۔ مریدین میں صنف کی تخصیص بھی نہیں۔ ہر صنف اور طبقے کے آدمی کو اُن کی خانقاہ میں آنے کی اجازت ہوگی، بلکہ اُن کی خانقاہ تو جدید ٹکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے آن لائن خدمت خلق زیادہ کرے گی۔ یوں بھی اب دنیا میں ایسی وبائیں پیدا ہوگئی ہیں کہ سب کام فاصلہ قائم رکھ کر ہی کرنے ہوں گے۔ گوشہ نشینی بزرگان دین کا شیوہ تھا، اللہ نے سب کو گوشہ نشین کر دیا۔ خواجہ اکرام الدین کی طبیعت میں گوشہ نشینی نہیں ہے، لیکن حالات سے مجبور ہیں۔ ''دلی کے بائیس خواجہ ** ''کے مصنف ظہور الحسن شارب صاحب لکھتے ہیں:

''بزرگان دین نے اپنی گفتار اور اپنے کردار سے ایک معیاری زندگی کا نمونہ پیش کیا۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا ان کا طریقہ کار تھا۔''

خواجہ اکرام الدین کا شمار ابھی بزرگان دین میں نہیں ہے، بزرگان ادب میں ہے، اس لیے اپنی گفتار اور اپنے کردار سے معیاری زندگی کا نمونہ تو پیش کر دیا ہے، لیکن کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنے پر ابھی عمل باقی ہے۔ جس دن اس مقام تک پہنچیں گے، مکمل صوفی ہو جائیں گے۔

(16 جون 2020)

○○○

کے ہمراہی ان کے ساتھ دوڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ پیدل چلنے اور گاڑی چلانے دونوں ہی کی رفتار تیز ہے۔طبیعت میں کچھ بے چینی سی رہتی ہے۔کرسی پر بیٹھے بیٹھے بھی چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ذرا ذرا دیر میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔سامنے بیٹھے طلباء بھی احتراماً کھڑے ہوتے ہیں، خواجہ پھر بیٹھ جاتے ہیں۔اسی اختلاجی صفت کے سبب متعدد ممالک کا سفر کر چکے ہیں۔اتنے کیلومیٹر کا سفر ابن بطوطہ نے بھی نہیں کیا تھا۔دراصل خواجہ اکرام الدین پر ہر وقت کچھ نیا کرنے کی دھن سوار رہتی ہے۔اردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے میں خواجہ اکرام نے اہم کردار ادا کیا، ورنہ اردو والے بہت کم ٹکنالوجی کا استعمال کرتے ہیں۔ہم جیسے پرانے لوگ تو کاغذ، قلم اور کتاب سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔بچوں کو تیزی سے موبائل پر ٹائپ کرتے ہوئے دیکھ کر رشک کرتے ہیں اور نو جوانوں کو موبائل سے مقالہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔جب کسی کے اندر شوق ہوتا ہے تو راستے بھی ہموار ہو جاتے ہیں۔خواجہ اکرام الدین کے شوق اور جوش کو دیکھ کر اوپر والے نے اور نیچے والی سرکار نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ڈائریکٹر شپ عطا کر دی۔بس خواجہ صاحب کو تو اپنے شوق پورے کرنے کے لیے سہولت مل گئی اور کام اور تجربے کرنے کے لیے میدان مل گیا۔اس ادارے میں بیٹھ کر اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے جو کام انھوں نے انجام دیے وہ قابل ستائش ہیں۔قومی کونسل کا دفتر جسولا وہار میں ہے۔جسولا وہار ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔پیدل بھی جا سکتے ہیں، لیکن خواجہ اکرام الدین کے آنے سے پہلے ہم کبھی گئے نہیں۔بعد میں بھی شاید ایک یا دو بار ہی گئے۔کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی، نہ انھیں ہماری اور نہ ہمیں اُن کی۔خواجہ اکرام نے قومی کونسل میں رہ کر اردو کے حوالے سے سب کا کام کیا بھی اور سب سے کام لیا بھی۔کامیاب سمینار کیے اور کار آمد کتابیں شائع کیں۔

گزشتہ دو دہائیوں میں خواجہ اکرام الدین کے نامہ اعمال میں تقریباً دو درجن کتابیں اور ڈیڑھ درجن سے زیادہ انعامات لکھے جا چکے ہیں۔سمینار اور کانفرنسوں کا تو شمار ہی نہیں ہے۔خدا جانے سمیناروں میں اس قدر بلائے جانے کے پیچھے کون سی قوت اور لوگوں کی کون سی مجبوری کارفرما ہے۔مجھے تو اس میں بھی کسی غیبی طاقت کا دخل لگتا ہے، ورنہ خواجہ اکرام ابھی اتنے بزرگ تو نہیں کہ ہر جگہ صدارت اور افتتاح کریں۔یہاں خواجہ اکرام کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے، یعنی نام میں خواجہ کی اضافت نے انھیں بزرگی کا درجہ دے دیا۔اب کتنے ہی جوان بننے کی کوشش کریں لوگ تو بزرگ ہی سمجھنے لگے۔ان کے طالب علم بھی کسی پیر کی طرح ہی ان کی عزت کرتے ہیں۔ہمہ وقت مریدوں کی طرح ان کے اطراف جمع رہتے ہیں۔ہندوستان کے طلباء میں خواجہ اکرام الدین جس قدر مقبول ہیں اس سے کہیں زیادہ غیر ملکیوں میں ان کی مقبولیت ہے۔اس کی وجہ خواجہ اکرام کی جدید ٹکنالوجی سے واقفیت بھی ہے۔وہ دہلی میں بیٹھ کر بھی غیر ممالک کے طلباء کو اردو کی تعلیم دینے میں مہارت رکھتے ہیں۔خواجہ اکرام غیر ملکی لڑکیوں کی اردو تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ ایک عورت کے تعلیم یافتہ ہونے سے پورا خاندان تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔یعنی ایک خاتون اگر اردو سیکھتی ہے تو گھر کے دیگر افراد بھی اردو سیکھیں

یا دوست۔ خواجہ اکرام کو یہ سب وراثت میں ملا۔ وہ عزت سب کی کرتے ہیں خواہ بزرگان دین ہوں یا بزرگان ادب۔ دہلی یونیورسٹی میں ان کا تقرر پروفیسر عبدالحق کی صدارت کے زمانے میں ہوا۔ خدا جانے کیسے اور کیوں ہوا؟ شاید خواجہ اکرام کی مذکورہ صفات کے سبب، ورنہ خواجہ اکرام الدین، پروفیسر نصیر احمد خاں کے شاگرد تھے اور نصیر صاحب اور عبدالحق صاحب ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں یہ سب کو معلوم ہے۔ بہر حال بیسویں صدی کی آخری دہائی میں خواجہ اکرام نے اپنی محنت اور لگن سے اردو والوں کے دلوں میں ایسی جگہ بنالی کہ سب ان سے محبت کرنے لگے۔ اہل بہار انھیں اپنی طرف کھینچ رہے تھے تو دہلی والے نہیں چاہتے تھے کہ ان کی گھر واپسی ہو۔ ریسرچ ایسوسی ایٹ کی مدت کار پوری ہوئی تو پروفیسر وہاب اشرفی نے بحیثیت استاد رانچی بلالیا، لیکن خواجہ اکرام کی پرواز تو بلند تھی، انھیں تو دنیا دیکھنی تھی۔ رانچی میں رہ کر یہ کہاں ممکن تھا۔ دہلی کی یاد ستانے لگی۔ استاد کو بھی کمی محسوس ہوئی۔ استاد شاگرد میں محبت ابھی باقی تھی۔ استاد نے حق استادی نبھاتے ہوئے واپس جے این یو میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر بلا کر اپنی استادانہ ذمہ داریوں سے نجات حاصل کی۔ شاگرد کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی مکمل آزادی دے دی۔ خواجہ اکرام اکیسویں صدی میں اپنے پیروں پر ایسے کھڑے ہوئے کہ ان کے تمام معاصرین کے قد چھوٹے ہو گئے۔ ترقی کی منازل اتنی تیزی سے طے کیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے پروفیسر بھی بن گئے۔ ۱۹۹۶ء میں پی ایچ ڈی کیا اور ۲۰۱۳ء میں پروفیسر ہو گئے، جبکہ بہت سے ۱۹۹۰ء میں پی ایچ ڈی کرنے والے اسسٹینٹ پروفیسر ہونے کی خواہش میں گھوم رہے ہیں۔ احباب کو شبہ ہونے لگا کہ ضرور کوئی غیبی طاقت ہے، جو ان کی مستقل مدد کر رہی ہے، ورنہ نہ تو دیکھنے میں ایسی کوئی پروقار شخصیت ہے کہ آدمی انھیں دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو جائے اور کچھ پل دیکھتا رہے، اور نہ کسی وزیر یا امیر کے بیٹے ہیں کہ احترام کرنے یا ترقی دینے کے لیے مجبور ہو، ہو نہ ہو کوئی غیبی قوت ہی ہے جو جاپان سے امریکہ تک اور ہالینڈ سے مصر اور ماریشس تک سب کو خواجہ خواجہ کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ یعنی ایران اور توران سب جگہ خواجہ ہی خواجہ ہے۔ کچھ تو ان کی علمیت اور ادبیت کے قائل ہیں اور کچھ ان کی خواجگی کے۔

شعبہ اردو میں خواجہ اکرام پانچ سال رہے۔ ان پانچ سالوں میں ان سے ہمارے قریبی رشتے بن گئے، اس لیے کہ نہ ہم زیادہ بوڑھے تھے اور نہ وہ زیادہ بچے۔ دونوں کے سروں پر اچھے خاصے بال تھے اور کالے بھی تھے، البتہ خواجہ صاحب نے بزرگوں سے قربت کے لیے داڑھی بڑھا رکھی تھی۔ جیسی داڑھی اس زمانے میں تھی آج بھی ویسی ہی ہے، البتہ رنگ بدل گیا ہے۔ ان کی داڑھی میں ایسی اشتراکیت ہے کہ اس پر کسی مذہب کا لیبل نہیں لگا سکتے۔ فقط لباس کی تبدیلی سے وہ ہر فرقے میں شمار ہو سکتے ہیں۔ یہی ان کا سیکولرازم ہے جو خانقاہوں کا وصف ہے اور جے این یو کی دین ہے۔

ہمارے اور خواجہ اکرام الدین کے تعلقات کی سلور جوبلی ہو گئی، یعنی پچیس سال بیت گئے۔ گزشتہ بیس سال میں خواجہ اکرام نے بہت تیزی سے ترقی کی۔ یوں بھی خواجہ اکرام بہت تیز چلتے ہیں۔ چلتے وقت اکثر ان

ارادے دیکھ کر انتقال سے قبل یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ ایسا نہ ہو کہ زندگی بھر اس کشمکش میں رہے کہ ابا کی اجازت نہیں تھی، وہ جان گئے تھے کہ جب بغیر بتائے دسویں پاس کرسکتا ہے تو آگے بھی ضرور کچھ نہ کچھ کریگا۔

ادھر والد اللہ کو پیارے ہوئے، اُدھر خواجہ اکرام کالج کے پیارے ہو گئے اور اتنے پیارے ہوئے کہ امتیازی نمبروں سے دنیاوی تعلیم کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ مدرسے کا بھرم رکھنے کے لیے بس داڑھی رکھ لی، تا کہ ابّا کی روح کو تکلیف بھی نہ ہو، کیا وہی جو دل نے کہا، دل میں کچھ اور تھا، علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسی یونیورسٹی کو چھوڑ کر ایسی یونیورسٹی کا انتخاب کیا جس کی دین داری اور دنیا داری کے بارے میں سب جانتے ہیں۔ جہاں کا ماحول پرفضا ہے، قدرتی نظارے ہیں، ہر طرح کی آزادی میسر ہے۔ چاہے ہرنوں کی طرح کلیلیں بھریے یا کوئل کی طرح کو کیے۔ خواجہ اکرام الدین گاؤں سے پٹنہ کے راستے دہلی آئے تھے۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں انھیں گاؤں کی ہریالی بھی مل گئی اور پٹنہ کی بھاگتی دوڑتی زندگی بھی۔ بس انھوں نے پیچھے اس خوف سے مڑ کر نہیں دیکھا کہ کہیں مدرسہ شمس الہدیٰ کے مولوی انھیں پکڑ کر نہ لے جائے، بلکہ انھوں نے ایک طویل القامت پٹھان کے دامن میں پناہ لی جنھیں دیکھ کر مولوی دور بھاگتے تھے۔

ہماری ملاقات خواجہ اکرام الدین سے اس وقت ہوئی جب وہ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ریسرچ ایسوسی ایٹ کی حیثیت سے آئے۔ غالباً یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہے۔ اس سے پہلے ملاقات کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ وہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں طالب علم تھے۔ ہمیں شعبہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دس سال گزر گئے تھے۔

خواجہ اکرام نے طالب علمی کے زمانے میں کوئی ایسا اچھا یا برا بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے اچانک مشہور ہو جاتے یا تمام اساتذہ کی نظر میں آجاتے۔ البتہ پروفیسر نصیر احمد خاں کے ساتھ رہنا ضرور ایک کارنامہ تھا۔ نصیر صاحب سے ہمارے رشتے بہت اچھے ہیں، ایک تو وہ علیگیرین ہیں دوسرے استاد محترم پروفیسر قاضی عبدالستار کے چہیتے ہیں۔ دورانِ تحقیق کبھی نصیر صاحب کے گھر پر خواجہ اکرام سے ملاقات ہوئی ہو تو یاد نہیں، اس لیے کہ بہت سے ریسرچ اسکالر ہوتے ہیں۔

شعبۂ اردو میں یہ دوسرے خواجہ آئے تھے، پہلے خواجہ احمد فاروقی تھے۔ جب ہم دہلی آئے تو معلوم ہوا کہ دہلی بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ ہے۔ یعنی دلی میں بائیس بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ اردو والوں نے خواجہ احمد فاروقی کو دہلی کا تیسواں خواجہ کہنا شروع کر دیا، اس لیے کہ خواجہ احمد فاروقی نے دہلی میں اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ میرے خیال میں خواجہ اکرام الدین اکیسویں صدی میں دہلی کے چوبیسویں خواجہ ہیں۔

خواجہ اکرام الدین نے دہلی یونیورسٹی میں پانچ سال گزارے اور ان پانچ سال میں سب کا دل جیت لیا۔ جے این یو کے طالب علم اپنی سرگرمیوں اور باتوں سے لوگوں کا دل بہت جلد جیت لیتے ہیں، انھیں شیشے میں اتارنے کا فن آتا ہے۔ خواجہ اکرام کے بعد ڈاکٹر محمد کاظم نے بھی بہت جلد سب کے دلوں پر فتح پالی۔ دونوں کے مزاج میں صوفیاء کی سی عاجزی اور انکساری ہے۔ ہر ایک کو خوش رکھنے میں دونوں مہارت رکھتے ہیں، چاہے دشمن ہو

پروفیسر ابن کنول
سابق صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی

خاکہ

نصف صوفی: خواجہ محمد اکرام الدین

ادبی اور غیر ادبی تاریخ میں ایسی بہت سی شخصیات کی مثالیں مل جائیں گی جن کے والدین انھیں جو بنانا چاہتے تھے، وہ نہیں بنے۔ بعض چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا انجینئر بنے تو وہ وکیل بن گیا، کچھ کو وکیل بنانے کی خواہش تھی تو شاعر بن گیا، کسی کی تمنا تھی کہ ان کا بچہ مولوی بن کر دین کی خدمت کرے۔ جن کے والدین کی خواہش اپنے بچوں کو دین کی خدمت میں لگانے کی تھی ان میں سے بیشتر دین کے بجائے بے دینی کے ساتھ ادب کی خدمت میں لگ گئے۔ اردو ادب میں اس کی نمایاں مثالیں موجود ہیں، البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو دین و ادب کو ساتھ لے کر والدین کی خواہش کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور اپنا دل بھی نہیں مارتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں کہ جن کا نام خواجہ محمد اکرام الدین ہے۔ دین داری اور دنیا داری دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، یوں تو عمر میں ہم سے کافی چھوٹے ہیں، لیکن نام ایسا رکھ لیا ہے کہ بلا وجہ احترام کرنا پڑ جاتا ہے۔ والدین نے محمد اکرام الدین نام رکھا، آپ نے دور اندیشی دکھائی اور اس میں ہوش سنبھالتے ہی خواجہ کا اضافہ کر لیا۔ اب ہر چھوٹے بڑے کو خواجہ صاحب کہنا پڑتا ہے اور جو ان سے ملا نہیں ہے وہ بزرگان دین کی طرح احترام کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ملنے اور برتنے کے بعد احترام میں کچھ کمی آسکتی ہے، لیکن ایسا کم ہوتا ہے، کیونکہ آدمی با اخلاق ہے۔ ہر بڑے کو بھائی جان کہہ کر مخاطب کرنے کی عادت ہے اور چھوٹوں سے محبت کرنے کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ عموماً اولاد وہ نہیں بن پاتی جو والدین چاہتے ہیں۔ خواجہ اکرام الدین کو ان کے والد چاہتے تھے کہ بیٹا دین کی خدمت کرے، وہ خود متقی پرہیز گار تھے۔ تصوف سے رغبت تھی، صوفیانہ مزاج تھا۔ اکرام الدین سے بھی یہی امید تھی، اس لیے مدرسہ شمس الہدیٰ میں بھیج دیا۔ جس طرح ہمارے استاد ڈاکٹر تنویر احمد علوی کو دیوبند بھیج دیا گیا تھا، لیکن وہاں کا دیو علوی صاحب کو بند نہ کر سکا۔ خواجہ اکرام کو بھی مدرسہ کی پابندیاں روک نہ سکیں اور انھوں نے دن میں دین اور شام کو دنیا دیکھی، یعنی ایک دوست کی مدد سے ایک شبینہ اسکول میں داخلہ لے کر دسویں جماعت بھی پاس کر لی۔ بس پھر کیا تھا، راستہ مل گیا۔ ابا نے مولوی بنانے کے لیے مدرسے میں بھیجا تھا، بیٹا ایک سند اور لے آیا۔ یعنی ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے میں سائنس۔ نہ صرف یہ بلکہ والد سے کالج جانے کی اجازت چاہی۔ قیافہ شناس اور مزاج شناس بزرگ نے بیٹے کے

اجالا بھرتا ہے جس سے دل اور دماغ دونوں روشن ہوتے ہیں۔یعنی میرا خامہ جو رنگ ابھارتا ہے وہ سرمے کا کام کرتا ہے۔سرمہ جو دیدوں سے گرد و غبار کو ہٹاتا ہے پتلیوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔بھاری پپوٹوں پر برف کے پھاہے رکھتا ہے۔بوجھل پلکوں کو سبک بناتا ہے۔

خواجہ کارِ خواجگی میں گلے گلے ڈوبے رہنے کے باوجود اپنے سر کو بچائے رکھتے ہیں کہ وہ کچھ دوسرے کام بھی کر سکیں جنھیں ادب کے ہر استاد کو کرنا چاہیے تاکہ وہ تدریسی سرگرمیوں میں اپنی ذہنی وقلبی حرارت چھوڑ سکے جسے ادبی متون پڑھتے وقت قارئین محسوس کر سکیں۔خواجہ اکرام نے اس میدان میں جو کام کیا ہے اور جس سے قارئین ادب حرارت محسوس کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے وہ ہے وہ کام جو اس عنوانات سے کیا گیا ہے:

-کرناٹک میں اردو: ماضی وحال

-مشاہدات

کرناٹک میں اردو: ماضی وحال، جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں ریاست۔کرناٹک میں اردو کی صورت حال کا تاریخی اعتبار سے ارتقائی جائزہ لیا گیا ہوگا۔بیشک خواجہ اکرام نے گل برگہ کی ایک معروف اسکالر ڈاکٹر ریشا قمر کے اشتراک میں یہ اہم اور مشکل کام انجام دیا ہے۔دستاویزی نوعیت کا یہ کام خواجہ اکرام اور ریشا قمر دونوں کو تاریخ میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔جن کو بھی اردو زبان وادب میں اس ریاست کی خدمات کو جاننا ہوگا اس کتاب سے گزرنا ہی ہوگا اور جو بھی ادھر سے گزرے گا خواجہ اکرام اور ریشا قمر کے نام ان کے ذہن میں ضرور ابھریں گے۔

مشاہدات، میں وہ مشاہدے اور تجربے درج ہیں جو مختلف ملکوں کا سفر کرتے وقت خواجہ کے دل ودماغ پر مرتسم ہوئے۔ان سفرناموں میں سب سے زیادہ جس منظر پر دھیان دیا گیا اور جس نقطے پر نظر مرکوز کی گئی وہ ہے یک جہتی کا رنگ اور خیر سگالی کا پہلو۔خواجہ اپنے رویے اور رجحان سے اپنے دل کی بات ساری دنیا کو پہنچا دینا چاہتے ہیں:

ایک ہے اپنی زمیں ، ایک ہے اپنا گگن
ایک ہے اپنا جہاں ایک ہے اپنا وطن
اپنے سبھی سکھ ایک ہیں اپنے سبھی غم ایک ہیں

آواز دو ہم ایک ہیں

اس جذبے کے زور کی بدولت بھی خواجہ اکرام یاد رکھے جائیں گے اور جب جب سیاح اپنے سفر کے مشاہدات قلم بند کریں گے تو خواجہ اکرام کے مشاہدات بھی چمک اٹھیں گے۔

OOO

والے الفاظ استعمال کیے۔ کسی شاعر نے شاید ایسے ہی آدمی کو دیکھ کر یہ شعر کہا ہوگا:

آپ سے جھک کے جو ملتا ہوگا
اس کا قد آپ سے اونچا ہوگا

مجھے یہ بھی یاد آیا کہ جب بھی دوران ورکشاپ جمعہ کا دن آیا تو خواجہ خود اپنی موٹر میں بٹھا کر مسجد لے گئے۔ ڈرائیو بھی خود کی تاکہ گاڑی میں ایک اور نمازی کے لیے جگہ نکل آئے۔ خواجہ اکرام کی شخصیت کی یہ وہ خوبی ہے جو ان کے خاکسارانہ مزاج کی ترجمانی تو کرتی ہی ہے ان کی یہ خصلت خاکساری بڑا بھی بناتی ہے۔

مجھے خواجہ اکرام نے قومی کونسل کے پروگراموں میں تو بلایا ہی، اپنے شعبے میں بھی کئی بار بحثیت قلم کار مدعو کیا۔ میری تخلیقات سننے کا اہتمام کیا اور میرے ساتھ انٹریکشن کے لیے اپنے طلبہ وطالبات کو بھی تیار کیا۔

مجھے جے۔ این۔ یو بلانے کا عمل خواجہ کے ایک اور خوبصورت پہلو کو سامنے لاتا ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ خواجہ صرف اردو زبان کے فروغ کے ہی خواہاں نہیں ہیں بلکہ اردو ادب خصوصاً تخلیقی ادب کی ترویج وترقی کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں۔ وہ اپنے طلبہ وطالبات کے درمیان تخلیق کاروں کو اس لیے لاتے ہیں کہ طلبہ ان سے مل کر ان سے تبادلہ ءخیالات کر کے ادب کی تخلیق کی باریکیوں کو سمجھ سکیں، تخلیقی عمل کے پروسیس اور اس کے رموز کو جان سکیں۔

خواجہ اکرام کے اس خوبصورت سے دو خوشے بھی پھوٹتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تخلیق کی قوت کو سمجھتے ہیں اور اس تخلیقیت کو ہر ایک طالب علم کے سینے میں بیدار کر دینا چاہتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ زبان وادب کی درس وتدریس کے جدید طریقہ ءکار سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ادب وآرٹ پڑھنے والوں کے درمیان معاصر فنکاروں کو لانے کا اہتمام کیا جائے۔ طلبہ کا تخلیق کاروں کے ساتھ انٹریکشن کرایا جائے۔ تاکہ جن کو وہ پڑھ رہے ہیں، ان کو دیکھ سکیں۔ ان سے بات کر سکیں۔ براہ راست ان سے تبادلہ ءخیال کر سکیں۔ ان کے تخلیقی عمل کا پروسس خود ان سے جان سکیں۔ ان کی تخلیقات ان کے منہ سے سن سکیں۔

اس طرح کی باتیں وہی سوچ سکتا ہے جس کی نظر درسیات کے عالمی منظر نامے پر رہتی ہے۔ خواجہ کی اس نقطہ ءنظر میں ان کے دوسرے رفقائے کار خصوصاً انور پاشا کے زاویے بھی شامل ہیں، اسی لیے خواجہ آسانی سے اس طرح کے پروگرام کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ اس طرح کے پروگراموں میں انور پاشا بھی پیش پیش رہتے ہیں اور دونوں کی کاوشیں محفل میں چار چاند کی جگہ آٹھ چاند لگا دیتے ہیں۔ جس دن میرے کانوں میں انور پاشا کے نام کی گھنٹی بج جائے گی، اس دن پاشا کے پرزے بھی اڑنے لگیں گے۔ ٹھہریے وفور شوق میں میرے منہ سے یہ غلط جملہ نکل گیا۔ اس لیے کہ میرا قلم پرزے اُڑاتا نہیں بلکہ پرزوں کو جوڑ کر ایک ایسا ورق بناتا ہے جس پر شخصیت کے وہ حروف بھی ابھر آتے ہیں جو ابھی لکھے نہیں گئے۔ وہ خیالات بھی صفحہ ءقرطاس پر اتر آتے ہیں جو ابھی تصور میں ہوتے ہیں۔ ایک ایسا خاکہ ابھارتا ہے کہ جس میں صرف سفید رنگ چمکتا ہے۔ سفید رنگ اس لیے کہ یہ آنکھوں میں

ہے اور اس میں ادب کے خواجہ کی حاضری بلا ناغہ ہوتی رہتی ہے۔ان ادبی محفلوں میں حاضرین کے دلوں کا کتنا کتھارسس ہوتا ہے یہ تو ادب کے مریدین ہی بتا سکتے ہیں البتہ خواجہ اکرام الدین کی مانگ ضرور بڑھ جاتی ہے۔

کوئی سلسلہ یونہی نہیں پھیلتا، اس کے لیے خود پھیلنا اور اپنے وجود کو پھیلانا پڑتا ہے اور خود کو پھیلانا آسان نہیں ہوتا۔اس کریا میں نسیں ٹوٹتی ہیں۔اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔سفر کی صعوبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ہمیشہ پا بہ رکاب رہنا پڑتا ہے۔آج پھگواڑے میں، کل جھنجھنو میں تو پرسوں جھمری تلیا میں اور اس کے بعد بھٹنڈہ یا بھیونڈی میں۔اسی طرح کسی مہینے تاجکستان میں تو کسی مہینے بلوچستان میں، کسی مہینے ایران میں تو کسی مہینے افغانستان میں ہونا ہوتا ہے مگر ایسا ہونا یا ایسا کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ خواجہ اس طرح کے دشوار گزار اور حوصلہ شکن مرحلے طے کرتے رہتے ہیں۔اس سے ان کی مقبولیت تو بڑھی ہی ان کا ادبی و علمی قد بھی بڑھا اور انھیں اپنے دائرہ مطالعہ کو بڑھانے کا موقع بھی ملا۔

اس بین الاقوامی ادبی مراسم کو متحرک رکھنے اور اس میں انفعالیت لانے کے لیے خواجہ نے اپنے اس کمپیوٹر کے علم کا دائرہ اٹھایا جس کا تجربہ وہ قومی اردو کونسل کے پروگراموں کے اہتمام وانعقاد میں کر چکے تھے۔وہاں کے آن لائن اردو کورس جس کی تیاری میں مجھ خاکسار کا بھی بڑا اہم کردار رہا ہے کہ زیادہ تر اس کے اسباق میرے قلم کے مرہون منت ہیں، کو ایئر میں لے جانے کا سہرا خواجہ اکرام کے سر بندھتا ہے۔نئی ٹیکنالوجی نے زوم کی صورت میں خواجہ کے ہاتھوں میں ایک ایسا منتر تھما دیا کہ جسے پڑھتے ہی کائنات کمرے میں سمٹ آتی ہے۔دوریاں مٹ جاتی ہیں اور انسان اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔اس زومی منتر نے خواجہ اکرام کو ایک طرح سے زومی بابا بنا دیا ہے۔آن لائن اردو پروگراموں پر اگر کبھی تحقیق ہوئی تو بلاشبہ خواجہ اس میدان کے بابائے زوم کہلائیں گے۔میں تو صلاح دوں گا کہ خواجہ صاحب خانقاہ زومیہ کے سجادہ نشین بن جائیں تو کتنے ہی ادیبوں کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کی قسمت بھی سنور جائے۔

بیرونی ادیبوں کی محفلوں میں شرکت کرنے اور بین الاقوامی تنظیموں اور ادبی وثقافتی انجمنوں کے جلسوں میں شریک ہونے اور انھیں اپنے پروگراموں میں بلانے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ خواجہ اکرام کو مہجری ادب میں دلچسپی پیدا ہوگئی اور یہ دلچسپی اتنی بڑھی کہ انھیں وہ اپنے یہاں کے ادب سے زیادہ دلچسپ لگنے لگا۔انھوں نے مہاجرین کے ادب کو اتنا پڑھا اور اس پر اتنا سوچا کہ وہ اس ادب کے مبلغ بن بیٹھے۔

نرم گفتاری اور گرم جوشی کے علاوہ خواجہ اکرام کی شخصیت کی ایک تیسری خوبی انکساری وخاکساری بھی ہے۔ان کے مزاج کی اس خوبی نے ان کی خوئے ملنساری کو خوب سے خوب تر کر دیا ہے۔ان کے اس ملنساری والے جذبے پر مجھے یاد آیا کہ وہ اپنے دور شاہجہانی میں مجھے بھی اردو کونسل کے مختلف نوعیت کے پروگراموں میں بلاتے رہے۔میں جب بھی گیا خواجہ اپنے آفس سے نکل کر مجھ سے ملنے خود ورک شاپ گاہ میں آئے۔جھک کر سلام کیا۔نہایت ہی اپنائیت کے لہجے میں خیریت پوچھی۔موضوع سے متعلق باتیں کیں۔گفتگو کے دوران آداب واحترام

بٹھا دیتا ہے۔ ان کے لب و لہجے کی نرمی دلوں کو ایسا برماتی ہے کہ سنگ دل بھی موم ہو جاتا ہے۔ نرم مزاجی ایسا مومیائی عمل کرتی ہے کہ پتھر پانی بن جاتا ہے۔ خواجہ کی نرم مزاجی والا عمل پتھر کو صرف پانی ہی نہیں بناتا بلکہ پانی میں موجیں بھی اٹھا دیتا ہے اور ان موجوں میں ایسا تلاطم برپا کرتا ہے کہ موجیں لہریں لینے لگتی ہیں۔ ان موجوں میں اتنی روانی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بہت سی رکاوٹوں کو توڑتی ہوئی بہت دور نکل جاتی ہیں۔

خواجہ اکرام کے مزاج میں نرمی تو ہے ہی اس نرمی کے اظہار میں گرم جوشی بھی ہے۔ گرم جوشی والا یہ اظہار مخاطب کے دل و دماغ کو نرم بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرز اظہار میں جذبے کا وفور جب لہراتا ہے تو مخاطب کے حواس لہریں لینے لگتے ہیں۔ جذبۂ شوق جب جوش مارتا ہے تو بندشوں کے ڈھکن الٹ جاتے ہیں اور گرم بھاپ کی ایسی سینک لگتی ہے کہ رگ و ریشے کسمنا اٹھتے ہیں۔ احساس انگڑائی لینے لگتا ہے۔ ذہن کھل جاتا ہے۔ سوچ کا دائرہ پھیل جاتا ہے۔ نگاہیں دور دراز کے ادیبوں پر پڑنے لگتی ہیں۔ یہ اسی اظہار گرم جوشی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک کے ادبی افکار اور فنی اظہار دوسرے ممالک میں روشن ہوئے اور وہاں کے طلبہ کی نظریں ہمارے یہاں کے ادیبوں پر مرکوز ہوئیں۔ یہ خواجہ اکرام کے اسی اظہار گرم جوشی کا اثر ہے کہ میں اور سید محمد اشرف دوسرے ملک کے شعبوں میں بھی تحقیق کے موضوع بنے۔

یہ اسی گرم جوشی کا کمال ہے کہ ہندوستان تو ہندوستان، پاکستان، تاجکستان، بلوچستان، ایران، افغانستان سبھی ملکوں کے نوجوان جن میں لڑکے لڑکیاں دونوں ہوتے ہیں، مثل پروانہ خواجہ اکرام کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ شمع اکرام کی لو کی محض ایک لپلپاہٹ پر ان کی جانب دور دراز سے دیوانہ وار چلے آتے ہیں۔ اور جلنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ خواجہ کی خواجگی اور اکرام کی کرم فرمائی انھیں جلاتی نہیں بلکہ جلاتی ہے۔ ان کی شخصیت کو جلا بخشتی ہے۔

خواجہ اکرام کے سر میں سمائی ہوئی کرم کی دھن اور دستگیری کی دھنوں کو سن کر وہی منظر آنکھوں میں سما جاتا ہے جو سماں ققنس کے منقاروں سے نکلنے والے سروں کی کشش پر دور دور سے آ کر ققنس کے اردگرد جمع ہونے والے پرندوں سے بندھتا ہے۔

خبر گیری اور دست گیری بھی خواجہ اکرام کی شخصیت کا ایک اہم جوہر ہے۔ وہ دلی میں رہ کر بھی دور دراز کے دلوں کی خیر خبر لیتے رہتے ہیں اور ان کی دستگیری بھی فرماتے ہیں۔ دستگیری بھی وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ تعلیم و تعلم سے لے کر معلمی تک کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں اور مفت میں بین الاقوامی دوستیاں بھی ہاتھ آ جاتی ہیں اور کبھی کبھار تو دوریوں کے درمیان بھی وہ جذبے پروان چڑھ جاتے ہیں جن کی بیلیں قریب رہ کر بھی نہیں چڑھ پاتیں۔

ادبی و تعلیمی مراسم کا سلسلہ اگر ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں کسی کا سب سے زیادہ دور تک پھیلا ہوا ہے تو وہ بلاشبہ خواجہ اکرام کا سلسلہ ہے۔ خواجہ کا یہ سلسلہ اکرامیہ ہے تو ادب و ثقافت کا سلسلہ مگر یہ مسلکی سلسلوں کی طرح اتنا مضبوط اور مستحکم ہو گیا ہے کہ عقیدت مندوں کا آئے دن کہیں نہ کہیں مذہبی عرسوں کی طرح اجتماع لگتا رہتا

شاپ میں بھی کام کیا اور کئی دنوں تک صبح سے شام ایک دوسرے کے پاس رہے۔

مگر خواجہ اکرام پر کبھی اس طرح توجہ میری مرکوز نہیں ہوئی تھی جس طرح اس لڑکی نے کی تھی اور جس کی بدولت بلکہ ردعمل میں کہنا چاہیے، آج میں نے مرکوز کر رکھی تھی۔

خواجہ اکرام کا سراپا میرے سامنے تھا اور آج اس سراپے سے طرح طرح کے خواجہ اکرام الدین نکل رہے تھے۔

''بھائی جان! خوش آمدید! آپ کو موضوع کے غرض و غایت کے بارے میں کچھ بتانا واقعی سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ ہاں ہاسپٹیلیٹی میں کوئی کمی محسوس ہو تو فوراً مجھے بلوا لیجیے گا۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ کسی قسم کی کوئی آپ کو پریشانی نہ ہو۔''

یہ ان۔سی پی۔یو۔ایل والے خواجہ تھے۔

''غضنفر صاحب بلاشبہ اردو کے چند بڑے معاصر فکشن نگاروں میں سے ایک ہیں۔ آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ فکشن نگار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر، ایک عمدہ خاکہ نگار، ایک تخلیقی نقاد، ماہر درسیات اور ایک کامیاب مثنوی نگار و داستان نویس بھی ہیں۔ ہمارے شعبے کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ غضنفر صاحب نہ صرف یہ کہ یہاں موجود ہیں بلکہ اپنا افسانہ بھی پیش فرمانے جا رہے ہیں۔''

یہ شعبہ اردو جے۔ان۔یو والے خواجہ اکرام تھے۔

''میرے عزیز! کوئی بھی کام ہو مجھ سے بولو! بلا جھجک بتاؤ! کہو تو میں یہاں تمھارے لیے کوشش کروں۔''

یہ ایک اور خواجہ اکرام تھے۔

''بھائی جان فکر نہ کریں۔ بس آپ تاریخ اور جگہ بتا دیں، باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ جیسا چاہیں گے ویسا انتظام ہو جائے گا۔ جس جس کو بلانا چاہیں وہ آ جائے گا۔ جلسہ بالکل معیاری اور آپ کے شایانِ شان ہوگا۔''

یہ خواجہ اکرام کا ایک اور ہی روپ تھا۔

خواجہ اکرام کی زبان سے مختلف اوقات میں نکلی ہوئی یہ آوازیں ایک ساتھ میری سماعت میں گونجنے لگیں۔

اس بار میری آنکھ، میرا دل میرا دماغ تینوں خواجہ اکرام کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ مصروف کی جگہ مشغول اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اس وقت خواجہ اکرام کو دیکھنا اور پرکھنا میرا مشغلہ بن گیا تھا۔ مجھے اس عمل میں مزہ آنے لگا تھا۔

خواجہ اکرام کو انہماک سے سننے اور غور سے دیکھنے پر یہ سمجھ میں آیا کہ وہ سافٹ اسپوکین ہیں۔ نرم گفتاری ان کی شخصیت کا ایسا پہلو ہے جو پہلوؤں سے دل نکال لاتا ہے۔ گرم دماغوں کو بھی نرم کر دیتا ہے۔ غصے کے آگ کو

پروفیسر غضنفر

خاکہ

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

''خواجہ سر بہت پیارے ہیں۔ وہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔''

یہ جملہ خواجہ کے کسی اپنے ریسرچ اسکالر کا نہیں بلکہ کسی غیر ملک کی طالبہ کا ہے جو کسی اور کے زیر نگرانی تحقیقی مقالہ لکھ رہی ہے۔ یہ جملہ سن کر مجھے حسد ہوا اور غصہ بھی آیا کہ وہ طالبہ ریسرچ تو مجھ پر کر رہی ہے اور میں اس کے اس کام میں مدد بھی کر رہا ہوں۔ آئے دن ادھر ادھر سے بھی مواد تلاش کر کے اسے فراہم کرتا رہتا ہوں، نیز یہ کہ وہ میری فکشن نگاری کی فین بھی ہے مگر گن گان خواجہ کا کر رہی ہے۔ وہ بھی میرے سامنے۔

مجھے کیا کسی کو بھی یہ جملہ مبالغہ آمیز لگ سکتا ہے مگر اس لڑکی کا لب ولہجہ اور صوت وصدا کا زور بتا رہا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا، ہوش وحواس میں کہا ہے اور اس میں کسی شاعر کے تخیل کا شور نہیں بلکہ ایک محقق کے ذہن کا زور ہے۔ اور یہ کہ بات سولہ آنے سچ ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا ثبوت اس کا ایک دوسرا جملہ ہے جسے کچھ مہینوں بعد اس نے اس جملے کے متن کی درستگی پر مہر ثبت کرانے کے لیے میرے پاس بھیجا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اس کے پہلے جملے کی صداقت پر یقین آ جائے گا۔ لیجیے اس کا وہ دوسرا جملہ بھی سن لیے:

> ''انتہائی شفیق اور ادب دوست شخصیت اور عالمی سفیر اردو پروفیسر خواجہ اکرام الدین کے نام جو میرے استاد اور رہبر ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ان کے زیر سایہ تحقیقی کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جن کی بدولت آج میں اس مقام پر ہوں۔''

اس جملے سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کوئی لڑکی جو بہت دور رہتی ہے۔ جو خواجہ اکرام سے کبھی ملی بھی نہیں، جو کام کسی اور پر کر رہی ہے۔ جو کسی اور کی نگرانی میں کر رہی ہے۔ موضوع ومواد کی تلاش میں مدد کسی اور کی لے رہی ہے اور انتساب خواجہ اکرام کے نام کر رہی ہے وہ بھی ایسے تحسینی جملوں کے ساتھ۔ آخر خواجہ اکرام میں کوئی تو ایسی بات ہوگی جس نے ایسا لکھنے پر اس لڑکی کو مجبور کیا۔

میرا ذہن خواجہ اکرام کی طرف دوڑ گیا اس مشک کی تلاش میں جسے خواجہ نے اپنے نافے میں چھپا رکھا ہے جس کا جھونکا دور دراز کے مقام پر تو پہنچ گیا مگر قریب والوں کی اس کی ہوا تک نہیں لگی۔

خواجہ اکرام سے میں بار بار ملا تھا۔ ان کے ساتھ باتیں کی تھیں، فون پر اور بالمشافہ بھی۔ ان کے ساتھ ورک

بنیادی کام سچائیوں اور حقائق سے انسانیت کو آگاہ کرنا اور انھیں زیادہ سے زیادہ بسیط حدود تک پھیلانا ہے۔ اطلاعات کی تبلیغ اور معلومات کی تبلیغ میں بھی افتراق ہے، معلومات میں علم بھی مقدر ہے۔ اس لیے معلومات کا مقصد اطلاع کے ساتھ ساتھ علم و آگہی سے مستفیض کرنا بھی ہے اور اطلاع محض خبر ہے اور خبر محض وقتی ہوتی ہے اور اس کی مہلت حیات بھی کوتاہ ہوتی ہے۔ سچائی کی بھی کئی زبانیں ہوتی ہیں اور جھوٹ کی زبانیں بھی ایک سے زیادہ ہوتی ہیں۔ سچ، سچ ہوتا ہے اور تشکیل بھی کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی سچ کو سچ ثابت کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جھوٹ میں جو کشش اور جادو ہوتا ہے وہ سچ میں بھی ہوتا ہے لیکن ذرا دیر میں سمجھ میں آتا ہے۔ خواجہ اکرام کا یہ کہنا درست ہے کہ صحافی کا خود بھی محقق ہونا ضروری ہے۔ اگر اس میں تلاش و تفتیش کا مادہ ہے اور اس کی نگاہ وہیں پہنچتی ہے جہاں 'شک' کی گنجائش ہوتی ہے۔ تو انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ جہاں جھول نظر آرہا ہے اس کا معروضی تجزیہ لازمی ہے۔ ٹی۔ وی اسکرین ہمارے عہد کا جامِ جمشید ہے۔ جام جمشید بھی وہی دکھاتا تھا جو رونما ہو رہا ہے۔ رونما ہونے کے پیچھے کون سے اسباب و محرکات نے کام کیا ہے۔ جمشید کو اس سے کوئی مطلب نہیں تھا لیکن اب ہم ہر اس واقعے کی علت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جو پیش کیا گیا ہے کیونکہ اب کسی ایک ملک یا علاقے میں سیاسی و سماجی واردات محض اسی کا مسئلہ نہیں رہی۔ بعض چیزوں کے مثبت یا منفی اثرات پورے عالمی نظام زندگی پر مرتسم ہوتے ہیں۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران صحافیوں نے زبانِ حق سے پہلوتہی اختیار نہیں کی۔ فلسطینی مظلومین کے حق میں خود امریکہ اور یورپ میں کئی دانشور، ادیب اور صحافی نڈر ہو کر اسرائیل اور اس کے حمایتیوں کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔

خواجہ اکرام نے سماجی ذمہ داری ہی نہیں صحافت کے عمل کو اخلاقی ذمہ داری سے بھی موسوم کیا ہے۔ لیکن اخلاقیات خود ایک اضافی اصلاح ہے۔ سائنس اور تکنالوجی کی روزافزوں ترقی کی رفتار اور صارفیت کے خونخوار ڈائناسور جس طرح انسانیت پر چوطرف سے حملہ آور ہیں اور ہر گھر ایک بازار بن گیا ہے، ہوس زر نے لوٹ مار کے ہزار طریقے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ بچے وقت سے پہلے بالغ ہو رہے ہیں۔ ٹی۔ وی اسکرین نے علم و معلومات کے ساتھ گمرہی پھیلانے اور تفریح و تفنن کے سامان مہیا کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ اس نے نئی سے نئی چیز کو آن کی آن میں پرانا اور بے مصرف بنانے میں بھی خاص کردار ادا کیا ہے۔ خواجہ اکرام نے جہاں حال کا ایک خوشگوار تصور پیش کیا ہے وہیں مستقبل کے خطرات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ وہ طلبہ کو نئی آگاہیوں سے باخبر کرنے کی مہم پر نکلے ہیں اور حقائق کے ان پہلوؤں پر سے پردہ اٹھاتے ہیں جو بہ ظاہر کچھ ہیں اور بہ باطن کچھ اور۔

○○○

میں مضمر ہیں جن کا اولین قصد وسیع المشربی اور صلح کل کی تعلیمات کو بلاتفریق مذہب و ملت ہر اس مقام تک پہنچانا تھا، جہاں ان کی روشنیاں اور ان کا فیض ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔

اورنگ آباد کی روحانی تجلیوں سے خواجہ صاحب نہال ہو گئے۔ پروفیسر اختر مرزا کو ان صوفیائے کرام کے مشن کی پوری معلومات تھی۔ اتفاق سے وہ میرے شاگرد بھی ہیں، اس لیے وہ فوراً رہنمائی کے لیے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ منتجب الدین زر بخش کی خانقاہ میں حاضری دی۔ آپ کا بقول اختر مرزا گیارہ واسطوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور شجرۂ مشیخیت سے 21 ویں واسطوں سے رسول اللہؐ تک پہنچتا ہے۔ 709ھ میں صرف 34 برس کی عمر میں وصال ہوا اور خلد آباد ہی میں ان کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔ پھر ان کے بھائی حضرت برہان الدین کے مزار مبارک پر حاضری دی جو خلد آباد میں واقع ہے۔ خود علامہ اقبال نے خلد آباد کی زیارت کی اور اس پر ایک نظم بھی قلم بند کی تھی۔ پروفیسر اختر مرزا کے توسط سے کم و بیش 13 صوفیائے کرام کے روضوں پر حاضری دی۔ ہر روضۂ مبارک کے سجادہ نشینوں سے تعارف کرایا۔ خواجہ اکرام الدین، ہماری اور اختر مرزا کی دستار بندی بھی کی جاتی رہی۔ اورنگ آباد سے خلد آباد اور دولت آباد تک جن صوفیوں نے اسلامی تعلیمات کے ساتھ اتحادِ انسانیت، مساوات، باہمی انس و خلق، وسیع القلبی، کشادگیِ نفس، غربا پروری وغیرہ کے درس و تبلیغ کی اسی روایت کو اپنے مشن کا مقصد بنایا جس کا سلسلہ حضرت معین الدین چشتی اور ان سے قبل کے ان تمام صوفیاء کرام سے جاملتا ہے جو سرزمین عرب و عراق سے وسطِ اشیا اور وسطِ اشیا سے ہندوستان تک پھیلا ہوا ہے، خواجہ محمد اکرام الدین خود صوفی نہیں ہیں لیکن انھوں نے اپنے آبا سے تصوف کا درس ضرور لیا ہے، ان کے حرکات و اعمال میں اگر کچھ صوفیانہ رمق چمک دکھائی دیتی ہے تو وہ ان کی بچپن کی تربیت کا فیض واثر ہے۔ ہم پروفیسر اختر مرزا کے شکر گزار ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں کہ انھوں نے پورا ایک دن ہمارے لیے وقف کر دیا تھا اور جو معلومات انھوں نے فراہم کیں وہ انھیں حفظ تھیں۔

خواجہ صاحب بنیادی طور پر اردو ادبیات کے استاد ہیں اور انھوں نے ادب کے پہلو بہ پہلو بلکہ اس سے کچھ زیادہ میڈیا کو اردو سے اور اردو کو میڈیا سے جوڑنے کی جو منصوبہ سازی کی ہے، اس کی معنویت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اب صحافت محض اخبار و رسائل تک محدود نہیں رہی، اور نہ ہی روایتی صحافت کے حدود اتنے وسیع ہو سکتے تھے۔ نیز اردو زبان و ادب کے طلبہ کے لیے میڈیا کا علم اور ابلاغ کے برق رفتار ذرائع کا علم۔ عہدِ حاضر کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ خواجہ صاحب کی اپنی اور مرتب کردہ کتابوں نے طلبہ کے اندر ایک نیا ذوق و شوق پیدا کیا ہے۔ کئی جامعات میں یہ ایک علاحدہ موضوع کی حیثیت سے بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اردو کے شعبوں میں میڈیا نصاب میں بھی شامل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موجودہ کتابوں میں صحافت کی تاریخ اور خبر سازی، کالم نویسی، ادارتی نوٹ، اشتہاروں کی نوعیت اور صحافی کی ذمہ داریوں پر تو معلومات دستیاب ہیں، لیکن موجودہ صدی تک پہنچتے پہنچتے صحافت کے تقاضوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ صحافت بھی ادب ہے۔ دونوں بین العلومی ہوتے ہیں۔ جن کا

ہوئے ہوں گے۔ میں عزتِ نفس کا مارا ہوا بھٹ کے 20-22 سال کے عرصے میں کبھی یاد کیا گیا اور نہ گیا۔ خس کم جہاں پاک ذلتیں بھی اپنی قدر رکھتی ہیں، ذلتوں کے زخم اگر آدمی ہمیشہ تازہ رکھے تو پھر اسے اور کسی کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ ہر ذلت ہماری رہنما ہوتی ہے جسے کبھی ذلت نہیں ملی وہ آگے چل کر نمرود یا فرعون بھی بن سکتا ہے۔

کہنے کا مقصود یہ کہ کونسل کی فضا میں ایک نئے انقلاب اور ایک ایسی نئی روح کی ضرورت تھی جو اہلِ بصیرت کے لیے امکان افزا اور طمانیت بخش ہو۔ خواجہ صاحب کیا آئے بہار آگئی۔ ایک تو یہ کہ وہ یونیورسٹی کے استاد تھے، دوسرے اخلاقی منصب کے پاسدار بھی تھے۔ گفتار میں نرمی تھی اور کونسل کے ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد تھوڑی سی رفتار میں تیزی ضرور آئی لیکن مزاج کو تیزی سے باز رکھا۔ آفیسری تو انھوں نے حضرت بھٹ سے چارج میں نہیں لی۔ ایک گٹھری تھی جس کا پیٹ ذلتوں یا بہت سی آلتو فالتو چیزوں سے بھرا ہوا تھا، بڑے اہتمام سے ان کے سپرد کر دی۔ خواجہ صاحب کی خوش طبعی، خوش سلوکی اور خوش سلیقگی ان کے عادات واطوار میں شامل تھی جس کے لیے انھوں نے کہیں سے تربیت حاصل کی تھی اور نہ شعوراً انھیں برقرار رکھنے کے لیے ان کی کسی کوشش کا دخل تھا کیونکہ اس قسم کی اقدار ان کا وہ ورثہ تھا جسے انھوں نے کبھی گم ہونے دیا اور نہ انھیں محض خوش وقتی کی چیز سمجھا۔ اس نسخے سے کسی بھی دشمن جانی کو زیر کیا جاسکتا ہے۔ کونسل میں تمام عملے ہی میں نہیں کونسل کے باہر اردو زبان و ادب کے پرستاروں میں بھی وہ ہر دلعزیز تھے، اس کی وجہ بھی ان کے کردار و عمل میں مضمر ہیں۔ ارباب ادب کے لیے ہی نہیں مختلف شعبہ جات کے ماہرین کے لیے بھی ان کا دامن کشادہ تھا اور ان کے چیمبر کا دروازہ وا رہتا تھا۔ ان کی پرسنل سکریٹری منہ تکتی رہ جاتی تھی، جو آتا انھیں، زحمت دیے بغیر سیدھے خواجہ صاحب کے دربار میں اور خواجہ صاحب صوفی تو نہیں تھے لیکن مسلک صوفیانہ تھا، کسی کو مایوس کرنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ خواجہ جو ٹھہرے۔ کونسل کی حدود میں رہ کر انھوں نے اپنی نگاہِ دور بیں سے کام لے کر اور دبی چھپی گنجائشوں کو ڈھونڈ نکال کر فیاضی کے ثبوت بھی دیے، سرکاری مراعات اور مقررہ بجٹ سے جتنا فیض اٹھایا جاسکتا تھا انھوں نے اٹھایا اور عرض گزاروں کو اپنے دربار سے کبھی تہی دست نہیں جانے دیا۔

خواجہ صاحب بعض حضرات کی بلند آوازوں کا جواب اتنی نرمی اور بردباری سے دیا کرتے کہ سامنے والا لاجواب ہو جاتا تھا۔ ان میں اتنا تحمل اور برداشت کا مادہ دیکھ کر یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ انسان مرا نہیں ہے۔ انھوں نے ہمیشہ کونسل کے حق میں جو بھی مفید مطلب مشورہ ہوتا اسے ضرور قبولیت کا شرف بخشتے تھے۔ میں چونکہ اورنگ آباد میں رہ چکا تھا اور مجھے وہ شہر اتنا عزیز تھا کہ اس سے اپنے رشتے کو اور مضبوط کرنے کے لیے شادی کے راستے کو ترجیح دی۔ میں نے جب خواجہ صاحب سے وہاں اردو میلہ منعقد کرنے کی بات کی تو فوراً مان گئے۔ اورنگ آباد اردو زبان کا گڑھ ہے اور ولی وسراج یا ایلورہ اور اجنتا کی گپھاؤں کی وجہ ہی سے شہرت نہیں رکھتا بلکہ اورنگ آباد سے خلد آباد تک صوفیائے کرام کے مزارات و مقابر سے تمام علاقہ نورٌ علیٰ نور ہے اور ان صوفیوں کی بدولت بھی اسے مرکزیت حاصل ہے جنھوں نے اس دور دراز علاقے کو اپنی آخری پناہ گاہ بنایا تھا، اس کے اسباب بھی ان مہمات

علاوہ ابلاغیات پر جو کتابیں ہیں وہ مستقل حوالے کا حکم رکھتی ہیں۔ اس موضوع پر جو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کی اپنی حدود ہیں۔ خواجہ اکرام الدین کا میدانِ عمل وسیع تر ہے۔ انھوں نے عہدِ حاضر کے خارج و باطن کا گہرائی سے مطالعہ ہی نہیں کیا ان اسباب سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ اب صرف تحریری لفظ کو عبور کر کے آوازی لفظ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسکرین کے توسط کے بغیر ہم لامحدود علم کے سمندر سے بھی فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ جن حضرات سے ان کی مرتبہ کتابیں اردو میڈیا 2012 اردو میڈیا کے علاوہ اردو کی اصناف، تعارف وتنقید 2006، اور بالخصوص اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات 2012 گزری ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ خواجہ اکرام الدین نے رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تنقیدی طالعہ 1994 سے جو ادبی سفر شروع کیا تھا وہ کن کن مراحل سے گزرا ہے۔ خواجہ صاحب کے زیادہ ٹھوس کام میڈیا پر ہیں اور ان کی ضرورت بھی تھی۔ ان کی مرتبہ وغیر مرتبہ کم وبیش 30 کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مرتبہ کتابوں میں انھوں نے جو مقدمات لکھے ہیں وہ بھی نہایت جامع، معلومات افزا اور علم افروز ہیں۔ ان مقدمات کو بھی ترمیم و اضافے کے ساتھ کتابی صورت دی جا سکتی ہے۔ اردو سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت، اکیسویں صدی میں اردو کا سماجی وثقافتی فروغ، اردو کا عالمی تناظر، 1857 پہلی جنگ آزادی کے اردو، عربی اور فارسی کے ذخیرے، امام بخاری کے ملک میں چندروز، اردو، عربی اور فارسی میں رزمیہ ادب، اکیسویں صدی کا نسائی ادب وغیرہ کتابوں کے عنوانات ہی خواجہ اکرام الدین کے ذوقِ بسیط کے مظہر ہیں۔ ان کتابوں کے کئی مضامین میری نظر سے بھی گزرے ہیں اس لیے موجودہ وقتوں میں ہی یہ اپنا محل نہیں رکھتیں ان کی معنویت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔

خواجہ محمد اکرام الدین جب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر بنے ان کے پیش رو حمید اللہ بھٹ تھا، وہ بہتر تنظیمی صلاحیت کا مالک تھا، آفیسروں میں جتنی اچھائیاں اور برائیاں ہو سکتی ہیں وہ اس میں تھیں۔ خوشامد پسندی اور چاپلوسی کے معنی سے بھی خوب واقف تھا اور کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ کی اوقات کا بھی اسے علم تھا کیونکہ دہلی یونیورسٹی سے ایم فل کر چکا تھا۔ اس کے مبلغ علم کا صرف اسی کو پتہ ہے لیکن اساتذہ کے علم سے وہ باخبر تھا، اسی لیے کسی کی عزت بھی کرتا تھا تو وہ بھی اس کی اوقات سے دو چار انچ اوپر ہوتی تھی اور نہ دو چار انچ نیچے۔ انصاف پسندی کا یہی تقاضہ ہے۔ اس نے سرکاری عہدہ داران کو تو کئی بوتلوں میں اتار کر رکھا تھا لیکن اپنے زمانے کے دو دِگجوں یعنی گوپی چند نارنگ (دیر) اور شمس الرحمن فاروقی (حرم) کو دائیں بائیں رکھا:

کہیں کھو نہ جاؤں میں راہ میں مجھے لے کے اپنی پناہ میں
درِ یار تک مجھے چھوڑنے مرے ساتھ دیر و حرم گئے

میں نے کئی اساتذہ سے جنابِ بھٹ کی اخلاقیات کے قصے سن رکھے تھے، کیفی اعظمی کے ایک پروگرام میں اعلیٰ درجے کی شراب بھی افراط میں مہیا کی گئی تھی۔ رات 12:30 بجے موصوف چاروں خانے چت ہو گئے۔ ان کے احباب نے بمشکل اسے کار میں دھکیل کر ڈالا۔ مجھے نہیں پتہ کہ اس طرح کے اور تماشے کب کب اور کہاں کہاں

ارے بھائی آپ زبان کیوں پکڑ رہے ہیں، حق صاحب کو کچھ اور نہیں سوجھا تو عجلت میں بس یہ کہہ کر گھر واپسی ڈال دی تھی۔'' ویسے خواجہ صاحب، خواجہ کے ساتھ بزرگ اور معزز کا تصور بھی وابستہ ہے اور دولت مند کے بھی ہیں۔ شاید یہاں دولت کے معنی نیکیوں کی دولت کے ہیں اور حق صاحب نے آپ کو نیکی کی سند دے کر کوئی غلطی نہیں کی'' بات آئی گئی ہوگئی۔ یہ دیکھ کر اچھا لگا کہ خواجہ محمد اکرام الدین منھ میں زبان بھی رکھتے ہیں۔ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی تو ان کے لیے ایک عبوری وقفہ تھا۔ اپنی لیاقت، قابلیت اور سنجیدگی کے باعث سینٹر آف انڈین لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچرل اسٹڈیز جواہر لعل یونیورسٹی میں اردو کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔ انھوں نے روز اول ہی سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اردو زبان کے فروغ اور عالمی سطح پر اس کو دوسرے ممالک کے اردو زبان کے پرستاروں سے جوڑنا ہمارے وقتوں کا بہت بڑا تقاضہ ہے۔ اس لیے ادبی مطالعات اور طلبہ کی ذہن سازی کے ساتھ انھیں جو بڑا Space نظر آیا وہ یہ تھا کہ اردو زبان کو ترسیل وابلاغ کے پھیلتے ہوئے تکنیکیاتی نظام سے مربوط کر کے دوریوں کو قربتوں میں بدلنے کی مہم کا آغاز کیا جائے۔

> ''خواجہ صاحب! آپ کے ذہن میں اردو کو نئی ٹیکنولوجیز سے جوڑنے کا خیال کیسے آیا۔ اردو زبان وادب کے طالب علم ہیں اور پھر استاد کے عہدے پر آپ کا تقرر ہوا۔ دہلی یونیورسٹی میں تو آپ بے حد خاموش رہے۔ طلبہ میں جوش وخروش پیدا کرنے اور متوجہ کرنے کی آپ کی صلاحیت کے سب ہی معترف ہیں۔ اردو زبان وادب کا استاد تو پڑھتا پڑھاتا ہے یا ملازمت ملنے کے بعد دونوں کاموں سے توبہ کر لیتا ہے۔ ان اساتذہ نے لکھا بھی ہے مگر نہایت غیر معیاری اور صرف تشریحی انداز کی تحریروں پر اکتفا کر لیا۔ آپ اقبال کے مومن کی طرح عملی انسان کیسے بن گئے۔''
>
> ''سر! میں کیا کہوں آپ ہی نے سب کچھ کہہ دیا۔ دراصل میں جب دہلی یونیورسٹی میں تھا اس سے بھی پہلے میرے ذہن میں تکنیکیاتی ترقیات کی تیز رفتاری دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب صرف گفتار کے غازی بنے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ کردار کا غازی بھی بننا پڑے گا۔ دوسری زبانوں نے جس طرح جدید تر نظام ابلاغ سے جوڑا ہے اور جہاں جہاں ان کی زبانوں کے پرستار اور ادیب موجود ہیں ان میں باہمی تعامل کی راہ روشن کی ہے۔ اس سے ان زبانوں اور ان کے ادب کی ترویج واشاعت کے نتائج حیران کن صورتوں میں سامنے آئے ہیں۔ یہ میدان میرے لیے نہایت آزمائشی تھا۔ کمپیوٹر یا موبائل نے ایک نئی دنیا سے ہمارے رشتے قائم کیے ہیں۔ یہی تصور لے کر میں نے آگے قدم بڑھایا۔''

خواجہ صاحب نے World Urdu Association قائم کی اور آن لائن اردو سکھانے کا بیڑہ اٹھایا، آن لائن اردو مجلہ ''ترجیحات'' بھی نکالا، کونسل برائے فروغ اردو زبان سے 'بچوں کی دنیا' نام کا ماہانہ رسالے کا اجرا کیا، جسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خواجہ اکرام الدین کی ادب وتنقید سے متعلق تصانیف وتالیفات کے

پروفیسر عتیق اللہ
نئی دہلی

خواجہ محمد اکرام الدین: کہ نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

خواجہ محمد اکرام الدین اپنے تعلیمی مراحل سے فارغ ہوکر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی میں ریسرچ ایسوسی ایٹ کے عہدے پر جب مقرر ہوئے تو ان سے پہلی ملاقات جو بے حد سرسری تھی شعبے کی چہار دیواری میں ہوئی۔ پروفیسر عبدالحق نے ان کے بارے میں تعارف کراتے ہوئے بس اتنا بتایا تھا کہ بہت نیک انسان ہیں۔ ظاہر ہے 'نیک' کے بہت سے معنی ہیں بلکہ اس لفظ سے وابستہ جو تصورات ہیں وہ بھی متنوع ہیں۔ ان پر کون سا چست بیٹھے گا، اس کا تو شخصِ مذکور کے برتاؤ ہی سے پتہ چلے گا۔ ویسے 'خواجہ' کے ساتھ خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ نظام الدین اولیا سے زیادہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا تصور ذہن میں پیوست ہے کیونکہ طاب علمی کے زمانے سے بار بار اس نام سے سابقہ پڑا ہے اور گیسو درازی نے خود اس تصور کی آبیاری کی ہے۔ میں نے عبدالحق صاحب کو چھیڑنے کے لیے یہ بھی پوچھ لیا کہ کیا خواجہ محمد اکرام الدین کے گیسو بھی دراز ہیں۔ ''کیا مطلب؟'' انھوں نے حیرت کے ساتھ جواب دیا تو میں سمجھا، انھوں نے سنا نہیں تو میں نے ''مکرر عرض کیا، کیا خواجہ محمد اکرام الدین کے گیسو بھی دراز ہیں؟'' ''ارے عتیق صاحب کیا آپ سمجھتے ہیں میری سماعت کمزور ہوگئی ہے؟'' ''نہیں حق صاحب میں نے واقعی یہ سمجھا کہ آپ ذہنی طور پر شاید حاضر نہیں ہیں۔'' ''عتیق صاحب! یہ مخلوقِ خدا آج کی ہے یہ جدید خواجگان میں سے ہیں۔ گیسو درازی پر تو کوئی انھیں یونیورسٹی میں گھسنے بھی نہیں دے گا۔ البتہ چنی منی سی داڑھی ضرور ہے'' ''اچھا تو سنتِ نبوی کی ایک نشانی ان کے پاس دیکھ کر آپ فدا ہوگئے'' عبدالحق صاحب کا چہرہ کِھل اٹھا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ میں کچھ اچھے موڈ میں ہوں اس لیے خیریت اسی میں سمجھی کہ رخصتی کا سلام کیا، رسمی سی کچھ بات کی اور اپنی راہ لی۔

خواجہ محمد اکرام الدین کا سعودِ بابرکت کا محل تھا۔ انھوں نے سلام کیا اور پہلی بار انھیں دیکھ کر میرے ذہن میں کسی خواجہ کا تصور نہیں ابھرا۔ ''خواجہ صاحب آپ کا خیر مقدم ہے۔ نیک حضرات کو دیکھ دلِ سنگدل میں بھی گداز پیدا ہوجاتا ہے۔'' ''سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں سمجھا نہیں آپ مجھے نیک کیوں کہہ رہے ہیں۔'' ''ارے بھائی اور کچھ نہیں حق صاحب نے آپ کا تعارف کرایا تو بس سند کے طور پر یہی صنعت استعمال کی تھی'' ''نہیں سر یہ ان کی محبت ہے۔ ورنہ نیک کو بھی اب تو نیک نہیں کہا جاتا، ہم تو اپنے آپ کو گنہ گار کہتے ہیں''

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی تعلیمی، تدریسی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں مختلف اداروں اور ادبی تنظیموں نے ایوارڈز اور اعزازات سے نوازا ہے جن میں اردو اکاڈمی ایوارڈ برائے کتاب تعارف وتنقید (2002)، ایوارڈ ایکسیلینسی ایوراڈ، اردونیٹ جاپان (2011)، مینار اردو ایوارڈ، پٹنہ (2012)، بابائے اردو مولوی عبدالحق ایوارڈ، پٹنہ (2012)، فخر اردو ایوارڈ، پٹنہ (2013)، ابوالکلام آزاد ایوارڈ، دہلی (2013)، مسیحائے اردو ایوارڈ، دہلی (2013)، قاضی عدیل عباسی ایوارڈ، دہلی (2015)، قاضی عبدالودود ایوارڈ، پٹنہ (2016)، نشانِ امتیاز اردو سائنس کانگریس، علی گڑھ (2016)، خصوصی ایوارڈ برائے نمایاں علمی خدمات، ترکی (2016)، اقبال ایوارڈ، ہومین ویلفیئر ایسوی ایشن، فرینکفرٹ، جرمنی (2016)، سفیر اردو ایوارڈ، لٹریچر اینڈ کلچر انٹرنیشنل کوپن ہیگن، ڈنمارک (2016) صوفی جمیل اختر میموریل ایوارڈ، کلکتہ (2017) حیدر طباطبائی ایوارڈ، جرمنی (2018) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر خواجہ اکرام کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت مہتاب بن کر عالمی سطح پر اردو دنیا کو اپنی روشنی سے منور کر رہا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ماہ نامہ جام نور، دہلی، جولائی، ۲۰۰۳

2۔ مضمون 'جے این کی یو کی لال دیوار یں اور میرے شب و روز' جے این یو المنائی میگزین ''آج''

3۔ اخبار مشرق، کلکتہ، ۳ فروری ۲۰۱۸

4۔ ماہ نامہ جام نور، دہلی، جولائی، ۲۰۰۳

5۔ ماہ نامہ جام نور، دہلی، جولائی، ۲۰۰۳

6۔ www.khwajaekram.com

7۔ www.onlineurdulerning.com

8۔ ایم فل مقالہ۔ فوزیہ نوشیر، خواجہ اکرام الدین کی تحقیقی وتدوینی خدمات، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

OOO

خواجہ اکرام سے پر امید ہیں کیوں کہ پروفیسر موصوف ہی ان کی امیدوں پر کھرا اترتے ہیں۔انہوں نے اردو کے ان طالب علموں کے لیے جو ہندوستان نہیں آسکتے اور وہ اپنے ملکوں میں بیٹھے اردو سیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ان کے لیے ایک ویب سائٹ تیار کیا ہے جس کے ذریعے پوری دنیا کے خواہش مند طلبہ و طالبات اردو سیکھ رہے ہیں۔اس ویب سائٹ کا اپنا ایک نصاب ہے جس نصاب سے تمام طرح کے طلبہ و طالبات استفادہ کر سکتے ہیں۔خواہ وہ حروف تہجی سیکھ رہے ہوں یا انٹرمیڈیٹ میں ہوں۔اس ویب سائٹ پر رجسٹریشن کے بعد ایک پاس ورڈ مل جاتا ہے جس سے بیک وقت تمام رجسٹرڈ افراد ایک ساتھ بیٹھے گھنٹوں، پروفیسر اکرام سے روبرو ہو سکتے ہیں۔اس ویب سائٹ کے ذریعے ہفتے میں تین دن کلاسیز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اس کی مزید تفصیلات www.onlineurdulearning.com پر موجود ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام کی تازہ تصنیف 'اردو کا عالمی تناظر' ہے۔تین سال قبل ماریشس میں ایک عالمی سمینار کا انعقاد ہوا تھا۔اس سمینار میں لگ بھگ بشمول ہندو پاک اردو کی نئی بستیوں کے تمام نمائندوں نے شرکت کی تھی۔اس کتاب میں ان تمام شرکا کی اردو زبان و ادب کے تئیں خلوص و محبت اور احساس ذمہ داری کا عملی نمونہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اردو زبان و ادب سے محبت کرتے ہیں۔ماریشس جہاں مدارس، مساجد، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر اردو زبان کی تدریس ہوتی ہے یقیناً ان ممالک میں اردو کا مستقبل تابناک ہے۔اردو کی اس اہم بستی کا پروفیسر خواجہ اکرام نے متعدد بار دورہ کیا ہے۔مہاتما گاندھی انسٹی ٹیوٹ، ماریشس میں دو سال تک بہ حیثیت بیرونی ممتحن بلائے جاتے رہے۔یہاں کے اردو تعلیمی معیار کی جانچ پرکھ کے لیے لگاتار دو سال تک آتے جاتے رہے تاکہ اردو زبان کی تدریس کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز کے ساتھ طلبہ و طالبات کو ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں تاکہ اردو کا کام مزید بہتر ہو سکے۔ماریشس میں اردو کا ایک فعال ادارہ 'اردو اسپیکنگ یونین' ہے جو اردو کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے، پروفیسر موصوف اس ادارے سے ربط و اشتراک کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔تیسری عالمی کانفرنس کے لیے اس ادارے نے ہندستان سے انھیں کنوینر مقرر کیا تھا۔اس اہم سرگرمی کے علاوہ تمام براعظموں میں اردو کانفرنس، لیکچرس، سمینار سمپوزیم وغیرہ کے لیے بارہا دورہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اردو زبان و ادب تک اردو کے شیدائی آسانی سے رسائی حاصل کر سکیں۔ان کی انھیں خدمات کے پیش نظر ازبکستان کی وزارت تعلیم نے تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز میں وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر مدعو کیا ہے۔حال ہی میں انھوں نے ''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا مقصد دنیا بھر میں اردو کے احباب، ادارے اور تنظیموں سے اشتراک و تعاون ہے۔اس ادارے کا مقصد اردو زبان و تہذیب کا فروغ اور باہمی اشتراک ہے۔اس کارواں میں ان کے ریسرچ اسکالرس کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک کے نمائندگان بھی شامل ہیں۔امید کی جا سکتی ہے کہ اس تنظیم سے اردو کے حوالے سے ربط و اشتراک میں اضافہ ہوگا۔

میں خواجہ حسن نظامی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر کی چاشنی کا لطف ملتا ہے۔ آپ کی بیش قیمتی تحریریں ہندو پاک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں مزید یہ سلسلہ جاری ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی میں جب ڈائریکٹر تھے اس دوران اردو کے مشہور و معروف ماہنامے 'اردو دنیا' اور 'فکر و تحقیق' کی ادارت فرمائی تھی۔ وہاں رہتے ہوئے انھوں نے ''بچوں کی دنیا'' نامی رسالے کا آغاز کیا جو بہت مقبول ہوا۔ بچوں کے متعدد ماہنامے نکل رہے ہیں لیکن یہ اعزاز صرف ماہنامہ 'بچوں کی دنیا'' کو حاصل ہے کہ یہ ماہنامہ سب سے زیادہ فروخت ہو رہا ہے۔ اس ماہنامہ کے بنیاد گزار پروفیسر خواجہ محمد اکرام ہیں۔ جن کی انتھک محنت سے یہ اہم کام ہو پایا تھا جس کے لیے اردو آبادی بے قرار تھی۔ یقیناً ادب اطفال کی تاریخ میں یہ ماہنامہ ایک اہم اضافہ ہے۔

پروفیسر خواجہ اکرام اردو کی نئی بستیوں میں اردو کے فروغ و استحکام کے لیے کوشاں ہیں۔ وہاں کے موجودہ ادبی منظرنامے سے اچھی طرح واقف ہی نہیں بلکہ موجودہ وقت میں ان کا تحقیقی میدان بھی یہی ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام نے ان بستیوں پر متعدد مضامین کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں بھی تصنیف و تالیف کی ہیں۔ نیز اپنی نگرانی میں اردو کے تقریباً تمام اصناف پر تحقیقی و تنقیدی کام کروا کر درجنوں اسکالرس تیار کر چکے ہیں۔ واضح رہے کہ اردو کی نئی بستیوں کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اردو زبان اب صرف ایشیائی ممالک کی محبوب زبان نہیں رہی بلکہ یورپ، امریکہ، افریقہ، اور آسٹریلیا جیسے براعظموں میں بھی اپنی بنیاد مستحکم کر چکی ہے۔ چوں کہ ان بستیوں میں موجود ادبا و شعرا کی امیدیں اردو کے منبع و مولد ہندوستان سے وابستہ ہیں۔ چناں چہ پروفیسر خواجہ اکرام سفیر اردو بن کر وہاں کے اساتذہ، طلبا اور شعبے کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ان کا ہر ممکن تعاون بھی کرتے ہیں۔ حالیہ مصر کا دورہ اسی سلسلے اور اسی مقصد کی تکمیل کا عملی اظہار یہ ہے۔ سرزمین مصر کے لیے اردو زبان نئی اور اجنبی نہیں بلکہ اردو کی رگ و پے میں مصر کا خون بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصری اردو زبان کو اپنی تہذیبی وراثت سمجھ کر اسے نہ صرف زندہ رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس کے فروغ و استحکام میں کوشاں بھی ہیں۔ مصر کے علاوہ اردو زبان کی تدریس جن ممالک میں ہو رہی ہیں ان میں ماریشس، ترکی، جاپان، چین، جرمنی، فرانس، برطانیہ، امریکہ، ازبکستان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان ممالک میں اردو باضابطہ، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر داخل نصاب ہے۔ کہیں اردو مشرقی زبان کے شعبے میں شامل ہے تو کہیں اختیاری مضمون کے طور پر۔ لیکن مصر، ترکی اور ماریشس میں اردو میں بی اے، ایم اے کے ساتھ تحقیقی کام بھی ہو رہے ہیں جو یقیناً اردو کی تابناک مستقبل کی ضمانت ہے۔ ان تمام بستیوں پر، پروفیسر خواجہ اکرام کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ متعدد ممالک سے ہر سال طلبہ و طالبات کی ایک متعدبہ تعداد کو سمر کلاسیز کے لیے ہندوستان مدعو کرتے ہیں تاکہ وہ طلبہ و طالبات اہل اردو اور اہل زبان سے مل کر اردو کے تئیں زیادہ حساس ہو سکیں جو اردو کی مستقبل کے لیے بہت اہم کام ہے۔ ان طلبہ و طالبات کے لیے ہندوستان کا کوئی اردو ادارہ مالی تعاون پیش نہیں کرتا ہے بلکہ یہ تمام انتظام و انصرام خواجہ اکرام خود کرتے ہیں اس لیے ان ممالک کے لوگ پروفیسر

ترویج وترقی میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندستان میں وزارت تعلیم کے زیر تحت اردو کے فروغ کے لیے ایک بڑا ادارہ 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' ہے۔ اس کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔ آپ تین سال تک اس ادارے میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اس ادارے کو انھوں نے بام عروج تک پہنچایا۔ انھوں نے نہ صرف اس ادارے کے بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ کروایا بلکہ اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے کئی اہم منصوبے بنائے جن میں اردو ادب کی تاریخ، انسائیکلو پیڈیا کی نئے سرے سے ترمیم واضافہ، اردو لغت، دیگر علوم وفنون کی کتابوں کے تراجم اور اشاعت اہم ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کے لیے کئی اہم اقدامات کیے۔ ان کے دور میں اردو کی سرگرمیاں کافی بڑھیں۔ انھوں نے کونسل کے تحت عالمی اردو سیمنار کی بنیاد ڈالی اور اس کے لیے حکومت ہند سے بجٹ مختص کرایا۔ ان کی موجودگی میں دو عالمی سیمنار ہوئے جس میں دنیا بھر سے اردو کے ادیبوں نے شرکت کی۔ اس سیمنار میں پڑھے گیے مقالے کتابی صورت میں سامنے آچکے ہیں بلکہ خاص بات یہ ہے کہ سیمنار کے دوران ہی ان مقالوں پر مبنی کتاب کی اشاعت کر کے انھوں نے اردو میں ایک نئی مثال قائم کی۔ اردو اور نئی ٹکنالوجی کے حوالے سے کئی اہم کام کیے جس میں اردو انڈیا کی بورڈ، نسخ اور نستعلیق فونٹ کا اجرا، اردو پیڈیا، اردو کی کتابوں کا ڈیجیٹلائزیشن، اردو ای بکس، اردو ڈیجٹل لائبریری اردو لرننگ پروگرام وغیرہ یہ وہ اہم کام ہیں جن کے لیے وہ ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے۔

خواجہ اکرام درجنوں کتابوں کے مصنف ومرتب ہیں۔ 'اردو میڈیا' اور 'اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل' موصوف کی منفرد تصنیفات ہیں جن میں جدید ٹکنالوجی کے تمام اصول وقوانین درج ہیں۔ یہ کتابیں تمام اردو حلقوں میں یکساں مقبول ومعروف ہیں اور کئی یونیورسٹیز میں شامل نصاب ہیں۔ ان کی دیگر تصنیفات میں؛ 'رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ'، 'نوائے آزاد'، (فارسی مخطوطے کی تنقیدی تدوین) اظہر علی آزاد کاکوروی، (فارسی مخطوطے کی تنقیدی تدوین) 'اردو کی شعری اصناف (اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) 'تعارف وتنقید'، 'دیوان شانی'، (فارسی مخطوطے کی تنقیدی تاریخ)، 'اسلامی تاریخ کے اہم شہر' (ترجمہ)، 'رشید احمد صدیقی کے منتخب مضامین'، 'اردو سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت'، 'اکیسویں صدی میں اردو زبان کا فروغ اور امکانات'، 'اکیسویں صدی میں اردو زبان مسائل وامکانات'، 'ملاقاتیں، مشاہیر کے انٹرویو'، وسیم بریلوی کی شاعری: فکری اور فنی جہات' اور 'اردو کا عالمی تناظر'، 'سید محمد اشرف کے نمائندہ افسانے' وغیرہ۔ یہ تمام تصنیفات وتالیفات ہندو پاک کے علاوہ اردو کی نئی بستیوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ 'رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ' ہند کے علاوہ پشاور یونیورسٹی، پاکستان میں شامل نصاب ہے۔ 'اردو کی شعری اصناف' پاکستان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان سب کے علاوہ سیکڑوں مضامین جن کی حیثیت خالص تحقیقی وتنقیدی ہیں، مقبول خاص وعام رہے ہیں۔ یہ تمام مضامین ان کے ویب سائٹ (www.khwajaekram.com) پر موجود ہیں۔ موصوف اپنے اسلوب کی وجہ سے ہم عصروں میں منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ اسلوب کی بات کریں تو اس

سے طلبا و طالبات یہاں آتے ہیں۔ ہندوستانی سطح پر بات کیجیے تو جے این یو کا شعبہ اردو اپنا امتیازی مقام رکھتا ہے۔ اس کی امتیازی شناخت اس طور پر ہے کہ ہمارے یہاں کورسیز کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ کوئی حصہ تشنہ نہیں رہتا ہے۔ ہم نے اپنے طلبا کے لیے ہندی کو لازم کر دیا ہے تا کہ طالب علم ہندی بھی پڑھ لیں جو ملک کی قومی زبان ہے، ہم اردو کے نصاب میں ثقافت، تہذیب اور تاریخ کے پس منظر میں ادب کو پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جے این یو کے شعبہ اردو کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ بیس، پچیس سال پہلے جب اردو صحافت کے کورس کا تصور بھی نہیں تھا اس وقت جے این یو کے شعبہ اردو نے ڈپلوما ان ماس میڈیا کورس شروع کیا تھا جو آج بھی چل رہا ہے۔ آج ہندوستان کا کوئی سا بھی اردو چینل، بی بی سی سے لے کر وائس آف امریکہ اور دوردرشن سے لے کر زی ٹی وی اور دوسرے چینلوں تک ایسا نہیں ہے جس میں جے این یو کے ماس میڈیا کے طلبا نہ پہنچے ہوں"۔(4)

جے این یو کی رگ وپے میں اشتراکیت شامل ہے۔ یہ دانش گاہ پوری دنیا میں اپنے سیکولر مزاج اور جمہوری نظام و کردار کی وجہ سے مشہور و معروف ہے۔ اس دانش گاہ کے طلبا اور اساتذہ گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ یہاں مسلم طلبا کے لیے ماحول نہایت خوشگوار ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام کا کہنا ہے:

"ہندوستان میں جتنے بھی عصری تعلیمی ادارے ہیں ان میں افطار و سحری اور تراویح کا جیسا اہتمام جے این یو میں ہوتا ہے، ہندوستان میں کہیں نہیں ہوتا ہے، ایک ایک ہاسٹل میں سو سو طلبا ساتھ بیٹھتے ہیں، جتنے بھی مسلمان ہوتے ہیں خواہ وہ کسی بھی ہیئت میں ہوں، وہاں پہنچتے ہیں بلکہ یہاں تو ٹوپی کرتا اور داڑھی کو اس حیثیت سے اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس وضع کے لوگ جھوٹ نہیں بولیں گے، مکاری نہیں کریں گے، فریب نہیں دیں گے۔ آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ جے این یو میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں جو نیم عریاں ہوسکتی ہیں اور ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی صرف آنکھیں کھلی ہوں گی، سارا جسم نقاب میں چھپا ہوگا لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص کہہ سکے کہ وہ نقاب میں کیوں ہے؟ یہ دقیانوسی ہے؟۔ کسی طالب علم کے بارے میں آپ کبھی نہیں سن سکتے کہ وہ ٹوپی پہنتا ہو، داڑھی رکھتا ہو اور اس سے کسی نے یہ کہہ دیا ہو کہ وہ دقیانوس ہے۔ تو اس سیکولر ماحول میں زیادہ مواقع ہیں، آزادی ہیں۔ آپ جس لباس میں بھی رہیں، جس طرح کا کھانا کھائیں، جس طرح کا کام کریں، کوئی رکاوٹ نہیں، اتنا آزاد ماحول تو آپ کو ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں مل ہی نہیں سکتا۔ یہاں طلبا زیادہ محفوظ ہیں اور ان کے لیے مواقع زیادہ ہیں"۔(5)

پروفیسر خواجہ اکرام کی اب تک متعدد تصانیف آچکی ہیں۔ اردو زبان میں جب بھی جدید ٹکنالوجی کی بات آتی ہے تو لوگوں کی زبان پر، پروفیسر خواجہ اکرام کا نام ضرور آتا ہے۔ اردو، کی بورڈ، فونیٹک سوفٹ ویئر وغیرہ کی

آپ ایک اہم ادیب کے ساتھ بہترین انسان بھی ہیں۔ جناب فاروق ارگلی نے پروفیسر خواجہ اکرام کی تعلیمی روداد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''۱۹۸۸ میں خواجہ محمد اکرام الدین دہلی آئے اور جے این یو میں داخل ہوئے۔ ۱۹۹۰ میں انہوں نے اردو ادبیات میں ایم۔اے کی سند حاصل کرنے کے بعد ایم فل کے لیے مقالہ لکھا ''رشید احمد صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ''۔ یہ مقالہ ان کی غیر معمولی صلاحیت اور ادبی بصیرت کا عملی اظہار تھا۔ اردو کے عظیم طنز و مزاح نگار، ادیب اور دانشور رشید احمد صدیقی کے فن اور شخصیت پر اس سے قبل بھی بہت تحقیقی و تنقیدی کام ہو چکا تھا۔ اردو کے سرکردہ ناقدین و محققین نے ان کے کمالات کو اجاگر کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن خواجہ محمد اکرام الدین جیسے نوجوان طالب علم کی کاوش بھی کس قدر وقیع تھی کہ اسے ملک کی بیشتر یونیورسٹیوں کے علاوہ پاکستان کی پیشاور یونیورسٹی میں بھی شامل نصاب کیا گیا۔ اردو کے ساتھ فارسی زبان و ادب سے بھی دلچسپی مدرسہ کی تعلیم کے زمانے میں ہی ہو گئی تھی۔ انہوں نے ۱۹۹۶ میں پروفیسر نصیر احمد خان صاحب کی نگرانی میں ''انیسویں صدی کے تذکروں کا تنقیدی معیار'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا اور پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ اس دوران انہوں نے شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی میں ریسرچ ایسوسی ایٹ کے طور پر عارضی تقرری پر پانچ برسوں تک کام کرنے کے بعد پروفیسر وہاب اشرفی نے انہیں بہار بلا لیا۔ رانچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں لیکچرر مقرر ہوئے، لیکن دہلی کی وسیع علمی ادبی تہذیبی اور سیاسی فضاؤں کا ذہن پر گہرا اثر پڑا۔ رانچی کا ماحول طبیعت کو راس نہیں آیا اور وہ مستعفی ہو کر دہلی واپس آ گئے۔ ۲۰۰۰ میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر جے این یو میں ان کا تقرر ہو گیا۔ ۲۰۰۸ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہوئے اور ۲۰۱۳ میں پروفیسر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ آپ اردو ماس میڈیا میں ایڈوانس ڈپلوما، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان اردو ٹرانسلیشن اینڈ ماس میڈیا سے بھی آراستہ ہوئے۔''(3)

جام نور کے ایک انٹرویو میں پروفیسر خواجہ اکرام نے ہندوستانی زبانوں کا مرکز، جے این یو کے بارے میں کچھ اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

''جے این یو کا شعبۂ اردو بہت بہتر ہے۔ دنیا کی کوئی ایسی یونیورسٹی نہیں ہے جہاں اردو کی تعلیم ہوتی ہو اور وہاں جے این یو کے شعبۂ اردو کا اثر نہ ہو، اس کے چرچے نہ ہوں۔ آپ یوروپ میں جائیں، امریکہ، کناڈا، لندن، جرمنی، روس اور دوسرے ممالک میں جے این یو کے شعبہ اردو کا بڑا نام ہے۔ ہمارے وہ اساتذہ جو سبکدوش ہو چکے ہیں اور وہاں کی یونیورسٹیوں میں بار بار وزیٹنگ پروفیسر رہے ہیں اور آج بھی ایکسچینج پروگرام کے تحت وہاں

بعدبھی ایڈمیشن نہیں ہوسکااس کی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسرخواجہ اکرام اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

’’جب پہلی دفعہ جولائی 1887 میں یہاں آیا تو مجھے کسی بھی طرح یہ کیمپس اچھا نہیں لگا۔ کیوں کہ ہرطرف ایک ہی طرح کی عمارتیں تھیں اور پہاڑیوں میں پھیلے ہوئے اس کیمپس میں کہیں قاعدے کا پارک تک نہیں دکھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کیمپس کی کون سی خاص بات ہے کہ یہیں کے لوگ حکومت چلاتے ہیں اور یہیں دنیا کے سب سے ذہین طالب علم رہتے ہیں۔ دنیا میں جے این یو کے نام سے ایک رعب ودبدبہ بنا ہوا ہے۔ یہاں کے طالب علم اور اساتذہ سے جلدی کوئی بات نہیں کرتا کیوں کہ انھیں سب سے زیادہ قابل سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے میں نے بھی جب قدم رکھا تو میں بھی سہا سہا تھا۔ جس وقت میں آیا وہ دوپہر کا وقت تھا، جھیلم لان میں اپنے ایک سینئر دوست ڈاکٹر ابوالیث اور ڈاکٹر ابرار رحمانی کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ میں ان کے علاوہ کسی کو جانتا نہیں تھا، اس وقت ڈاؤن کیمپس میں کلاسیز ہوتی تھیں۔ ان کے انتظار میں دو گھنٹے اسی گنگا ہوسٹل کے سامنے جھیلم لان میں گزارا، اس درمیان جو مناظر دیکھنے کو ملے وہ میرے لیے تعجب خیز تھے۔ (تعجب خیز اس لیے کہ جس انداز سے لڑکے لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ان کی جو بے تکلفی تھی وہ اب تک میں نے کہیں نہیں دیکھی تھی) مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں دوستوں کے ساتھ دن رات یہیں گزرنے والے ہیں۔ خیر اپنے سینئر سے ملنے کے بعد ایڈمیشن کے لیے دوڑ دھوپ شروع ہوئی لیکن مجھے ایڈمیشن نہیں مل سکا کیوں کہ میرا رزلٹ لیٹ سے آیا۔ ناامید ہوکر پٹنہ چلا گیا۔ لیکن میں نے وہاں کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لیا کیوں کہ ان لال دیواروں نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور یہ سوچ کر واپس گیا کہ اگلے سال پھر آنا ہے۔ اللہ کا شکر ہے اگلے سال ایڈمیشن مل گیا۔ یہاں آکر سب سے بڑی پریشانی یہ ہوئی کہ آپس میں کسی سے بات چیت کرتے ڈر لگتا تھا کیوں کہ سب لوگ انگریزی میں باتیں کرتے تھے، انگریزی میں گپ لڑاتے تھے، انگریزی میں محبت کرتے تھے، انگریزی میں جھگڑا کرتے تھے اور اسی زبان میں بھاشن دے کر الیکشن بھی لڑتے تھے، اب جب میں نے اپنے آپ کو دیکھا تو کسی کام کا نہیں پایا۔ میں اردو بیک گراؤنڈ سے آیا تھا اس لیے نہ تو کسی سے محبت کرسکتا تھا اور نہ کسی سے لڑائی، بڑی مشکل میں جان تھی دل کو سمجھایا چلو اردو پڑھنے آئے ہیں، کلاس میں تو اچھا کریں گے۔‘‘(2)

۱۹۸۸ میں ملک کی منفرد اور ممتاز دانش گاہ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں ایم۔ اے اردو میں داخلہ لیا۔ یہاں سے موصوف نے ایم اے، اردو ماس میڈیا، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی شخصیت سازی میں دہلی کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جے این یو نے اس میں خاص اثر ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

گئے تھے، بیمار رہتے تھے، ذریعہ معاش کچھ تھا ہی نہیں۔ بہر کیف میں نے دسویں کا امتحان پاس کر لیا اور اب تک گھر پر کسی کو اطلاع نہیں دی۔ چونکہ میں نے اپنی تعلیم کا رخ موڑ لیا تھا اس لئے گھر والوں سے بتاتے ہوئے کافی ڈر لگ رہا تھا۔ والد صاحب سے ڈرتے ڈرتے میں نے کہا کہ میں میٹرک کے امتحان میں پاس ہو گیا ہوں، اچھے نمبر حاصل ہوئے ہیں، آپ اجازت دیں تو پٹنہ کالج میں میرا داخلہ ہو سکتا ہے۔ خلاف توقع وہ خوش ہوئے اور اپنی رضا مندی کا اظہار کیا لیکن بدقسمتی سے اسی سال والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ والد صاحب مرحوم نے چوں کہ اجازت دے دی تھی اس لئے میں نے سوچا کہ ایک طرح سے یہ میری بڑی ذمہ داری ہے، میں نے بڑی محنت کی اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں پورے بہار میں گیارہویں پوزیشن حاصل کی۔ اس سے میرا حوصلہ بڑھا''۔(1)

اس کامیابی سے خواجہ اکرام صاحب کو حوصلہ ملا اور 1981 میں پٹنہ کالج میں انٹرمیڈیٹ کے لیے داخلہ لیا۔ دو سال بعد 1983 میں بی۔ اے اردو آنرس میں داخلہ لے لیا اور اچھے نمبروں کی وجہ سے اقبال ہوسٹل میں قیام کی جگہ مل گئی ورنہ پٹنہ میں ہوسٹل ملنا ایک امر دشوار ہے۔ اقبال ہوسٹل پٹنہ کالج کا مشہور و معروف ہوسٹل ہے، یہاں سے کئی ایسے افراد نکلے ہیں جنھوں نے ہوسٹل کے ساتھ ساتھ پٹنہ کالج اور اپنا نام روشن کیا۔ بقول خواجہ اکرام اقبال ہوسٹل کے قیام نے ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ اس ہوسٹل کے نظام اور ماحول نے ان کو مزید مطالعہ کی طرف راغب کیا۔ مدرسے کے بعد کالج کے ہوسٹل کا ماحول ان کے لیے نیا تھا اس لیے انھوں نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ کیا اور اس موقعے کا بھرپور استعمال کیا۔ پروفیسر شمشاد حسین اور بعد میں یوسف خورشیدی اس ہوسٹل کے وارڈن تھے، ان سے خواجہ صاحب کی بڑی قربت رہی اس لیے ان شخصیات سے انھیں کافی سیکھنے کو ملا۔ خواجہ اکرام چوں کہ اس ہوسٹل کے پرفیکٹ بھی نامزد کیے گئے اس لیے ہوسٹل کی تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اس طرح ان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا رہا۔ شعبۂ اردو، پٹنہ کالج میں اس وقت پروفیسر یوسف خورشیدی (صدر شعبہ) ڈاکٹر کلیم عاجز اور ثریا جبیں اساتذہ تھے ڈاکٹر محبوب اقبال ریسرچ اسکالر کے طور پر کچھ کلاسیز لیتے تھے۔ پروفیسر یوسف خورشیدی اور ڈاکٹر کلیم عاجز ان پر بہت شفقت کرتے تھے۔ اقبال ہوسٹل میں بھی خواجہ اکرام تمام طلبہ کے درمیان عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ 1986 میں سیشن مکمل ہونا تھا مگر تاخیر کے سبب امتحانات کے نتائج 1987 میں آئے اس طرح ایک سال کا تعلیمی نقصان ہوا۔ بہر کیف انھوں نے یہاں سے بی۔ اے کی تعلیم مکمل کی اور امتیازی نمبروں کے ساتھ یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی ۔ پٹنہ کالج کی کامیابی نے فکر و نظر میں پختگی پیدا کی ۔ یہاں کی آب و ہوا، شفیق و مہربان دوست اور خیر خواہوں کی صحبت نے انہیں مزید محنت کی طرف راغب کیا۔ ان کو پٹنہ کالج کے علمی، ادبی اور ثقافتی ماحول سے بے حد لگاؤ ہے۔ اپنے اساتذہ اور قریبی احباب کا تذکرہ برملا اور بڑی محبت سے کرتے ہیں۔ یہیں سے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک تحریک ملی لہذا 1987 میں انھوں نے دہلی کا رخ کیا یہاں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں انٹرنس ٹیسٹ کی کامیابی کے

سرشار خواجہ محمد اکرام الدین غیر منقسم بہار کے ضلع گریڈیہہ (موجودہ جھارکھنڈ) کے موضع مقاموں، ڈاک خانہ کوئری ڈیہہ، سریا، (ہزاری باغ روڈ) میں 25 دسمبر 1964 کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرحوم مولانا شمس الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ خود ایک بزرگ عالم اور صوفی باصفا تھے چناں چہ ان کی کوشش تھی کہ ان کے صاحبزادے بھی دین متین کی خدمت کے لیے مدرسے میں تعلیم حاصل کریں، اسی خواہش کی تکمیل کے لیے موصوف نے ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسے کا رخ کیا۔ مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مئو، یوپی میں جماعت ثانیہ تک آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پٹنہ منتقل ہوگیے اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں داخلہ لیا۔ دو سال یہاں تعلیم حاصل کی اس کے بعد شبینہ اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جام نور کے انٹرویو میں پروفیسر خواجہ اکرام نے اپنے تعلیمی سفر کا تذکرہ یوں کیا ہے:

> ''میرے ایک سینئر دوست مولانا شوکت نے مجھے بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی طرف متوجہ کیا اور میں مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ چلا گیا۔ وہاں مجھے زندگی کے دوراستے نظر آئے۔ شمس الہدیٰ بیچ شاہراہ پر واقع ہے، جسے اشوک راج پتھ کہتے ہیں۔ مدرسہ کا جو گیٹ ہے یہ سائنس کالج کے گیٹ کے سامنے ہے، بالکل روبرو۔ میں حیرت و حسرت سے دیکھتا تھا کہ ایک ہم ہیں ڈرے سہمے اور دبے ہوئے۔ گھنٹی کی آواز پر لپک کر دوڑتے ہیں، زور سے قہقہہ نہیں لگا سکتے، ہنس نہیں سکتے، آزادانہ اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف سڑک کے اس پار ایک گیٹ کھلتا ہے جہاں عجیب رونق ہے، آزادی ہے، وہاں کے طلبا کو ہم دیکھتے ہیں تو ان میں بے باکی اور جرات نظر آتی ہے۔ میں بار بار سوچتا تھا، اسے آپ تمنا کہیے یا طفلانہ حسرت، میں سوچتا تھا کہ کیا میں اس بیچ کی سڑک کو پار کر سکتا ہوں؟ لیکن اس کی باضابطہ تحریک ایک واقعہ سے ہوئی۔ میرا ایک روم میٹ تھا جو روزانہ شام کو نہاتا تھا اور خوشبو لگا کر اچھے کپڑے پہن کر کہیں جاتا تھا۔ مجھے دو باتوں سے حیرت ہوئی۔ اول یہ کہ مدرسہ میں جو نہانے کا تصور ہے وہ جمعہ کو ہے یا صبح کو ہے۔ لیکن وہ لڑکا صبح میں بھی نہاتا تھا اور شام میں بھی نہاتا تھا۔ یہ چیز ہمارے لئے عجیب تھی، دوسری یہ کہ وہ کتابیں لے کر شام کو کہیں نکلتا تھا، وہ مجھ سے سینئر تھا، میں اس کے تعاقب میں رہا اور ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جاتے ہو؟ اس نے رازدارانہ طور پر بتایا کہ میں نے موڈرن نائٹ اسکول، پٹنہ میں داخلہ لے رکھا ہے، میں نے ڈرتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پہلے تو اس نے ذہنی طور پر مجھے آزمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ شکایت کردے، کیونکہ شکایت کرنے کا مطلب تھا ہاسٹل سے اخراج۔ جب میں نے اسے اعتماد میں لے لیا تب اس نے مجھے راستہ بتایا اور میں نے نویں کلاس میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ ہندی کی تھوڑی بہت شُدبُد تھی، اس وقت تعلیم کے لیے پیسے بھی نہیں تھے، والد صاحب ضعیف ہو

نگاروں/صحافیوں/طلبہ وطالبات اور قلم کاروں سے رابطہ واشتراک اور باہمی تعاون، نئی نسل کے ادیبوں اور قلمکارو ں کی حوصلہ افزائی، اردو تدریس کے فروغ کے لیے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش، اردو کے مہجری ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت، اردو کی نئی کتابوں پر تبصرے اور اس کی رسائی کے امکانات کی تلاش اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری ہے۔

گذشتہ دو دہائیوں سے www.khwajaekram.com ویب سائٹ جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس کے ذریعے دنیا بھر میں موجود اردو کے ادیبوں سے جڑے ہوئے۔انھوں نے دنیا کے ان ممالک کا سفر بھی کیا ہے جہاں جہاں اردو کی بستیاں موجود ہیں۔ پروفیسر خواجہ اکرام نے مہجری ادب پر خود بھی بہت کام کیا ہے اور اپنے کئی ریسرچ اسکالرس سے تحقیقی مقالے بھی لکھوائے ہیں۔

اردو ایک عالمی زبان کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔موجودہ عہد میں اردو زبان برصغیر سے نکل کر متعدد ممالک میں اپنی ایک منفرد شناخت بنا چکی ہے۔کسی بھی زبان کی ترقی واستحکام کے پیچھے کسی نہ کسی فرد، تنظیم اور جماعت کی نمائندگی ہوتی ہے۔اردو زبان کی یہ خوش قسمتی رہی کہ اسے ابتدائی زمانوں سے ہی لائق وفائق قدردان ملے۔ جنہوں نے مثبت فکر ونظر کے ذریعے اس زبان کی آبیاری کی۔ابتدائی دور سے آج تک اپنی گوں ناگوں خصوصیات کی بدولت یہ زبان ملک وبیرون ملک میں برصغیر خصوصاً ہندوستان کی ثقافتی وگنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی کرتی رہی ہے۔اس نمائندگی کے عمل میں کبھی لڑکھڑائی بھی ،کبھی اداس بھی ہوئی لیکن کسی نہ کسی خیر خواہ نے ہر دور میں اس کی کشتی کو بحر تلاطم سے نکال کر ساحل تک پہنچانے میں ایک ناخدا کا کردار نبھایا ہے۔اس ناخدا کی صف میں بے شمار افراد آج بھی اردو کو اپنی روحانی وجسمانی غذا فراہم کر رہے ہیں۔اس کے لیے یقیناً وہ قابل فخر اور لائق صد مبارک باد ہیں۔اردو کے اسی روشن تاریخ میں ایک اہم نام پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا ہے۔ آپ ہندوستان کی مایہ ناز دانش گاہ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ہندوستان میں اردو کا سب سے بڑا سرکاری ادارہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے سب سے اہم عہدے پر اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ آپ بیک وقت ماہر لسانیات، ناقد، محقق، اردو کے منفرد ادیب اور لائق وفائق استاذ ہیں۔اردو زبان وادب کے فروغ واستحکام کے لیے مثالی اور منفرد کردار نبھانے پر انہیں بین الاقوامی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔موصوف نے ایک اردو دانشور کی حیثیت سے دنیا کی متعدد دانش گاہوں میں منعقد ہونے والے علمی، ادبی اور تہذیبی اجتماعات، سمینار ومحافل میں شرکت کر کے اردو زبان وادب اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کی نمائندگی کی ہے۔ان ممالک میں ترکی، مصر، ایران، پاکستان، جاپان، ماریشس، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، ڈنمارک، سنگاپور، اسپین، ہالینڈ، بلجیم، سعودیہ عربیہ، سوئزرلینڈ کے علاوہ یوروپ کے متعدد ممالک کا دورہ کر چکے ہیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

مشرقی تہذیب وثقافت کے امین، اسلامی تعلیمات وروایات کے پاسدار، قومی وملی جذبے سے

ڈاکٹر محمد رکن الدین
ڈائریکٹر: ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، نئی دہلی

سفیر اردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین شخصیت اور خدمات

(ایک جائزہ)

تعارف: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ اردو زبان وادب کی خدمات کے حوالے سے وہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ بیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں ۔ ان کی چند کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی اکثر کتابیں ہندستان اور بیرون ممالک یونیورسٹیز کے نصاب میں شامل ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو ان کی علمی و ادبی کارکردگی کے عوض کئی ملکی اور بین الاقوامی اعزازات وانعامات مل چکے ہیں۔ جن میں جاپان، ڈنمارک، جرمنی اور ترکی کے علاوہ ہندستان کے مختلف علمی وادبی اداروں کے نام شامل ہیں۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزرات برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اپنے ڈائریکٹر شپ کے دوران انھوں نے قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ سے قابل قدر اضافہ کیا۔ انہی کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور ''عالمی اردو کانفرنس'' کی بنیاد پڑی۔ انھوں نے اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا۔

اردو کے نئے امکانات کی تلاش میں وہ مستقل سرگرم رہے ہیں اسی لیے کونسل کی مدت کار کے اختتام کے بعد بھی وہ اس سمت میں کام کرتے رہے۔ دنیا بھر میں موجود اردو سیکھنے والوں کے لیے انھوں نے آن لائن اردو لرنگ (www.onlineurdulearning.com) کا پروگرام شروع کیا جسے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئر مین ہیں جو ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ ہے۔ اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود اردو کے اساتذہ / ادیبوں / شاعروں / فکشن

نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ اردو زبان و ادب کے خدمات کے حوالے سے وہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ ۲۸ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی چند کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو ان کی علمی و ادبی کارکردگی کے عوض درجن سے زیادہ ملکی اور بین الاقوامی اعزازات و انعامات مل چکے ہیں۔ جن میں جاپان، ڈنمارک، جرمنی، ازبکستان اور ترکی کے علاوہ ہندستان کے مختلف علمی و ادبی اداروں کے نام شامل ہیں۔ بہ حیثیت 'بہترین اردو استاذ' کے بھی انھیں دہلی سے انعام و اکرام مل چکا ہے۔ لیکن سب س اہم بات یہ ہے کہ وہ طالب علموں کے درمیان بہت مقبول اور محبوب ہیں۔ پابندی سے کلاس لیتے ہیں اور ریسرچ اسکالرس پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نئی نسل کو ہر جگہ ترجیح دیتے ہیں۔ اب تک انھوں نے جتنے بھی پروگرام منعقد کرائے ہیں ان میں نئی نسل کے اساتذہ اور اسکالرس کو خصوصی طور پر موقع دیا ہے۔

اردو ویکی پیڈیا کے مطابق ''پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین تین سال تک قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اپنے ڈائریکٹر شپ کے دوران انھوں نے قومی کونسل کی کارکردگیوں میں نئی اسکیموں کے نفاذ سے قابل قدر اضافہ کیا۔ انہی کی مدت کار میں کونسل سے بچوں کا ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' کا اجرا ہوا اور 'عالمی اردو کانفرنس' کی بنیاد پڑی۔ انھوں نے اردو کو نئی ٹکنالوجی سے جوڑ کر اردو کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا۔ کئی اردو سوفٹ وئیر کو لانچ کیا ساتھ ہی ٹکنالوجی کو اردو سے ہم آہنگ کرنے کی سمت کئی اہم اقدامات کیے۔' 'اردو کے نئے امکانات کی تلاش میں وہ مستقل سرگرم رہتے ہیں۔''

ادارہ ''سبق اردو'' پروفیسر موصوف کے لیے دعا گو ہے اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہے۔

دانش

مدیر اعلیٰ، سبق اردو

دانش

مدیر اعلیٰ، سبق اردو

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین: معاصر ادب میں ایک اہم نام

موجودہ ادبی منظر نامے میں علمی وادبی اعتبار سے کئی نام اہم ہیں ان میں ایک اہم نام پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا ہے۔ پروفیسر موصوف علمی وادبی سرگرمیوں کی وجہ سے برصغیر ہند و پاک کے ساتھ ساتھ اردو کی بستیوں میں عزت واحترام کی نظر سے جاتے ہیں۔ اردو زبان کو نئی تکنیکی مہارتوں سے جوڑنے کے سلسلے میں آپ کی خدمات قابل صد آفرین ہیں۔ کسی بھی زبان کی ایک اہم خوبی یہ تصور کی جاتی ہے کہ اس میں مہجری ادب کا معیار ومنہاج کیا ہے اور کتنے غیر ملکی ادیب وشاعر اس ادب کے سرمائے میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس جانب بہت کم لوگوں نے توجہ کی تھی۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا نام یقیناً اس حوالے سے برصغیر ہند و پاک میں سرفہرست ہے۔ انھوں نے مہجری ادب پر خصوصی توجہ مرکوز کی اور کئی اہم تحقیقی مضامین لکھے اور اپنے اسکالر سے کئی تحقیقی مقالے لکھوائے۔ اس طرح بہت سے ایسے نام ہمارے سامنے آئے جنھیں ہم نہیں جانتے تھے۔ سوشل میڈیا کے کئی پلیٹ فارم پر ان ادیبوں سے متعلق مضامین، کالم اور ویڈیوز موجود ہیں۔ اس جانب متوجہ ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری نئی نسل مہجری ادیبوں اور غیر ملکی ادیبوں سے متعارف ہوسکی۔ سوشل میڈیا کی ہمہ جہت ترقی نے بھی اب بڑے پیمانے پر ربط واشتراک کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ لیکن اگر دوسرے سے متعارف نہ ہوتے تو یہ ربط استوار کرنا مشکل تھا سو پروفیسر خواجہ اکرام نے اس مشکل کو بھی آسان کیا ان کے تعارفی مضامین اور انٹرویز کے ویڈیو نے اردو دنیا سے ایک دوسرے کو متعارف کرایا۔ اس طرح ان کی کاوشوں سے اردو کا دامن وسیع ہو رہا ہے۔ عالمی سطح پر جب کورونا کے وبائی مرض نے لوگوں کو گھروں میں مقید کر دیا تو تقریباً زندگیاں مفلوج ہونے لگیں۔ لوگوں کو ان حالات میں ذہنی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ایسے حالات میں خواجہ اکرام نے ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے آن لائن سیمنار اور مذاکرے کے ساتھ ساتھ سب سے اہم پیش رفت یہ کی کہ انھوں نے ''مہجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلہ'' شروع کیا جس کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اردو کے ادیبوں سے لوگوں کو متعارف کیا۔ اس کے ذریعے دنیا بھر میں موجود اردو کے ادیبوں سے جڑے ہوئے۔ انھوں نے دنیا کے ان ممالک کا سفر بھی کیا ہے جہاں جہاں اردو کی بستیاں موجود ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی سفر نامہ نگاری	ڈاکٹر امتیاز وحید	111
''اردو کی نئی بستیوں'' میں اردو زبان کو متعارف کرانے میں		
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا کردار	ڈاکٹر لیاقت علی	119
مشاہدات کا مشاہدہ	ڈاکٹر ریشا قمر	125
خواجہ اکرام الدین۔۔۔۔عہد ساز شخصیت	حافظہ عائشہ صدیقہ	129
پروفیسر خواجہ اکرام جدید ٹیکنالوجی کے آئینے میں	سدرہ کرن	135
امام بخاری کے شہر میں چند روز: ایک جائزہ	یسریٰ سہیل	141
خواجہ محمد اکرام الدین کی ادبی و تخلیقی سرگرمیاں جدید ٹیکنالوجی کی روشنی میں	انجم پروین	145
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اور اردو زبان و ادب	محمد عزیز الدین	148
خادم اردو زبان و ادب خواجہ محمد اکرام الدین	نکہت پروین	154
اردو کی شعری اصناف: ایک جائزہ	فہیم الدین ٹونکی	160
سفرنامہ 'امام بخاری کے ملک میں چند روز': ایک جائزہ	ثنا راعین	164
اردو ٹکنالوجی میں خواجہ اکرم الدین کی خدمات	ڈاکٹر سلطانہ فاطمہ انصاری	175
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین شخصیت اور علمی و ادبی کارنامے	رائلہ فاطمہ انصاری	178
ڈاکٹر خواجہ اکرام: روبرو	ڈاکٹر خوشتر نورانی	182
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین سے علمی و ادبی گفتگو	علیزے نجف	193
پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سے یوم اقبال کی مناسبت سے خصوصی گفتگو	غلام زہرا	199
خواجہ اکرام بین الاقوامی شخصیت	مناظر عاشق ہرگانوی	208
انوار تخیل	ماہر عثمانی	209
پروفیسر خواجہ اکرام الدین: اردو کے فروغ میں جدید تکنیک اور		
اختراعات کے علمبردار	عبدالوہاب سخن	110
اختراعی ذہن کا مالک خواجہ اکرام الدین	ڈاکٹر اقبال حسین	212
آبروئے اردو ادب پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب	عرشی بستوی	214
عصری ادبی زندگی کی مناسبت کی پہچان: خواجہ محمد اکرام الدین	احمد معراج	215

فہرست

اداریہ	مدیر اعلیٰ	4
سفیر اردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین شخصیت اور خدمات: ایک جائزہ	ڈاکٹر محمد رکن الدین	6
خواجہ محمد اکرام الدین: کہ نطق نے بوسے مری زباں کے لیے	پروفیسر عتیق اللہ	17
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو	پروفیسر غضنفر	23
نصف صوفی	پروفیسر ابن کنول	29
قلمی چہرہ	ڈاکٹر شفیع ایوب	34
منظوم کوائف پروفیسر خواجہ اکرام	پروفیسر عبدالمنان طرزی	37
یہی تو خضر ہیں بجو ہماری دنیا کے	خان مقیم	41
زمیں کے اتنے سے ٹکڑے پہ	پروفیسر عتیق اللہ	43
دو باتیں	پروفیسر علی احمد فاطمی	47
خواجہ محمد اکرام الدین ایک متوازن شخصیت	پروفیسر شفیق احمد اشرفی	51
خواجہ اکرام ایک دوست۔ایک ادیب	پروفیسر شہاب عنایت ملک	53
خواجہ محمد اکرام الدین کے سفرناموں کی ادبی اہمیت وافادیت	پروفیسر ثروت خان	57
خواجہ اکرام: ہمہ جہت علمی وادبی شخصیت	ڈاکٹر رابعہ سرفراز	63
خواجہ اکرام: زمیں زاد ستارہ	ڈاکٹر شگفتہ فردوس	65
سرحدوں سے مُبرّا، عالمی سفیر اُردو: پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین	نصر ملک	70
''اُردو زبان وادب کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات'' ایک جائزہ	ماریہ اسلم/ ڈاکٹر صدف نقوی	76
مشاہدات: ایک تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر رابعہ سرفراز/ فریحہ انور	88
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین۔۔۔۔سفیر اردو	ڈاکٹر ریاض توحیدی	95
پاکستان کتنا دور کتنا پاس	ڈاکٹر عارف محمود کسانہ	98
پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی چند تصانیف کا مختصر جائزہ	فوزیہ نوشیر	100

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

(خصوصی شمارہ)

اجرائی شمارہ: جولائی ۲۰۰۳

سبق اردو

جلد: 8 شمارہ: 9 ستمبر 2023

چیف ایڈیٹر: دانش الٰہ آبادی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: ڈاکٹر محمد سلیم

موبائل: 9919142411

واٹس ایپ: 9696486386

sabaqeurdu@gmail.com

سرنامۂ سرورق : عادل منصوری

سرورق : دانش الٰہ آبادی

کمپوزنگ : دانش الٰہ آبادی، اہل قلم

مطبع: عظیم انڈیا پرنٹنگ پریس، سنت روی داس نگر، بھدوہی

اس شمارہ کی قیمت: ۷۰۰ (سات سو روپئے)

زر تعاون: ۱۰۰۰ (ایک ہزار روپئے)

Website: sabaqeurdul.com

Net Banking:

SABAQ -E-URDU (MONTHLY)

A/C28240200000214, IFSC BARB 0 GOPI BS

Bank of Baroda, Branch: Gopiganj

Gopiganj-221303, Dist.Bhadohi, U.P. INDIA

کسی بھی تحریر سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔ کسی بھی معاملے کی سنوائی صرف ضلع س۔ ر۔ ن۔ (بھدوہی) ہی کی عدالت میں ہوگی۔ ادارہ